رشتۂ عروس

از از از

شاہد احمد بی اے (آنرز) دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

"سرگذشتِ عروس" ترجمہ ہے ایک انگریزی کتاب کا جو "دی ڈائری آف مائی ہنی مون" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی۔ مجھے یہ کتاب اس لئے پسند آئی کہ اس کے بیشتر حالات ہمارے ملک کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ اکثر جگہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مشرقی خاتون ہی کی سرگذشتِ غم ہے۔ انمل بے جوڑ رشتوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں بلکہ زیادتی ہے میں نے اس مغربی خاتون کو مشرق کا جوڑا پہنا کر اپنے دیس کی چیز بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ دیکھنے والوں کو سات سمندر پار سے زیادہ اپنے ہی گھروں کی سی باتیں معلوم ہوں۔ یہ روزنامچہ نیم ماہی جریدہ شاہجہاں دہلی میں بالاقساط شائع ہوا تھا اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مردوں نے بالعموم اور عورتوں نے بالخصوص اسے بہت پسند کیا اکثر ایسا بھی ہوا کہ جب کوئی قسط ادھوری شائع کی گئی تو بعض خواتین نے شکوہ کیا کہ اب ہمیں پندرہ دن تک تذبذب کی حالت میں رہنا پڑے گا کہ دیکھئے آئندہ کیا ہوتا ہے۔ [illegible] گذشت ختم ہو گئی تو میری ایک [illegible] کے پچھلے پرچے نایاب ہو [illegible] اسلئے ساقی بکڈپو نے یہ سرگذشت کتابی صورت [illegible] ایک بھی بے جوڑ شادی رک جائے [illegible] ے بھوں گ [illegible]

شاہد

۳۱ راگست ۳۴ء

دہلی

اِعلان

یہ روزنامچہ بالکل اسی صورت میں شائع کیا جا رہا ہی جس صورت میں کہ لکھنے والی کے نمائندہ نے ہمیں دیا اور پبلک کے سامنے بحیثیت ایک نُمایاں و سبق آموز دستاویز پیش کیا جا رہا ہی۔ اور مفید مطلب و دلچسپ تاثراتِ قلبی کی تصویر ہونیکے علاوہ وقت کے خاص خاص رجحانات کی تفسیر بھی ہی۔ بڑے بڑے ملکوں مثلاً لندن و پیرس کے علاوہ اور سب نام بدل دیے گ[illegible] کہ [illegible] ہم بعض ٹکڑے [illegible]ال دینے ہی مناسب [illegible] ہی، کیونکہ بے علوم [illegible] ریا تھا۔ اور وہ امسگا [illegible] بود ہمیں یقین واثق ہی کہ یہ روزنامچہ مقصد [illegible] ادا کرگا۔ [illegible] آ جا رہا ہی جس میں ابتدا[illegible]اً اسے لکھا گیا تھا۔

ناشر

فردوس نگر - ار جنوری سنہ

نئے سال کا نیا دن کیسا عجیب و غریب ہی، ایسی دہشتناک کرسمس کے بعد جو میں نے ابا اور اماں بغیر پہلی دفعہ اکیلے گزاری۔ اس نے مجھے اتنی سوچ اور فکر میں مبتلا کیا کہ میرا سر دُکھ رہا ہی۔

آج صبح جب میں جاگی اور اپنی کھڑکی میں سے پائیں باغ پر نظر دوڑائی تو مجھے معلوم ہوا کہ رات بھر برف باری ہوتی رہی تھی، درخت بہت ہی بھلے لگ رہے تھے اور سڑک کے کنارے کنارے تالاب پر برف کی پپڑی جمی ہوئی تھی۔ گل چمن میرے لئے گرم پانی لیئے منہ لٹکائے کمرے میں آئی، سالگرہ یا نئے سال کے مواقع پر وہ ہمیشہ رقیق القلب ہو جاتی ہے۔ اور کرسمس سے ابتک تو اسکی حالت بد ترین ہے، اس نے مجھے پیار کرنے پر اصرار کیا اور میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ میں نے اسے سخت سُست کہا مگر اس کا نتیجہ اور بھی بُرا نکلا۔ تو پھر میں نے پوچھا کہ آخر رونے کی مصیبت کیا پڑی؟

اس نے دل شکستگی سے جواب دیا "آنے والے تغیرات کا خیال بھی کس قدر سوہان روح ثابت ہوتا ہی!"

"کیسے تغیرات"؟ میں نے

"دیکھو بی بی، اب تم بڑی ہو گئی ہو [illegible] مہینے اٹھارہ برس کی ہو جاؤگی۔ اس کا کچھ یقین نہیں کہ بیگم تمکو یہاں تمہاری دادا اور میرے ساتھ ابھی اور رہنے دینگی یا نہیں، اب تمہیں سوسائٹی میں پیش کئے جانے کی عمر آگئی ہے۔"

"تم سے کسی نے کچھ کہا ہے"؟ میں نے پوچھا۔

کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اس قسم کے خیالات خود بخود بوڑھی گل چمن کے ذہن میں نہیں آسکتے تھے۔ اس پر اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ دوا کے پاس ایک خط آیا تھا اور اُسی نے اس سے کچھ کہا سُنا تھا۔ اس سے زیادہ اس نے مجھے اور کچھ نہیں بتایا اور میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے تاکہ معلوم تو کروں کہ کیا ہونے والا ہے۔

گل چمن کے ساتھ جیسی کچھ بھی گزری تھی اس سے بھی بدتر دوا کے ساتھ گزرنے والی تھی۔ اس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور وہ فی الحقیقت بہت ہی مغموم تھی' اس نے مجھے بتایا کہ ابا آنے والے ہیں اور انکے ساتھ دو اور آدمیوں کیلئے دن کا کھانا بڑے کمرے میں ڈیڑھ بجے تیار رکھنا ہے۔

"وہ آدمی کون ہیں"؟ میں نے پوچھا۔

دوا کا چہرہ ایک معمہ سا نظر آرہا تھا کیونکہ اس نے کہا "مجھے نہیں معلوم وہ کون لوگ ہیں لیکن غالباً وہ اچھے لوگ نہیں ہیں کیونکہ تمہیں اور مجھے کھانے میں انکے ساتھ شریک نہیں ہونا ہے۔"

چند لمحوں کے لئے میں خاموش رہی، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ایکے کرسمس اکیلے گزارنے پر دوا نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو اُداس کر لیا تھا۔ اور وہ اور گل چمن "تغیرات" پر رائے زنی کرتی رہیں مجھ سے اور کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ میں ان دونوں کی طرح افسردہ خاطر ہو گئی، نہ جانے کیوں۔

"کیا ابا نے تمہیں کوئی خط لکھا ہے"؟ میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ بیگم نے"!

"اماں نے! اچھا وہ خط مجھے تو دکھاؤ۔"

"نہیں شمسہ میں تمہیں وہ خط نہیں دکھا سکتی۔"

"کیوں نہیں؟ تم اور گل چمن ہر چیز کو راز کیوں بنا لیتی ہو؟" میں نے کہا۔

"اچھا تو میں تم سے اتنا کہدینا البتہ بہتر سمجھتی ہوں کہ نواب صاحب آجکل مالی مشکلات میں بہت مبتلا ہیں اور وہ آدمی جو انکے ساتھ آرہے ہیں اسی معاملہ کے سلسلہ میں آرہے میں یہ میں سمجھتی ہوں شاید رہن و قرض یا ایسی ہی کوئی بات ہوگی۔"

"بس کیا اتنی سی بات ہے؟ تو پھر بھلا تم اور گل چمن رو رو کر اپنی آنکھیں کیوں سُجا رہی ہو؟"

پہلے پہل تو اُس نے مجھے کچھ نہیں بتایا مگر تھوڑی ہی دیر بعد میں نے باتیں واتیں بنا کر اُس سے یہ معلوم کر لیا کہ چونکہ ابا اور اماں اب فردوس نگر نہیں آتے تھے اور اب چونکہ میں بھی بڑی ہو گئی تھی اسلیے یہ گھر یا تو بیچ دیا جائیگا۔ یا کرایہ پر دیدیا جائیگا اور مجھے اماں کے ساتھ اب شہر میں رہنا پڑیگا۔

مجھے یہ بہت بھیانک منظر آیا۔ میرا تو دل ٹوٹ جائیگا اگر میں لندن میں جا کر رہی اپنے گھوڑوں سے دُور اور باغ سے علیحدہ۔ اور اپنے پالتو جانوروں، پرندوں اور ان لوگوں سے دور جنہیں میں ایک مدت سے جانتی ہوں۔ ذرا سوچو تو اسکلی اور انسروں اور بوڑھی کالی کی سے جُدائی۔ جب کہ وہ مجھ سے ہفتے کے ہفتے ملنے پر چشم براہ رہتی ہیں!

میں نے دَدا سے پوچھا "کیا تمہیں بھی لندن اسی قدر ناپسند ہے جس قدر کہ مجھے، جو وہاں جانے کے خیال سے اسقدر رو رہی ہو؟" تو اس نے کہا "مجھے تو یہاں سے بالکل ہی

چلا جانا پڑے گا۔ اور گل چمن کو بھی کیونکہ اگر تم شہر جاؤ گی تو اپنی شادی کی وجہ سے جاؤ گی۔"

اس پر میں نے اُس سے کہا کہ میرا تو خیال ابھی کئی برس تک شادی کرنے کا نہیں ہے، اگر میں نے کبھی شادی کی بھی۔ مگر اس نے میری بات کاٹ کر کہا کہ تمہیں زندگی کا علم بالکل نہیں ہے اور تم جیسی لڑکیاں ان باتوں میں من مانے ارادے پورے کرنے میں آزاد نہیں ہوتیں۔"

میرے جی نے نہیں مانا کہ میں اُسے جتاؤں کہ وہ کس قدر غلطی پر ہے اور یہ امر کتنا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے کہ فرانسیسی لڑکیوں کی طرح انگریزی لڑکیوں کے لئے بھی شادی کے معاملات اور لوگ طے کریں۔ اس کے بعد ہم نے ناشتہ کیا اور اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں ہوئی۔ ناشتہ کے بعد میں نے افضل کا کارڈ کمرہ طعام کے نابدان پر لگا دیا۔

افضل کو دیکھے مجھے پورا ایک سال ہو گیا۔ اگلی کرسمس کے موقعہ پر وہ اور ماموں اسلم ابا اور اماں کے ساتھ آئے تھے اور بانو اور خاتون اور بہت سے آدمیوں کے ساتھ ہم نے کیسا اچھا وقت گزارا تھا! اُس موقعہ پر افضل کے ساتھ رقص اور اس کے بعد باغیچہ میں جو اُن سے باتیں ہوئی تھیں۔ اُنہیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں تو سمجھتی ہوں شاید وہ بھی انہیں فراموش نہ کر بیٹھے ہونگے گو اپنے خطوط میں وہ انکا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ محبوب افضل! کاش مجھے وہ اپنی تصویر بھیج دیں جس کا مجھ سے وعدہ کر گئے تھے، میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ وہ اب بھی ویسے ہی دلکش ہونگے یا نہیں جیسے کہ پہلے تھے! ۱۲ فروری کو انکی اکیسویں سالگرہ ہوگی اور مجھے سب سے پہلے کوئی چیز انکے لئے بنانی چاہیئے۔ کشیدہ کاری کی کوئی چیز ٹھیک رہے گی مگر اس کا مشکل حصہ دوا کو بنانا پڑیگا۔ پھر تو یہ تحفہ دوا ہی کی

طرف سے ہوگا نہ کہ میری طرف سے۔ نہیں یہ مجھے پسند نہیں۔

دادا چاہتی تھی کہ آنے والے مہمانوں کی وجہ سے میں گھر میں مقید ہو کر بیٹھ جاؤں مگر بغیر اپنے جانوروں کو دیکھے مجھے تو صبح کا وقت گزارنا بھی اجیرن ہو گیا۔ اپنے اور سب کاموں سے فارغ ہو کر میں موقعہ دیکھکر چپکے سے باہر نکلی اور گاجروں سے جھولی بھر کے اصطبل کی طرف چلی۔

برف گر رہی تھی میں عجیب اُلجھن میں پڑ گئی۔ اس سے پہلے کہ میں اصطبل پہونچوں میرے جوتے اور موزے بھیگ کر چُورا ہو گئے۔ لیکن بجلی اور موتی اور ابلق مجھے دیکھکر ایسے خوش ہوئے اور میں انہیں دیکھکر ایسی خوش ہوئی کہ مجھے اپنے گیلے پیروں کا خیال بھی نہیں رہا۔ بلکہ وقت اور ہر چیز کو بھول بیٹھی۔ دروازہ کھول کر میں موتی کی پیٹھ پر جا بیٹھی اور اسے آہستہ آہستہ چکر دینے لگی۔ میں ابھی دل بھر کے لطف اندوز بھی نہونے پائی تھی کہ ایک دفعہ ہی اندھیرا سا ہو گیا۔ اور میں نے جو دروازہ کی طرف دیکھا تو دیکھا کہ ایک آدمی اندر منھ ڈالے جھانک رہا ہے۔

ایک لمحہ بعد مجھے ابا کی آواز سنائی دی اور میں موتی کی پیٹھ پر سے اچھل گھاس میں دبکنے لگی۔ اس آدمی نے اپنی ٹوپی اُٹھائی اور بغیر کچھ کہے چلا گیا اور میں ایک تاریک گوشہ میں دبکی دبکائی بیٹھی رہی اور بہت ہی شرمساری و خفت محسوس کر رہی تھی یہانتک کہ باتیں کرنے کی آوازیں میرے کانوں میں آنی بند ہو گئیں۔

جب میں گھر میں واپس آئی اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ خوش قسمتی سے مجھے کسی نے نہیں دیکھا تو مجھ پر وہی مثل صادق ہو گئی کہ "چولہے میں سے نکل بھاڑ میں پڑی"

کیونکہ عین اس وقت جب میں برآمدے میں سے بھاگ کر پچھلے زینہ پر چڑھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ یکایک کتب خانہ کا دروازہ کھلا اور ابا اور انکے ساتھ دو آدمی اور باہر نکلے۔

میں کچھ ایسی خوف زدہ ہوگئی کہ گھبراہٹ میں ایک جوتی پاؤں میں سے نکل گئی برف اور کیچڑ میں لت پت ہوکر جوتیاں اتنی بھاری ہوگئی تھیں کہ میں انہیں ایک منٹ بھی اور نہیں پہن سکتی تھی۔ رک کر دوبارہ اتری ہوئی جوتی کو پہننے کا اب موقعہ نہیں تھا اس لئے میں بھاگی چلی گئی اور یہ اُمید دل میں رہی کہ کسی کو اس کا شبہ بھی نہو گا کہ یہ رم خوردہ لڑکی نواب خجستہ اختر کی دختر ہے۔

لیکن ایک آدمی کے کہنے کی آواز سنائی دی "صاحبزادی کی جوتی گر پڑی ہے!" اور دوسرے لمحہ مجھے ٹھہرنا پڑا کیونکہ وہی آواز میرے پیچھے قریب سے آئی "بیگم صاحب! شاید یہ جوتی آپ کی ہے"

مجھے مجبوراً پلٹ کر جوتی اس سے لیکر شکریہ ادا کرنا پڑا کیچڑ میں سنی ہوئی جوتی جس کو بیگموں کی جوتی سے دور کی بھی نسبت معلوم نہوتی تھی، اور اسی وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ وہی آدمی ہے جس نے اصطبل میں مجھے جھانک کر دیکھا تھا۔ وہ انتہائی شائستگی سے پیش آیا اور مسکراتے ہوئے دور تک تعظیماً جھکا۔ میری نظریں زمین پر گڑ کر رہ گئی تھیں اور شرم سے اونچی نہوئیں، ہاتھ بڑھا کر میں نے جوتی لی اور پھر دیوانہ وار بھاگی۔ یہ خوف الگ سہمائے دیتا تھا کہ دیکھئے اب ابا کیا کہتے ہیں؟

جب میں اوپر پہونچی تو دادا نے ٹانگ لی اور خوب صلواتیں مجھے سنائیں اور جب ایک گھنٹے بعد ابا کھانے سے فارغ ہوکر آتے تو میں نے سمجھ لیا کہ اب بقول

نسرین، "دھن کی ڈی" ہو گی۔

مگر بچارے ابا آج کچھ بہت پریشان سے تھے اور بجائے اسکے کہ میری حرکت پر خفا ہوتے انہوں نے خاموشی سے مجھے پیار کیا اور ردوا سے کہا: "اگر تم اور شمسہ آج شام کو میرے اور میرے دوستوں کے ساتھ شریک طعام ہو گی تو میری مسرت کا موجب ہے گا"

ابا کچھ اُداس اُداس سے نظر آ رہے تھے اور مجھے انکی اس حالت پر رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا خوش رہنا ابا کیلئے اسقدر فطری ہو گیا ہے کہ آج وہ پہلے سے ابا ہی نظر نہ آتے تھے۔ وہ جلدی ہی چلے گئے اور مجھے یہ تکلیف دہ احساس ستانے لگا کہ ابا اپنی حالت سے خود متنفر معلوم ہوتے ہیں اور میں اس سوچ میں پڑ گئی کہ کہیں وہ یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میری آج کی حرکت ان کی تضحیک و رسوائی کا سبب بنی۔ لیکن انہوں نے اسکے متعلق ایک لفظ بھی کسی سے نہیں کہا اور میں بھی خاموش رہی۔

ردوا کا چہرہ کچھ متغیر نظر آ رہا تھا مگر اُس نے سوائے اس کے اور کوئی خاص بات نہیں کہی کہ میرے لئے کوئی نیا جوڑا کپڑوں کا نہیں ہے علاوہ اُس کے جو کہ موسم خزاں میں بنا تھا۔

میں نے اُس سے کہا کہ یہ جوڑا ٹھیک رہیگا اور چونکہ میں دیہات میں رہتی ہوں اس لئے مجھ سے خوش پوشی کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

جب ہم دونوں "ایوانِ کبود" میں گئے تو ہم نے ابا اور دونوں مہمانوں کو اپنا منتظر پایا۔ ان دونوں کا تعارف مجھ سے کرایا گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ صاحب جو میری جوتی لیکر میرے پیچھے دوڑے تھے سر ہمایوں فرتھ وہ مجھ سے بہت شائستگی سے پیش آئے

اور جب کبھی میں انکی طرف دیکھتی تھی تو مسکرا دیتے تھے۔ مجھ سے میرے گھوڑوں کے بارے میں پوچھتے رہے اور یہ بھی دریافت کیا کہ مجھے سواری کا شوق بھی ہے یا نہیں؟ پھر انہوں نے مجھ سے ان سفید گھوڑوں کا ذکر کیا جو انہوں نے آسٹریا میں دیکھے تھے اور میرے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی انہیں دیکھوں۔ مجھ سے اس کا بھی وعدہ کیا کہ وہ اپنی بہترین کوششیں اس کے لئے وقف کر دیں گے کہ ایک جوڑی ان گھوڑوں کی میرے لئے مہیا کریں۔ اس پر میں بہت خوش ہوئی لیکن مجھے یقین نہیں کہ انہیں اپنا وعدہ یاد رہیگا۔

وہ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آئے مگر میں سمجھتی ہوں کہ میں انہیں بہت پسند نہیں کرتی کیونکہ انکی اتنی چھوٹی چھوٹی سی خوفناک آنکھیں ہیں اور بات کرنے کا طریقہ عجیب بے ہنگم ہے۔ انکے دانت خوبصورت اور سفید ہیں اور سر کے بال سیاہ ہیں لیکن گو ابا کے بال سفید ہو چلے ہیں تاہم عمر میں ابا سر ہمایوں فر سے کم نظر آتے ہیں۔

لیکن ابا پھر ابا ہیں اور یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ہر شخص سے توقع رکھی جائے کہ وہ ابا جیسا ہوگا۔

دوسرے صاحب مسٹر سلیم کا چہرہ ہی عجیب ہے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ جب وہ بولتے تھے تو نرم دل اور دلچسپ نظر آتے تھے لیکن جب وہ چپکے ہوتے تھے تو ان کا چہرہ پتھر سے بھی زیادہ سخت نظر آتا تھا۔ ان الفاظ میں چہرے کا بیان بھلا نہیں معلوم ہوتا مگر کیا کروں کہ میں کسی اور طرح اسکی وضاحت نہیں کر سکتی۔

تمام شام دوا خوف زدہ سی نظر آتی رہی اور جب کھانے سے فراغت پانے کے بعد وہ اور میں "ایوانِ کبود" میں واپس آئے تو میں نے اس سے پوچھا، آخر کیا معاملہ ہے"؟

وہ ہنس کر چُپکی ہو رہی اور مجھ سے پوچھنے لگی کہ ابا کے دوستوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔ اور تم انہیں پسند کرتی ہو یا نہیں؟ میں نے کہا ہاں، اور مسٹر ہمایوں فر کے وعدہ کا اس سے تذکرہ کیا۔ اس پر وہ اور بھی زیادہ خائف نظر آنے لگی۔

میرے دل میں معًا ایک خیال آیا اور میں نے پوچھا "یہ مسٹر ہمایوں فر ہیں آخر کون؟"

لیکن اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا گو اس نے یہ کہا "میں نے ان کا ذکر اکثر سنا ہے" اور اس کا بھی یقین ظاہر کیا کہ وہ ایک بہت مالدار آدمی ہیں۔

"تو شاید" میں نے کہا "وہ "فردوس منزل" خریدنے آئے ہونگے"!

دوا نے کہا "شاید ایسا ہی ہو" مگر یہ کچھ اس طرح اس نے کہا کہ میرے دل کو یہ جواب نہ لگا اور ان کے آنے کا اصل سبب کچھ اور ہی تھا۔ اب میں اس فکر میں پڑ گئی کہ وہ اصل سبب کیا ہے؟

"کیا تم مسٹر سلیم کو پسند کرتی ہو"؟ دوا نے مجھ سے پوچھا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اس نے میرے جواب کی کوئی پروا نہیں کی اور یہ سوال محض اسلئے کیا گیا تھا کہ ہمایوں فر کا ذکر ختم ہو جائے۔

میں نے کہا میں نے تو شاید مشکل ہی سے ان سے کوئی بات کی ہو اور یہ کہ ایسا

چہرہ بہت عجیب تھا۔

"وہ سر ہمایوں فر کے قانونی مشیر ہیں"۔ ددا نے کہا۔

میں نے کہا "میں تو یہ سمجھتی تھی کہ لوگوں کے قانونی مشیر ہمیشہ معمّر آدمی ہوتے ہیں مگر مسٹر سلیم تو بالکل بڈھے نہیں ہیں"!

غرض میں کچھ پریشان پریشان سی رہی کیونکہ دیکھ رہی تھی کہ یہ دونوں آدمی کسی ایسے سلسلہ سے آئے تھے جو ابا کو ناگوار معلوم ہو رہا تھا۔ آج سارے دن وہ خاموش اور شکستہ خاطر نظر آئے۔

جب وہ سب پھر پھرا کر گھر میں آئے تو سر ہمایوں فرسید ھے میرے پاس آئے اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے مجھے ہنساتے رہے۔ باوجودیکہ یہ انکی مہربانی تھی کہ وہ مجھے خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تاہم میں نے محسوس کیا کہ میں اب نہیں بلکہ پہلے سے بھی پسند کرتی تھی۔

انہوں نے مجھ سے کہا کہ اصطبل میں اس دن صبح کو میری ایک جھلک دیکھکر انہیں اسقدر مسرت ہوئی تھی کہ ابا سے میرے شریکِ طعام ہونے کی درخواست خود انہوں ہی نے کی تھی۔

"اور" انہوں نے کہا "میں نے بچشم خود وہ بھی دیکھ لیا جسکا کہ مجھے یقین تھا۔ یعنی نواب نجستہ اختر کی صاحبزادی اِس سال کی حسین ترین لڑکی ہوگی"!

مجھے تو اس پر بہت تعجب ہوا بلکہ کچھ ناگوار بھی گزرا مگر میں نے ہنس کر بات ٹالدی اور کہا "میرا تو یہ خیال نہیں ہے"!

مگر وہ اسی پر مصر رہے اور کہا:۔

"ایک الماسی تاج جو آج کل خواتین پہنتی ہیں اور ایک موتیوں کا ست لڑا اگر تمہارے زیبِ گلو ہو تو تم حسین سے حسین خاتوں سے بھی بازی لے جاؤ گی!"

ان کے گھورنے کے ڈھنگ اور اپنے دیکھے جانیکے طریقے سے میں کچھ ایسی بوکھلائی کہ منہ کھل گیا۔

پھر انہوں نے کہا "کیا تم ایک ملکہ کے سے جواہرات پہننے پسند کرو گی۔ شمسہ خاتون"؟

اس پر میں نے ہنسکر کہا نہیں، مجھے انکی پروا بھی نہیں ہوگی اور یہ کہ سب مجھے پھول جواہرات سے زیادہ عزیز ہیں۔ اور سواری کا لباس مجھے زیادہ پسند ہے۔

انہوں نے اسپر اظہار مسرت کیا اور کہا "تم ایک سمجھدار لڑکی ہو"!

اور جب میں نے کمرے کی دوسری جانب نظر کی تو میں نے دیکھا کہ ابا اور مسٹر سلیم مجھے کچھ عجیب طرح دیکھ رہے ہیں۔ ابا گوشۂ چشم سے کہ گویا وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اور دیکھے کہ وہ دیکھ رہے ہیں اور مسٹر سلیم کی آنکھوں میں کچھ اور ہی بات تھی جیسے انہیں مجھ پر ترس آ رہا ہو۔

میرے بدن میں ایک ٹھنڈک سی دوڑ گئی اور میں ایکا ایکی کرسی پر سے اچھل پڑی اور میری گود میں سے بلی کا بچہ فرش پر گر پڑا۔ سر ہمایوں فر نے اُسے اٹھا کر مجھے دیا اور ساتھ ہی پھر ایسی نظر سے دیکھا کہ میرے انتشار میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ وہ جس قدر زیادہ مہربانیوں کا مظاہرہ کرتے تھے، میں اسیقدر ان سے

متنفر سی ہوتی جاتی تھی۔

اس کے بعد مجھے پیانو بجانا پڑا اور میں نے اس میں اتنی غلطیاں کیں کہ عمر بھر میں شاید کبھی نہیں کی تھیں لیکن سر ہمایوں فر اور مسٹر سلیم نے کہا تو یہی کہا کہ میں نے بہت اچھا بجایا۔ پھر مجھے گانا پڑا اور ردا نے میری ہمنوائی کی۔ مجھے معلوم ہے میں نے بہت بے سرا گایا۔ کیونکہ میں گھبرا رہی تھی اور میرے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے ـــــ نہ جانے کیوں؟

گیت ختم ہونے پر سر ہمایوں فر نے مجھ سے کہا کہ اس سے پہلے انہوں نے اتنا سُریلا گلا اور اس درجہ رس بھری آواز نہیں سنی تھی۔

جب میں نے چلتے وقت انہیں شب بخیر کہا تو انہوں نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا، مجھے یہ بہت ناپسند ہوا۔

جب انہوں نے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا تو میں نے دیکھا کہ آپا بےحد گھبرائے ہوئے تھے اور جب میں اپنے کمرے میں اوپر آئی تو مجھے محسوس ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو بھر رہے ہیں۔

مجھے قطعاً نہیں معلوم میرا دل کیوں آج رات کو اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا ہے۔ لیکن شاید یہ وجہ ہو کہ آج کے دن کی ابتدا گل چمن اور ردا کے رونے سے ہوئی تھی اور پھر آپا اس قدر پریشان نظر آتے رہے اور مسٹر سلیم کی سنگین خاموشی!

مجھے اُمید تو یہی ہے کہ کوئی ہیبت خیز واقعہ رونما نہیں ہونے والا!

آج کا دن نہایت عجیب و غریب تھا۔

فردوس نگر - ۲ جنوری سنہ

ناشتہ کے لئے میں سب سے پہلے کمرۂ طعام میں پہونچ گئی تھی، ایک منٹ بعد ابا داخل ہوئے تو جلدی سے مجھے ملحقہ کتب خانہ میں اپنے ساتھ لے گئے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ جب وہ مجھے کھڑکی کے قریب لیجا رہے تھے تو ان کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے اور انہوں نے بہت جلدی میں کہا۔

"چھمو! میں تم سے باتیں کرنی چاہتا ہوں۔ اب تم اٹھارہ برس کی ہو، ہے نا؟"

اُن کا متغیر چہرہ دیکھکر میں خوف زدہ سی ہوئی لیکن میں نے کہا کہ "دو مہینے بعد اٹھارہ برس کی ہو جاؤں گی!"

"اچھا" انہوں نے کہا" کیا تم پسند کروگی کہ تمہاری شادی کر دی جائے؟"

میری چیخ نکلتی نکلتی رہ گئی۔ جب میرا سانس ٹھیک ہوا تو میں نے کہا کہ ابھی ایک طویل عرصے تک میں شادی کرنا نہیں چاہتی، اس پر وہ بے چین سے نظر آئے۔ اور میری بات کاٹ کر بولے:۔

"تمہاری اماں نے مجھ سے اس وقت شادی کی تھی جب ان کی عمر اٹھارہ برس سے چند ہفتے زیادہ تھی۔ اور میں سمجھتا ہوں جو شادیاں جلدی ہو جاتی ہیں سب سے زیادہ خوش انجام ثابت ہوتی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اس پر غور کرو!"

میرے ہوش و حواس معطّل تھے۔

تھوڑی دیر تک نہ وہ کچھ بولے اور نہ میں۔ پھر ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

"ابّا! کیا افضل نے آپ سے کچھ کہا سنا ہے"۔

ابّا کی آواز اس قدر درشتی سے سنائی دی کہ میں اچھل پڑی۔

"افضل! کون افضل؟" انہوں نے کہا۔

"ابّا! افضل۔ افضل کو آپ جانتے نہیں؟" میں نے کہا۔ اور میرا دل ڈوب سا گیا جب میں نے دیکھا کہ مجھ سے کیسی غلطی سرزد ہو گئی۔

میں نے ان کی طرف نظر اٹھا کر پھر نہیں دیکھا کیونکہ انکے چہرہ سے خفگی عیاں تھی۔

"افضل! ہوں۔ اس کے پاس تو چار پیسے بھی نہیں" انہوں نے جلدی سے کہا

"وہ مجھے عزیز رکھتے ہیں میں سمجھتی ہوں" میں نے دبی زبان سے کہا۔

"میری پیاری بچی! تمہیں یا کسی اور لڑکی کو اگر وہ عزیز رکھتا ہے تو اس سے فائدہ؟ خاص چیز —— صرف یہی ایک چیز ہے اگر کوئی تم سے شادی کرنا چاہے —— روپیہ بے شمار دولت"

میں چونک پڑی۔ میں نے ایک دم سے نظر اونچی کر کے کہا۔

"آپ کا کیا مقصد ہے، ابّا!"

"انہوں نے بغیر میری طرف دیکھے کہا" سر ہمایوں فر تم سے شادی کرنی چاہتے ہیں۔ انگلینڈ کے چوٹی کے امیروں میں سے ایک یہ بھی ہیں"

میرے منہ سے پھر ایک چیخ نکلتی نکلتی رہ گئی۔

"شادی کرنی چاہتے ہیں" میں نے کہا "ہاں! مگر میں شادی کرنی نہیں چاہتی۔ اور مجھے شبہ ہے کہ آپ بھی اس رشتہ کو پسند نہیں کرتے"

انہوں نے جلدی سے میری طرف دیکھا اور میں نے دیکھا کہ خوف کے آثار اُن کے چہرے پر تھے۔

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" اُنہوں نے پوچھا۔

میری ہمت عود کر آئی تھی اور میں نے دلیری سے نظریں ملا کر کہا۔

"آپ یہ پسند نہیں کریں گے کہ اُن سے شادی کرلوں۔ ہے نہ ابا؟"

"کیوں نہیں؟"

مجھ پر بجلی سی گر پڑی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسباب ظاہر ہیں۔ سر ہمایوں فر بڑی عمر کے آدمی تھے۔ نام کو خوبصورتی اور دلنوازی اُن میں نہیں تھی۔ اور میرا دل کہتا تھا اور مجھے اس کا یقین تھا کہ یہ اسی قسم کے لوگوں میں نہیں تھے جیسے کہ ابا، اماں یا میرے اور عزیز تھے۔ اور اب جبکہ اُن سے شادی کرنے کی تجویز میرے ذہن نشین کرادی گئی تھی مجھے یکایک محسوس ہوا کہ مجھے اُن سے قطعاً تعلقِ خاطر نہیں تھا۔

مگر ابا کے سوال کا جواب دینا اور سوال بھی وہ جو ایسے لہجہ میں کیا گیا ہو مجھے بھیانک نظر آرہا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میرا گلا گھٹ رہا ہے۔

"وہ مجھ سے عمر میں بہت بڑے ہیں" میں نے بمشکل تمام مُردہ آواز میں کہا۔

"ہاں ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ لیکن اگر تم اُن سے چاہت کر سکو ——— تو میں سمجھتا ہوں وہ تم سے کشادہ دلی سے پیش آئینگے اور تم سے مہربانی کا سلوک کرینگے" ابا نے کہا

میں نے سر ہلا دیا۔

"میں نہیں کر سکتی۔ میں نہیں کر سکتی۔ میں نہیں کر سکتی۔ میں نہیں کر سکتی" میں نے

ہانپ کر کہا۔

ابا کا چہرہ سفید پڑ گیا اور میرے دل پر چوٹ سی لگی کہ میں ان کی توقعات کی خلاف ورزی کر رہی تھی۔ مگر انہوں نے میرے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا:۔

" اچھا میری پیاری بچّی! بیشک تم اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہو لیکن اگر تم ذرا بڑی ہوتیں اور میں تم سے زیادہ اچھی طرح بات کر سکتا ——"

انہوں نے فقرہ ناتمام چھوڑ دیا اور میرے کندھے کو پھر تھپکتے ہوئے سر ہلایا اور مسکرا کر کہا " اچھا، میری بچّی "

پھر جاتے ہوئے پلٹ کر انہوں نے کہا " اچھا ناشتہ کے لئے آؤ۔ اب تک وہ لوگ بھی آ گئے ہونگے "

اس کے بعد میرے دل میں ایسے تاثرات کا ہجوم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اس قسم کے تاثّرات پیدا ہی نہ ہوتے تھے باوجودیکہ ابا نے اس قدر نرم دلی اور شفقت سے کام لیا تھا۔ اور ان کے چلے جانے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس خوفناک معاملہ کا خیال انہوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے تاہم چند لمحوں کے لئے میں نے محسوس کیا کہ گویا ایک دم سے کسی نے میرے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے ہیں کہ میں ہل بھی نہیں سکتی۔ اور بھیانک احساس ہونے لگا کہ کوئی چیز مجھ پر اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ میں اس سے بچکر نکل نہیں سکوں گی۔

مگر یہ احساس تھوڑی ہی دیر بعد جاتا رہا اور میں بھی برابر والے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں مسٹر ہمایوں فر اور مسٹر سلیم موجود تھے۔ دادا کو دیکھا کہ وہ ان سے اِدھر اُدھر کی باتوں میں

لگی ہوئی ہے اور وہ بے توجہی سے سن رہے ہیں۔ دوا کے فرائض بھی کس قدر تکلیف دہ ہوتے ہیں اکوئی سنے یا نہ سنے مگر وقت گزاری کے لیے بلے بولنا پڑتا ہے۔

میں نے ان دونوں ملاقاتیوں سے ہاتھ ملایا اور بیٹھ گئی۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ سر ہمایوں فر مجھے دیکھکر مسکرائے گویا انہوں نے ابا سے اس خوفناک معاملہ میں گفتگو کی تھی۔ اور اب انہیں میرا جواب سُننے کی ضرورت نہیں تھی۔

پھر ابا کو میں نے اُن سے کہتے سُنا "ابھی نہیں" اور ناشتہ شروع ہو گیا۔

گیارہ بجے سے پہلے پہلے تینوں باہر چلے گئے اور میں نے دوا کے پاس جاکر اصرار کیا کہ سر ہمایوں فر کے بارے میں اُسے جو کچھ معلوم ہو مجھ سے بے کم و کاست بیان کر دے۔

بہت دیر تک تو وہ انکار کرتی رہی۔ لیکن بالآخر اسنے کچھ سوچ کر مجھ سے کہا۔

"سر ہمایوں سُود پر روپیہ قرض دیتے ہیں"

"مہاجن ہیں؟" میں نے بے اعتباری کے لہجہ میں کہا۔

یہ کس قدر ناممکن نظر آتا تھا کہ ابا میری شادی ایک سُود خوار مہاجن سے کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ دوا نے شاید یہ دیکھکر کہ مجھے اس کے کہے کا یقین نہیں آیا یوں بات بنائی:۔

"موجودہ سوسائٹی میں اس قسم کے لوگوں کی پذیرائی ویسی ہی ہونے لگی ہے جیسی کہ ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ میں اُن کی عدم پذیرائی ہوا کرتی تھی"

میں سوچ رہی تھی کہ ابا نے دوا سے بھی سر ہمایوں فر کا ذکر کر دیا یا نہیں کل تک

تو یقیناً اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا جو وہ میری شادی کے تذکرہ پر روئی تھی۔

میں نے دوا سے پوچھنے کا ارادہ کیا۔

"دوا میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے وہ خط دکھا دو جو کل اماں نے تمہارے نام بھیجا ہے۔"

"نہیں نہیں، بیگم صاحبہ کے خطوط خانگی ہوتے ہیں، جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ میں تمھیں بتا چکی ہوں۔"

"اچھا تو مجھے صرف اتنا ہی بتا دو۔ کیا اُنہوں نے سر ہمایوں فر کے بارے میں کچھ لکھا ہے؟"

میرے اس سوال پر دوا چونک پڑی۔

"نہیں، بالکل نہیں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے؟"

"ہاں قطعی۔"

"اچھا تو مجھے یہی بتا دو کہ انہوں نے میرے بارے میں کیا لکھا ہے؟ اُن کی خواہش میرے آیندہ طرزِ عمل کے متعلق کیا ہے؟"

"تھوڑی دیر کے لئے دوا بے چین سی ہوگئی مگر پھر سنبھل کر کہنے لگی:۔

"میں تم سے سب کچھ کہہ چکی ہوں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ تم اب اٹھارہ برس کی ہوگئی ہو۔ اب وقت آگیا ہے، کہ تم شہر میں آؤ اور سوسائٹی میں متعارف ہو کر شامل ہو جاؤ۔ اور اُنہوں نے یہ بھی لکھا تھا، گو میں اب تفصیل کو بیان کرنا پسند نہیں کرتی کہ تمہاری آپا خاتون کیطرح تمہیں معقول طور پر متعارف کرنے کے لئے پورا پورا روپیہ

فراہم کرنے کی دُشواری ہے"

اس پر میں بہت متعجب ہوئی۔ میرے بارے میں یہ سب باتیں اس طرح کی جارہی ہیں گویا میں بازار کا موسمی سودا ہوں جو ایک مقررہ تاریخ کو نمائش کے لئے منظرِ عام پر رکھا جائیگا۔ آہ! کسقدر حقارت انگیز خیال تھا!

"کاش! ہم یہیں خاموش زندگی بسر کرتے رہیں"! میں نے کہا "بچاری آپا پر اتنا روپیہ اٹھایا گیا تو انہیں کیا فائدہ پہونچا؟"

بچاری خاتون! پانچ سال پہلے وہ اُس سال کی حسین ترین لڑکی تھی اور جب سے ابتک اس کی دو شادیاں ہوچکی ہیں اور میں جانتی ہوں کہ وہ خوش نہیں رہ سکی۔ کیونکہ جب کبھی اُس کا نام آتا ہے تو لوگ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ گفتگو کا موضوع بدل دیں۔ اب وہ یہاں کبھی نہیں آتی اور میں نے اب تک اس کے دوسرے شوہر نواب ذوالفقار کو نہیں دیکھا۔

دو دن سے صحنِ باغ میں چہل قدمی کی ٹھہرائی گو ابتک زمین پگھلتی برف سے بُری حالت میں تھی اور میں آج تمام دن اِنہی خیالات پر غور کرنے کیلئے تنہا چھوڑدی گئی ہوں۔

فردوس نگر ۴ جنوری سنہ

آج کی صبح دادا کے ساتھ مزید پریشانی میں گذری۔ کیونکہ ڈاک میں سرہمایوں فر نے ہمیں بہت سے قیمتی تحفے بھیجے۔ مجھ اپنے نام کے تحفے لیتے ہوئے مجرمانہ اقدام محسوس ہوا اور دادا حواس باختہ سی ہوگئی کہ ان قیمتی تحفوں میں اس کا بھی معقول حصہ تھا۔

میرے لئے بہت خوبصورت بکس میں خوشنما مٹھائیاں تھیں۔ میں چاہتی تھی کہ انہیں نہ لوں، مگر ان میں کچھ اس بلا کی دلکشی تھی کہ میں نے بکس دوبارہ کھول کر انہیں دیکھا اور جب میں نے دادا کو اپنے بکس سے جو میرے بکس جیسا ہی خوبصورت تھا مٹھائی نکال کر کھاتے دیکھا۔ تو مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے کھانی شروع کردی اور پھر بغیر ختم کئے ہوئے نہ رُک سکی۔

پھر چار حسین سفید قمریاں آئی تھیں۔ پنجرہ بہت خوبصورت تھا اور اس کا دروازہ ریشمین فیتے سے بندھا ہوا تھا۔ یہ بعد میں آئیں۔ کیونکہ ریل دوپہر کو آتی ہے۔

جب مجھے یہ قمریاں پہونچیں تو میں نے محسوس کیا کہ سرہمایوں فر کے لئے میرے جذبۂ منافرت میں کمی آگئی تھی۔

ایک اور خوشنما بکس تھا جس میں زربفت کا ایک جوڑا تھا۔ میں اسے یقیناً نہیں پہنونگی۔ بھلا مجھ سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ اتنا بوجھ لادے لادے پھروں۔

نئے نئے گانوں کی بہت سی کتابوں کا ایک پلندا تھا۔ ایک کتاب پر سرہمایوں فر کا کارڈ پن سے لگا ہوا تھا اور اس پر لکھا تھا۔

"دنیا کی خوشنوا ترین ہستی کے لئے"

اگر وہ ایسے نہ ہوتے جیسے کہ وہ ہیں تو میں یہ ضرور کہتی کہ اُنہوں نے نہایت نفاست مذاق کا ثبوت دیا۔

دوا کے پاس ایک سونے کا بروچ آیا تھا جس پر ایک ابابیل حالتِ پرواز میں تھی اور اُس کی چونچ میں ایک موتی لٹکا ہوا تھا۔ میں نے آجتک کبھی کو اس قدر مسرور نہیں دیکھا اُس وقت شاید دوا کو کچھ افسوس بھی ہوا ہو کہ اُس نے مجھے یہ کیوں بتایا کہ مسز ہمایوں فرمہاجن ہیں۔ یہ اندازہ میں نے اس سے لگایا کہ کھانے کے دوران میں دوا نے "مہاجنوں کی حیرت انگیز اخلاقی ترقی اور عمدہ تربیت و تہذیب" پر دیر تک اظہارِ خیال کیا۔

مجھے معلوم تھا کہ دوا کا مقصد کیا ہے۔ لیکن اُس کی ندامت کے خیال سے میں مسکرائی تک نہیں۔

فردوس نگر۔ ۴ جنوری سنہ

کیسا وحشت ناک دن تھا!

ابھی ہم کمرۂ طعام ہی میں تھے جہاں میں نے دوا کے ساتھ کھانا کھایا تھا کہ معلوم ہوا افضل صاحب آئے ہیں، اور "ایوانِ کبود" میں منتظر ہیں۔

دوا نے چاہا پہلے اُن سے جاکر خود مل لے مگر میں نے اُسے جانے نہیں دیا چنانچہ ہم دونوں ساتھ ساتھ گئے۔

افضل وہاں بیٹھا تھا۔ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور ویسا ہی خوش خوش میں اس فکر میں تھی کہ مجھے اس سے باتیں کرنے کا ایسا موقعہ کیسے ملے کہ دوا نہ سن سکے! افضل نے بڑی خوبصورتی سے یہ موقعہ نکالا۔ اوروں کو ہم آہنگ بنالینے کا اُسے خاص ملکہ ہے۔ دوا سے اُس نے کہا "میں انہیں اپنے ساتھ سواری کے لئے لے جاؤں گا"۔ اور گو دوا نے اِسے پسند نہیں کیا تاہم یہ مرحلہ کسی نہ کسی طرح طے ہوگیا۔ اور میں فوراً ہی سواری کا لباس پہننے اپنے کمرہ کی طرف دوڑی۔ میری عدم موجودگی میں اُس نے دوا کو بالکل ہموار کرلیا۔

• دوا کے سامنے نہ آنے کی میں نے یوں احتیاط کی کہ کپڑے پہنکر سیدھی اصطبل جا پہونچی بجائے اسکے کہ دروازے پر گھوڑے کس کساکر لائے جاتے۔

برف اب تقریبًا بالکل پگھل چکی تھی۔ افضل گھاس پر سے دوڑتا ہوا آیا ——— اور ہم سوار ہوکر باغ سے ہوتے ہوتے ہوئے نکل گئے۔

آہ! کیسا دلکش سماں تھا!

میں نے اُس سے پوچھا "آج کل تم کیا کر رہے ہو؟" اور اُس نے جواب دیا "کچھ نہیں۔

جیسا تھا ویسا ہی ہوں"

پھر اُس نے کہا: "میں نے سُنا ہے مجھ سے پہلے تم کچھ کرنے والی ہو، چھُٹو"

میں نے محسوس کیا کہ میرا چہرہ شرم سے سُرخ ہو گیا اور میں نے پوچھا "وہ کیا؟ میں نہیں سمجھی"!

"آج ہی صبح ابا نے پھوپی سے سُنا اور انہوں نے اباسے کُل واقعات بیان کیے تو میں نے سوچا لاؤ آج چل کر تمہیں مُبارکباد دیدوں"

گو میں نے انجان بننے اور فضل کی مُبہم باتیں نہ سمجھنے کا اظہار کیا تاہم اس وقت بھی وہی احساس ہوا جو کہ اس سے پہلے ایک دفعہ ہو چکا تھا۔ فضل کی ہم جلیسی کے اس مسرت آفریں لمحہ میں مَیں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں اور میں ہل بھی نہیں سکتی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

فضل نے ہنس کر شرارت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ ابھی ایک راز ہے مگر میں نے سُنا ہے کہ ایک بڑے آدمی سے تمہاری نسبت قرار پائی ہے"

"کیا اماں نے یہ کہا تھا؟" میری ایک چیخ سی نکلی۔

"ہائیں، ہائیں! اتنا غُل نہ مچاؤ" فضل نے کہا اور وہ کچھ بے چین سا نظر آیا۔

"بیشک، یہ خبر غلط تو نہیں ہے؟" فضل نے گھبرا کر کہا "یا پھوپی نے قبل از وقت اس کا تذکرہ کیا؟ کیا یہ رشتہ طے نہیں ہو چکا؟"

"نہیں ابھی طے نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا" میں نے کہا "اگر اماں کا یہی مطلب ہے کہ میں اُس نفرت انگیز سر ہمایوں فر سے منسوب ہونیوالی ہوں"

سر ہمایوں فر ہوں! کیا حقیقتاً اُن سے تمہارا مطلب ہے؟ واللہ کیسی خوش نصیبی ہے!"

افضل نے حسد و طنز سے کہا اور میری طرف گھور کر دیکھتا رہا گویا یکایک میں اس کی نظروں میں ایک قابل پرستش چیز بن گئی تھی۔ میں برداشتہ خاطر سی ہوگئی اور جب ہم تھوڑی دور اور نکل گئے تو میں رونے لگی۔

افضل ایک ہی لمحہ میں سراپا تاسف بن گیا۔"

"کیوں، چھمو" اُس نے کہا "میں تمہاری طبیعت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ پھوپی نے ابا کو لکھا تھا کہ تمہاری شادی ہمایوں فر سے ہونے والی ہے اور ابتدائی اخراجات کے لئے اُن سے روپیہ قرض مانگا تھا۔"

مجھے محسوس ہوا جیسے میرا سانس رک رہا ہے۔

"میں ان سے شادی نہیں کرونگی" میں نے نحیف آواز میں کہا "ابا نے میرا عندیہ لیا تھا اور میں نے ان سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ کیا تم انہیں جانتے ہو افضل؟ کیا تم جانتے ہو وہ کس قسم کے آدمی ہیں؟"

"ہاں، ہاں ہر شخص ہمایوں فر کو جانتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ساکھ دو کروڑ سے کم نہیں۔ لندن کی ساری عورتیں اس کا پیچھا کر چکی ہیں کہ کسی طرح اپنی لڑکی سے اُسے وابستہ کر لیں۔ یا خود اپنے ہی سے۔ پھر بھلا یہ خیال کہ یہ سعادت میری عزیز شمسہ کے حصہ میں آئے جو ابھی سوسائٹی میں متعارف بھی نہیں ہوئی!"

میں اسے خوش نصیبی نہیں سمجھتی بلکہ وحشت ناک خیال کرتی ہوں کہ افضل تم اِس کا ذکر اس طرح کر رہے ہو گویا تم ایسے ممکن سمجھتے ہو کہ میں اُس سے شادی کر لونگی جسے میں پسند بھی نہیں کرتی"!

یہ کہکر میں پھر زار و قطار رونے لگی۔

افضل نے اپنا گھوڑا میرے گھوڑے کے قریب کیا اور مجھے اپنے ہاتھوں کے حلقہ میں لیکر میرا مُنہ چُومنا چاہا۔ مگر میں نے مزاحمت کی۔

"نہیں، نہیں" میں نے کہا "افضل، میں تو سمجھتی تھی کہ تم میرے ساتھ شائستگی کا سلوک کروگے اور تم۔ تم۔"

"میری جمو۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ میں ناشائستگی سے پیش آؤں۔ تم نہیں جانتیں مجھے تمہارا کتنا خیال لگا رہا ہے۔ اور تمہیں دیکھنے کی کیسی آرزو میرے دل میں تھی اور جب میں نے یہ خبر سُنی تو میں نے سوچا تم سے ملنے کا بہانہ اس سے بہتر ہاتھ نہ آئیگا"!

"کیا! شادی کی مبارکباد دینے ـــــ کسی اور سے شادی!!"

افضل کا یہ کہنا مجھے کس قدر ناگوار گزرا میں کہہ نہیں سکتی، ایسی صورت میں کہ افضل کا خیال مجھے ہر وقت لگا رہتا ہو اور پھر دل ہی دل میں میں یہ سوچ رہی ہوں کہ افضل اب میری من مانی بات کہنے ہی والا ہے، اس کا یہ کہنا مجھے کتنا شاق گزرا ہوگا!

"کسی اور سے شادی"، افضل نے آہستہ آہستہ میرے الفاظ دہرائے۔ گویا اُس نے

سمجھ لیا تھا کہ میں کیا سوچ رہی ہوں، اس احساس نے مجھے اور بھی شرمندہ کیا کہ خود میں نے افضل کو اشارتاً بھی یہ بات کیوں جتائی۔ اس نے اپنا گھوڑا روکا اور میرے قریب آکر ہلکی آواز میں کہا، "کیا تم سمجھتی ہو کہ اگر میرا بس چلتا تو تمہاری شادی کسی اور سے ہونے دیتا؟ کاش میں اتنا خوش نصیب ہوتا!"

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور میری آنکھوں میں سے آنسو ڈھلک کر رخساروں پر بہنے لگے۔

"آہ افضل! عزیز افضل! کیا ایسا ہونا ممکن نہیں؟" میں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنا سر ہلایا۔

"نہیں پیاری چھمو۔ ہمارے پاس پیسہ نہ ہوگا۔ تمہارے ابا کا رواں رواں قرض میں جکڑا ہوا ہے اور آمدنی وادائیگی قرض کی کوئی سبیل نہیں اور میرے ابا کے پاس کبھی روپیہ ہوا ہی نہیں۔ اگر ہم نے شادی کر لی تو زندگی کیسے بسر ہوگی؟ پھر بھلا یہ تو سوچو کہ اگر میں نے تمہارے والدین سے شادی کی درخواست کی بھی تو وہ بھلا کیا کہیں گے؟ یا تو وہ مجھے دھکے دیکر نکال دیں گے اور یا دیوانہ سمجھ کر مقفل کر دینگے۔"

افضل کا ایک ایک لفظ نشتر بن بن کر میرے دل میں اُتر گیا۔ میں نے ان باتوں پر غور نہیں کیا تھا۔ اب تک میں اس درجہ مسرور تھی کہ ایسی باتوں پر میں نے کبھی اپنا دماغ پریشان نہیں کیا تھا۔ لیکن اب مجھے محسوس ہو چلا تھا کہ اب تک میرے دل میں یہی خیال جاگزیں رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن افضل مجھ سے شادی کی درخواست

کریگا اور ہم نہایت پُرنشاط زندگی گزاریں گے۔

میں کوئی جواب نہ دے سکی اور نہ اپنے آنسوؤں کو ضبط کر سکی۔ افضل نے ایکا ایکی پھر مجھے اپنے بازوؤں کے حلقہ میں لیلیا اور پھر اُس نے مجھے بوسہ دینے کی کوشش کی اور میں ہاتھ جھٹک کر علیحدہ ہوگئی۔

"اتنی درشتی سے کام نہ لو چھمو" اُس نے نرمی سے شکایتاً کہا "تم مجھے اس سے کیوں روکتی ہو؟"

میرا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اور میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

میری آواز ایسی معلوم ہوتی تھی کہ کوئی میرا گلا گھوٹ رہا ہے۔

"نہیں۔ میں یہ نہیں کر سکتی" میں نے کہا۔ "میرے نزدیک اس کی کس قدر اہمیت ہو جائے گی، بوسہ دینا کسی کو میں، میں یہ نہیں کر سکتی جب تک کہ مجھے اس کا یقین نہ ہو جائے کہ ——"

افضل کا چہرہ اُتر گیا۔

"تم بھی عجیب غریب طبیعت رکھتی ہو" اُس نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر صرف ایک بوسہ کو تم اس قدر اہمیت دیتی ہو تو انہیں ——"

"انہیں کیا؟" میں نے کہا۔

"انہیں یہ نہیں چاہیے کہ تمہاری شادی ہمایوں فرسے کریں!"

میں ہنس پڑی۔ کس قدر بہنگم خیال تھا۔ مگر گو میں ہنس رہی تھی میں نے پھر وہی جہنمی بوجھ اپنے دل پر محسوس کیا۔

"وہ میری شادی میری مرضی کے خلاف نہیں کر سکتے!" میں نے اکھڑے اکھڑے الفاظ میں کہا۔

افضل نے کچھ لاپروائی سے کہا: "اچھا، کیا وہ نہیں کر سکتے؟"

"ایوانِ کبود" میں ہم نے دادا کے ساتھ چائے پی۔ افضل شام کو چلے گئے اور شام کی تنہائی اور رات کے سناٹے میں مجھے افضل کے الفاظ "اچھا کیا وہ نہیں کر سکتے" تمسخر آمیز طنز کے ساتھ بار بار گونجتے سنائی دیتے رہے۔

اب بھی میں سن رہی ہوں۔

"اچھا، کیا وہ نہیں کر سکتے؟ اچھا، کیا وہ نہیں کر سکتے؟ اچھا، کیا وہ نہیں کر سکتے؟"

لندن۔ ۶ جنوری سنہ

کل کچھ بھی نہیں ہوا مگر آج۔ آہ

آج صبح اماں کا خط آیا کہ فوراً لندن آجاؤ اور ہم نے سفر کی تیاری شروع کردی۔ ناشتہ کے بعد میں نے اصطبل کا رُخ کیا۔ رنج و غم سے میرا دل بیٹھا جارہا تھا مجھے معلوم تھا کہ اب یہاں دوبارہ آنے کی امید نہیں ہے اس لیے میں نے ایک ایک کے گلے میں باہیں ڈالکر خوب سا پیار کیا۔ بجلی نے مجھے کاٹنا چاہا۔

دِدّا کو معلوم تھا کہ کوئی تغیّر ہونے والا ہے اس لئے آج اُسے چپ لگی ہوئی تھی ورنہ جب کبھی اِس سے پہلے اماں کا خط آتا تھا تو اس کے تالو سے زبان نہ لگتی تھی۔

گل چمن کی آنکھیں سُرخ تھیں اور مجھے وداعی بوسہ دینے پر مُصر تھی۔ اس کے بوسوں سے مجھے نفرت ہے۔ گُل چمن بڑی اچھی بڑھیا ہے مگر جب کبھی وہ مجھے بوسہ دیتی ہے تو کوئی نہ کوئی پریشانی ضرور رُونما ہوتی ہے، اس لئے مجھے وہم سا ہوگیا ہے کہ اس کا بوسہ کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اماں نے خط میں لکھا تھا کہ ہمیں کچھ ضروری سودا خریدنا ہے اس لئے ہمیں لندن بہت جلد پہونچنا تھا۔ ہم نے ریل میں اپنا سفر شروع کیا۔ دورانِ سفر میں دِدّا بالکل خاموش رہی چنانچہ میں بھی چپکی بیٹھی رہی۔ ہاں کبھی کبھی وہ میری طرف اس طرح دیکھ لیتی تھی جس طرح کوئی اپنے پالتو بھیڑے کو قصائی کے پاس جاتے دیکھتا ہے۔ میں نے اسے یہ جتایا تو وہ کچھ بگڑسی گئی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار ظاہر ہوئے، پھر کہنے لگی "بی بی تمہاری عمر کی لڑکیاں ایسی باتیں نہیں کرتیں۔ تمہارے منہ سے یہ سنکر تعجب ہوتا ہے"

ددا کی عادت ہی یہ ہے کہ چھوٹوں کی ہر بات پر اظہارِ تعجب کرتی ہے۔ہاں اگر کوئی خاموش بیٹھا اسکی باتوں پر مسکرایا کرے تو یہ خوش ہیں۔

اماں اسٹیشن پر موجود تھیں۔ اُن کے چہرہ پر وہی بشاشت اور حُسن تھا جو اُنکا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ ہمیشہ ہنس مکھ اور خوبصورت نظر آتی ہیں کہ قلی اُن کی بات بات پر دوڑتے نظر آتے ہیں۔ گو انہیں انعام دینا یہ ہمیشہ بھول جاتی ہیں ——— شاید دانستہ۔

غالباً انہیں اس کا یقین ہے کہ انکی ایک مُسکراہٹ اوروں کے انعام و اکرام سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ انکا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔

اماں کا لباس بہت سادہ تھا۔ لیکن اسکے باوجود اُن میں ایک ملکہ کی سی شان و شوکت تھی۔

میں اُن سے لپٹ گئی اور چاہتی تھی کہ وہیں کے وہیں وہ مجھ سے کہدیں کہ مجھے سر ہمایوں فر سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ مگر اس سلسلہ میں میرے مُنہ سے ایک حرف بھی نہیں نکلا۔

نوخیز لڑکیوں کی طرح اُن کی طبیعت چونچال تھی۔ بڑی محبّت سے انہوں نے مجھے پیار کیا۔ کرایہ کی گاڑی میں سامان کے ساتھ ددا کو گھر بھیج دیا اور مجھے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا بڑے بازار کا رخ کیا۔

جب ہم اسٹیشن کے احاطہ میں سے باہر نکلنے لگے تو انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور شفقت سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"میری پیاری بچی"! انہوں نے کہا۔" تم ماشاءاللہ کیسی اچھی نظر آرہی ہو۔ ذرا سوچو تو سہی۔ میں نے تمہیں گذشتہ نومبر سے نہیں دیکھا"!

"اماں بی۔ آپ ابکے کرسمس پر کیوں نہیں آئیں؟"! میں نے کہا۔

اس پر وہ ہنس پڑیں اور لڑکیوں کی طرح ان کے چہرے پر شرم کی سُرخی دوڑ گئی۔ پھر اپنے لبوں پر امتناعی انگلی رکھتے ہوئے رازدارانہ لہجہ میں کہا:۔

"ہاں۔ اب تم بڑی ہوگئی ہو" —— یہ الفاظ مجھے ایسے معلوم ہوئے جیسے موت کی گھنٹی بج رہی ہو —— "اس لئے اب میں تم سے کہہ سکتی ہوں۔ تمہارے ابّا اس قدر مالی مشکلات میں مبتلا تھے۔ اور ہم اتنے پریشان تھے کہ —— کہ ہم نہیں آسکے۔ ہمیں ابکے بہت ہی چپکا رہنا پڑا۔ اس لئے ہمیں بڑا ناگوار وقت گذارنا پڑا"!

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی خوبصورت نیلی آنکھیں میری طرف اُٹھائیں؛ دنیا کی حسین سے حسین چیز بھی اُن کے جواب میں نہیں پیش کیجا سکتی تھی۔

اُن کا یہ کہنا مجھے خوف انگیز نہیں معلوم ہوا لیکن میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا۔ اماں نے بہت رازداری برتی تھی مگر جب کوئی اُن کے معاملوں میں زیادہ دخل دینے لگتا ہے تو بڑی ہوشیاری سے بات ٹال جاتی ہیں۔ اور میں یہ چاہتی تھی کہ دل کھولکر وہ مجھ سے باتیں کریں۔

"تو پھر اب سب کچھ ہموار ہوگیا؟"، میں نے پوچھا۔

اس پر فوراً ہی وہ مُسکرانے لگیں اور ان کے رخساروں پر وہ بے شُمار نشیب و فراز نُمایاں ہوگئے، جو انہیں اس قدر کم عمر ظاہر کرتے ہیں۔

"ہموار؟ ہاں پیاری بچی۔ ہر چیز ابھی جاری ہے۔" اُنہوں نے مسرت کی ایک چھوٹی سی آہ کے ساتھ کہا۔

اب پھر میں نے اپنے دل پر وہی خوفناک بوجھ محسوس کیا جو پہلے بھی دو تین دفعہ محسوس کر چکی تھی مگر ابھی کچھ کہنے کی مجھ میں ہمت نہیں تھی۔

"اور اب کے سال مجھے متعارف کیا جائیگا؟" میں نے پوچھا۔

وہ ہنسیں۔

"بیشک اب کے تمہارا تعارف ضروری ہے اور ہمیں جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا ہے۔ میں نے تمہارے لباس کے لئے آج صبح ہی کو درزی سے کہا ہے' اُس لباس میں تم بہت پیاری نظر آؤ گی۔ سفید پر نقرئی اور ——"

"ہے ہے اماں! کیا یہ اخراجات بے پناہ نہ ہونگے؟ اور پھر بعد میں آپ جانتی ہیں وہ کپڑے کسی کام نہ آئیں گے۔"

اماں زور سے ہنس پڑیں اور اُن کی ہموار خوبصورت ہنسی بہت ہی بھلی معلوم ہوئی۔ پھر ایک طرف کو ذرا گردن کو خم دیکر اُنہوں نے کہا "ضرور کام آئیگا۔"

مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میرا دم گھٹ رہا ہے۔

"کیسے؟" میں نے کہا۔

مگر اماں نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اور اُس لباس کا ذکر کرنا شروع کیا جو اُنہوں نے میرے لئے سِلنے نہیں دیا تھا۔ پھر اُن دشواریوں کا تذکرہ کیا جو کپڑے کی مناسبت سے دیگر لوازم تلاش کرنے میں انہیں پیش آئی تھیں۔ اتنے اُن کی یہ حکایت

پریشان ختم ہو ہم بڑے بازار میں پہونچ گئے تھے۔
اپنے سارے دن سفر کے بعد میں تھک گئی تھی۔ لیکن سارے دن کی محنت کا نتیجہ ٹوپیوں، دستانوں، جوتوں اور بہت سی غیر ضروری اشیاء کے ایک بے ترتیب ڈھیر کی صورت میں برآمد ہوا۔
مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ ایک گڑیا کا سا سلوک کیا جا رہا ہے ہر چیز مجھے پہنا کے دیکھی جاتی تھی، پسند کی جاتی تھی۔ تعریف کی جاتی تھی اور خریدلی جاتی تھی۔ بغیر اس بات کا لحاظ رکھے ہوئے کہ آیا وہ چیز مجھے بھی پسند ہے یا نہیں! یا مجھے اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں!۔
بار بار مجھے وحشت سی ہوتی تھی۔ کبھی ایک ٹوپی پہنائی جاتی اور چھتری ہاتھ میں دی جاتی۔ کبھی دوسری ٹوپی اور اُس کی مُناسبت سے دوسری چھتری لگا کر دیکھی جاتی اور بالآخر اماں جسے پسند کرتیں خریدلی جاتی۔ بار بار میں کہتی بھی کہ مجھے اتنی ساری چیزوں کی ضرورت نہیں ہے مگر اماں تھیں کہ درجنوں سے چیزیں خرید رہی تھیں۔
اماں کچھ اس قدر مسرور اور چیزیں دیکھنے اور پسند کرنے میں ایسی منہمک تھیں کہ میری آواز نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن گئی۔ وہ عورتیں جو اماں کے احکام کی تعمیل کر رہی تھیں مجھے دیکھ دیکھ کر مُسکراتی تھیں اور میرے کہے پر کوئی توجہ نہ کرتی تھیں، وہ تو اماں کے لئے ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھیں کیونکہ اُن کے پاس روپیوں اور نوٹوں سے بھرا ہوا کیسہ زر تھا۔ جس میں سے اُنہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کس قدر خرچ کر رہی ہیں۔ مگر جب گھر پہونچکر شام کو انھوں نے حساب کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اُنہیں ایک

ایک چیز مع مفصلات و قیمت یاد تھی۔

جوں جوں دن گذرتا گیا میری گرانیِ خاطر بڑھتی گئی اور دوپہر کے کھانے کیوقت جو کہ ہم نے دُکان ہی میں کھایا میں نے کوشش کی کہ اماں مجھے یہ تو بتائیں کہ آخر اس قدر دولت مجھ پر کیوں لُٹائی جارہی ہے مگر انہوں نے ہنس کر مجھے ٹال دیا اور نہایت اطمینان سے کھانے میں مصروف رہیں، کیا تو صرف اتنا کیا کہ اخراجات کی تفصیل سے گریز کر کے ایک رازدارانہ جنبش سر کے ساتھ میرا ہاتھ تھپک کر خاموش ہو رہیں۔

میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اُس بھیانک چیز کا آج پوری شدت سے مقابلہ کرونگی جو میری طرف بڑھتی چلی آرہی ہے مگر مجھے اس کا موقعہ ہی نہیں ملا کیونکہ جب ہم گھر پہونچے تو اماں نے کہا۔ "میں آج اتنی تھک گئی ہوں کہ کوئی بات نہیں کر سکتی"!

لیکن درحقیقت وہ ایسی تازہ دم معلوم ہوتی تھیں جیسے کوئی گُلِ نوشگفتہ۔ تھکی ہوئی تو میں تھی۔ اس سے پہلے کہ میں نیچے کمرۂ طعام میں جاؤں وہ جلدی جلدی میرے کمرے میں آئیں، اپنے ہاتھ سے میرے بال ٹھیک کئے، میرے گلے میں ایک موتیوں کا خوبصورت گلوبند پہنایا اور میرے سفید لباس میں ایک سُرخ گلاب لگایا۔

اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ ہمیں اکیلے کھانا نہیں کھانا تھا۔ دو خواتین اور تھیں جو اماں کی دوست تھیں اور اُن کے ساتھ ایک اور صاحب تھے جنکا نام میجر اشرف تھا — اور اُن میں سر ہمایوں فربہی تھے۔

میں انہیں دیکھ کر مبہوت سی ہوگئی اور پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا تاکہ ابا نظر آئیں تو میں اُن سے اس معاملہ کو یہیں ختم کر دینے کی التجا کروں۔

مگر ابا نہیں آئے اور ہم سب کمرۂ طعام میں داخل ہوئے، گو سر ہمایوں فر مجھے اپنے ساتھ لیکر یہاں داخل نہیں ہوئے تھے پھر بھی مجھے انکے پاس بیٹھنا پڑا۔

مجھے نہیں معلوم کھانے کے دوران میں کیا کیا ہوا میرے ہوش و حواس پراگندہ تھے۔

مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے کوئی بات نہیں کی کیونکہ جب سب جا چکے تو اماں نے میرا خوب فضیحتا کیا اور کہا "بدمزاجی حسین ترین لڑکی کو بھی بدنما کر دیتی ہے"۔

پھر انہوں نے سرد مہری سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا کہ میں سر ہمایوں فر کو کتنا پسند کرتی تھی۔

"میں انہیں بالکل پسند نہیں کرتی" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، "مگر ہاں میں میجر اشرف کو پسند کرتی ہوں"۔

اماں نے کچھ متوحش ہو کر میری طرف دیکھا۔

"میجر اشرف کی شادی ہو چکی ہے" انہوں نے انتہائی برودتِ قلب سے کہا۔

"تو پھر کیا ہوا؟" میں نے کہا۔

اماں تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولیں مگر میں نے دیکھا کہ اُن کا رنگ اور بھی زرد پڑ گیا۔ میری نظر یکایک سامنے سنگھار میز کے آئینہ پر جا پڑی کیونکہ میرے پیچھے پیچھے اماں میرے کمرے میں آ گئی تھیں۔ آئینہ میں میں خود کو نہیں پہچان سکی۔ میرے چہرے پر وحشت و رمیدگی اور دیوانہ پن چھایا ہوا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے کہا۔

مگر ایکے وہ ہنسیں نہیں جیسی کہ ان کی عادت تھی ، معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے ہنسنے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہیں ۔

انہوں نے ایکا ایکی میرے شانے پکڑ کر بٹھا دیا اور کہا ،" تمہارے بال میں خود کھولوں گی ۔" میں نے انہیں اس سے باز رکھنا چاہا کیونکہ میں جانتی تھی کہ انہیں یہ نہیں آتا اور وہ خواہ مخواہ مجھے تکلیف پہونچائیں گی مگر انہوں نے اس پر اصرار کیا اور میرا موباف کھول دیا اور میرے بال کھولنے لگیں ۔

اس دوران میں وہ مسلسل بولے گئیں تاکہ مجھے کچھ کہنے کا موقع نہ ملے ۔

" بختاور کل تمہارے بال بنا دے گی ۔" انہوں نے ایک برش سے میرے بال سلجھانے کی کوشش میں مجھے سخت تکلیف پہونچاتے ہوئے کہا ، میرے بال کھنچ رہے تھے اور پیشانی اور کنپٹیوں پر برش کی رگڑ بری طرح لگ رہی تھی اور دستہ کھٹا کھٹ سر میں لگ رہا تھا ۔" اب تو میں ہی انہیں کھولے دیتی ہوں ۔" انہوں نے کہا ۔

" اماں آپنے آج اتنی ساری چیزیں کیوں خریدیں ۔ جن کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ۔" میں نے پوچھا ۔

میں نے جلدی سے پلٹ کر اپنے بال انکی تکلیف دہ گرفت سے چھڑائے اور ایک جھٹکے سے اُن کے ہاتھ میں سے برش نکل کر دور جا پڑا ۔

ہم نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا اور ہم دونوں کا سانس اس قدر زور سے چل رہا تھا کہ اگر کوئی دروازے کے باہر کھڑا ہوتا تو بہ آسانی اس کی آواز سن لیتا ۔

اماں نے محسوس کیا کہ اب اُنہیں سب کچھ مجھے بتانا ہی پڑے گا ، اور حقیقتاً یہ کوئی

چھپانے کی بات بھی نہیں تھی ۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ میں بے جانے مانوں گی نہیں ۔

"تم خود جانتی ہو" انہوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس قدر مطمئن نہیں ہیں جتنا کہ وہ خود کو ظاہر کر رہی تھیں ، مجھے ان کا ہاتھ کانپتا محسوس ہو رہا تھا۔ "تمہارے ابا سر ہمایوں فر کا ارادہ تم پر ظاہر کر چکے ہیں"

"لیکن اماں اماں ، میں اُن سے شادی نہیں کر سکتی ، میں انہیں قطعاً پسند نہیں کرتی"

"خاموش" اماں نے میرے قریب آ کر جھک کر میرے کان میں آہستہ سے کہا۔ "غل مچا کر اس کا تماشہ نہ بناؤ ۔ میں چاہتی ہوں کہ تم خوش رہو اور میں سمجھتی ہوں کہ تم خوش رہو گی ، وہ تمہاری بے انتہا تعریف کرتے ہیں ، اور تم اُن کے ساتھ ایک ملکہ کی سی زندگی بسر کرو گی"

میں نے سر ہلا کر انکار کیا تو انہوں نے کچھ تیزی سے پوچھا "اُن بیوقوفوں نے ، تمہاری دادا اور گلچین نے تو تمہیں لغو اور بے سر و پا کہانیاں نہیں سنائیں ؟"

"نہیں ، میں نے لغو کہانیاں نہیں سنیں ۔ وہ کونسی کہانیاں ہیں جو مجھے سُننی ہیں؟"

اماں کچھ مطمئن اور کچھ پریشان نظر آئیں ۔

"نہیں ، مجھے تو معلوم نہیں" اماں نے کہا "سوائے اس کے کہ ہمیشہ ایسے بدخواہ و بدطینت لوگ ہوا کرتے ہیں جو پیسے والے لوگوں کے بارے میں من گھڑت افواہیں اُڑایا کرتے ہیں"۔

"کیا یہ صحیح نہیں کہ سر ہمایوں فر مہاجن ہیں ؟"

"پیرا! یہ دیکھو نا۔ انہوں نے کچھ کہہ سُنکر تمہارے کان بھرے ہیں"۔

"یقیناً مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں نہ صرف کچھ واقعات سے بلکہ کُل واقعات سے پوری طرح آگاہ ہوں"۔ میں نے تن کر کہا۔

ایک لمحہ کے لئے میرے اس بیباک طرزِ عمل سے اماں مُتاثر ہوئیں اور میری طرف اس طرح دیکھا گویا میں کوئی اور ہوں پھر جلدی سے کہا۔

"اچھا۔ میں تو چاہتی تھی کہ تم سے کچھ نہ کہوں لیکن چونکہ تم کہتی ہو کہ مجھے جاننے کا حق ہے اس لئے کہتی ہوں، لو سنو۔ تمہارے ابا کی مالی حالت بہت خراب تھی، اور انہوں نے "فردوس نگر" کی جائداد پر سر ہمایوں فر سے قرضہ لینا چاہا۔ یہ تھا در اصل وہ کام جس کی وجہ سے گذشتہ ہفتے وہ "فردوس نگر" گئے تھے، اپنے مشیرِ قانونی اور سر ہمایوں فر کے ساتھ۔ مگر وہاں کی جائداد اتنی قیمتی ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس پر پہلے قرضوں کا بار ہے —— رہن ہے شاید تمہیں معلوم نہیں رہن کسے کہتے ہیں؟"

میں کچھ کچھ سمجھتی تھی اور میں چُپکی رہی تاکہ وہ اپنی بات پوری کرلیں۔

"ہاں تو جب سر ہمایوں فر نے تمہیں دیکھا تو بہت پسند کیا اور اسی دن تمہارے ابا سے شادی کی درخواست بھی کردی۔ انہوں نے بہت دریا دلی کا اظہار کیا۔ جتنا ہمارا مطالبہ تھا اُس سے بھی زیادہ ہمیں دیا۔ اور قیمتی تحفے تحائف الگ دیئے۔ اس لئے خواہ کچھ ہی ہو تم اچھی طرح سے رہو گی۔ بس یہ ہیں کل واقعات"۔

"مگر میں نے تو انکار کردیا"۔ میں نے کہا۔

اماں نے جبری تبسم سے کہا: "ہاں، ہاں، تم نے انکار کر دیا۔ تم جیسی بچی سے سوائے انکار کے اور کیا توقع کی جا سکتی تھی؟ تمہاری نادانی کو دیکھتے ہوئے اس کے علاوہ تم سے اور کیا امید ہو سکتی تھی۔ مگر تمہاری خوش نصیبی سے تمہارے ماں باپ نے بگڑی بات بنا دی۔ اس لئے اب سب کچھ طے ہو گیا ہے۔"

"نہیں، نہیں، میں اُن سے شادی نہیں کرونگی، مجھے اُن سے نفرت ہے۔"

"میری پیاری بچی، تمہاری پسند اور ناپسند کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ جب سرہمایوں فر جیسا امیر و کبیر شخص شادی کا سوالی ہو تو انکار و اقرار کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ میرا یقین کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ پہلی ہی نظر میں تم جیسی کم عمر لڑکی پر اپنا بہت اچھا اثر چھوڑے۔"

"پہلی نظر میں میں نے اُنہیں پسند کیا تھا مگر اسکے بعد سے مجھے نفرت ہوتی چلی گئی۔ وہ اس قدر بدصورت ہیں اور میں تو جانتی ہوں انکے دانت بھی نقلی ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو بیٹی۔ جب اُن کی سی عمر کو پہونچتے ہیں تو سب کے دانت نقلی ہو جاتے ہیں۔"

"اُن کی سی عمر!" میں نے ٹوکا "بھلا میں ایسے آدمی سے کیسے شادی کر سکتی ہوں جو میرے باپ کے برابر ہو؟"

"ایک لڑکی کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنے سے بڑی عمر کے آدمی سے شادی کرے بہ نسبت اسکے کہ وہ ایک خود غرض لڑکے کی شریک حیات بنے۔"

میں عجیب اُلجھن میں پڑ گئی۔ کیا اماں کو افضل کے واقعات کا کچھ علم تھا؟

"بہت اچھا" میں نے کہا۔ "آپ دیکھ لیں گی"

"ہاں" اماں نے تیزی سے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "ہم دیکھیں گے"
اُنہوں نے مجھے عجلت آمیز بوسہ دیا اور چلی گئیں اور تھوڑی تک میں روتی رہی۔ میں سر ہمایوں فرے شادی نہیں کرونگی۔ نہیں کرونگی۔

لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ شادی مجھے کرنی ہی پڑیگی کیونکہ چون وچرا کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابّا الگ الگ رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اماں ہر کام ہر شخص سے لے سکتی ہیں، اس لئے انہوں نے اس معاملہ کو اُن پر چھوڑ دیا ہے۔

رو رو کر جب میں تھک گئی تو میں نے اب اپنا روزنامچہ کھول کر لکھنا شروع کر دیا۔

ابھی ابھی میں نے گذشتہ نومبر سے اب تک جو کچھ بھی لکھا تھا سب کا سب پڑھا اور مجھے تعجب ہوا کہ میں وہی شمسہ ہوں جس نے کہ کرسمس سے پہلے اپنے گھوڑوں اور پالتو جانوروں کے بارے میں مفصل اندراجات کئے ہیں۔

شاید یہی "بڑا ہونا" ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہے، مجھے اس سے نفرت ہے۔
اب میں آئندہ اپنا روزنامچہ نہیں لکھوں گی۔ یہ سب کچھ بہت بھیانک ہے۔

کیبلے ۔ ۲۰ مارچ سنہ

کل میری شادی ہو گئی ۔ آج میں پورے اٹھارہ برس کی ہو گئی اور میری دلی خواہش ہے کہ میں مر جاؤں ۔

میں نے دو مہینے کوٹلوں پر لوٹ کر گذارے ہیں ۔ ہر وقت بخار سا چڑھا رہتا تھا ۔ ہر جگہ لیجایا جانا اور دوسروں کی دل بستگی کے لئے خود کو کھلونا بنانا ان چیزوں کو دیکھنا جنہیں میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور اُن نغموں کو سننا جنہیں میں سننا پسند نہیں کرتی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں ہر وقت خواب دیکھا کرتی تھی اور کبھی کبھی خوف سے نیم جان ہونے کے لئے چونک پڑتی تھی ،

بالآخر میں یہ چاہنے لگی تھی کہ ان ہنگاموں سے جلد نجات مل جائے تاکہ یکسوئی اور سکونِ قلب تو میسر آئے ۔

سکونِ قلب ! کیا مجھے سکونِ کبھی نصیب ہو گا ؟ کیا آرام مجھے کبھی ملیگا ؟ یا میں یونہی زندگی گذارتے گذارتے ایک دن پاگل ہو جاؤں گی ؟

اماں ، اماں ! آپ نے اسے کیسے گوارا کیا ؟ آپ نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا ؟

اور ابّا ! آپ نے کس قدر بُزدلی سے اپنی بچی کو تباہی میں جھونک دیا ! یہ طرزِ سلوک آپ کو زیب نہ دیتا تھا ۔ یہ منصفانہ فیصلہ نہیں تھا ۔

اب بارہ بجے ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ بالآخر اب میں اکیلی ہوں ۔ میں سر ہمایوں فرکو بازار میں جاتا دیکھ رہی ہوں ، اپنے مخصوص بھاری بھاری قدموں سے ۔ پہلے ایک طرف کو جُھک کر پھر دوسری طرف کو ، گویا چیزوں کو کچلتے چلے جا رہے ہیں ۔ آہ ! کاش

وہ کبھی واپس نہ آئیں۔

میں اس قدر تھکی ہوئی ہوں کہ آنکھیں بند ہوئی چلی جاتی ہیں مگر میں آرام نہیں کر سکتی۔ اب تو میں لکھوں گی اور خوب جی کھول کر لکھوں گی۔ اس لئے میں نے اپنا روزنامچہ پھر کھولا ہے اور وہیں سے لکھنا شروع کیا ہے جہاں کہ میں نے دو مہینے پہلے لکھنا چھوڑا تھا۔ جب مجھے پہلے پہلے معلوم ہوا کہ مجھے بیچ ڈالا گیا۔

بیچ ڈالا! بیچ ڈالا! ابا اور اماں سوائے میری کسی اور کی زبانی سننا گوارا نہ کرتے۔ کل اپنی رخصتی.......... سے پہلے جب میں نے اماں سے یہ کہا تو انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے ہنسکر کہا "تم ایک بیوقوف لڑکی ہو اور ایک نہ ایک دن تم شکر گذار ہوگی کہ تمہیں ایسی ماں ملی جس نے نہایت مستقل مزاجی سے اپنا فرض انجام دیا باوجودیکہ وہی لوگ رخنے ڈال رہے تھے جن سے امداد کی توقع تھی" یہ کہکر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ اور میں جانتی ہوں کہ بعد میں جن لوگوں نے اُن کی لال لال آنکھیں دیکھی ہوں گی کہا ہوگا "بیٹی کی جدائی پر ماں کی مامتا کیسی کلپ رہی ہے"!

مگر مجھے بہتر معلوم تھا انہیں اس پر غصہ آ رہا تھا کہ میں نے اصل بات معلوم کر لی تھی۔

آہ! میں کس قدر سخت دل ہوتی جا رہی ہوں۔ مجھے اس درجہ شقی القلب نہیں بننا چاہیے۔ لیکن اُنہیں بھی تو ایسا کبھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس سے کما حقہ واقف تھے اُنہیں اس طرح مجھے ہرگز نہ بیچنا چاہیے تھا۔ آہ! کس قدر دہشت انگیز اور بھیانک تصور ہے! اُس شخص سے محبت نہ ہو جس سے شادی کی گئی ہو ــــــ یقیناً یہ نہایت ہی

دشوار ثابت ہو گا۔ مگر نفرت! مجھے اُس سے نفرت ہے، نفرت!

مجھے اِس سب کچھ سے نفرت ہے۔ مستقبل کا خوف دامنگیر ہے۔ میں اُسے ابھی سے برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک اُجاڑ جزیرے میں ایک وحشی درندے کے ساتھ مجھے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر مجھ میں ذرا بھی ہمت ہوتی تو میں اِس ہوٹل میں سے بھاگ کر سمندر کا رُخ کرتی اور اپنے مظلوم وجود کو اُس کی لہروں میں غرق کر دیتی۔ مگر مجھ میں تو اتنی بھی ہمت نہیں کہ اس ہوٹل سے باہر بھی نکل سکوں۔ میں جانتی ہوں کہ کوئی نہ کوئی میرا پیچھا کریگا اور مجھے پکڑ لائیگا اور میری اِس سے بھی بُری درگت بنے گی۔

کاش! اس ڈراؤنی ملازمہ کے بجائے اماں گُل چمن کو میرے ساتھ بھیجدیتیں۔ مجھے اِس سے ڈر لگتا ہے۔ مگر وہ تو مجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ مجھے مُبتلائے آلام ہونا ہے اسلئے کسی رفیق و غمگسار کی ہم جلیسی میرے لئے انہوں نے نامناسب سمجھی۔ بچاری گُل چمن! سعبختی ہوں کہ مجھے اس کا پیار کرنا بھی پسند نہ تھا! آہ، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مستقبل میں میرے واسطے کیا ہونیوالا ہے تو میں اس کی محبت اور میرے لئے اپنا دل کڑھانے کی کس قدر شکر گذار ہوتی!

میں جانتی ہوں کہ اُسے اور ددا کو معلوم تھا کہ میری مٹی پلید ہونے والی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نئے سال کے نئے دن دونوں کی دونوں روتی تھیں۔

آہ افضل! وہ مجھے بچا سکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو میں اسکے ساتھ فرار بھی ہو جاتی۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کی جتنی بھی آمدنی ہے اُس میں ہم دونوں گذارہ کر سکتے تھے۔ لندن میں

اکثر وہ آتا رہا اور میرے بال نئے ڈھنگ سے سنورے ہوئے دیکھ کر بہت تعریف کرتا تھا اور کہتا تھا "کاش! واقعات کا رُخ بدل جاتا" مگر اُس نے مجھ سے کبھی شادی کی استدعا بھی جو کی ہو! بلکہ وہ تو اس شادی کو ہونی شدنی بات سمجھ کر مجھ کو مبارکباد دیا کرتا تھا اُس نے کہا تھا کہ وہ ہم سے "مانٹی کارلو" میں ملیگا۔ میں سوچا کرتی ہوں کہ وہ مجھ سے نظر ملا کر بات بھی کر سکے گا یا نہیں، میں جانتی ہوں کہ میں تو اُس سے بات نہیں کر سکونگی۔

اور ابا! جب میں نے اُن سے کہا کہ اماں کو میری اس شادی کے خیال سے باز رکھیں تو انہوں نے مجھ سے پوچھا "تم اس قدر ضد کیوں کرتی ہو؟ کیا تمہاری نظر میں کوئی اور ہے؟"

اور جب میں نے افضل کا ذکر اُن سے کیا تو وہ کہنے لگے "افضل ایک خود غرض بھیڑیا ہے اور اسکے علاوہ جس کسی سے تمہاری شادی ہوگی وہ تمہارے لئے افضل سے بہتر شوہر ثابت ہوگا"

یہ آخری امید تھی جو یوں فنا ہوئی۔ اب تک میں منصوبے گانٹھا کرتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس خوفناک رشتہ سے مجھے نجات مل جائیگی مگر جب ابا نے یہ کہا تو میں نے سمجھ لیا کہ سب کوششیں رائیگاں ہوں گی۔

میں سمجھتی ہوں کہ بھائیوں کو عموماً بہنوں کی شادیوں کا بہت غلط اندازہ ہوتا ہے شمس نے مجھ سے کہا "تم اس خوش نصیبی کی آدھی بھی مستحق نہیں ہو اور مجھے امید ہے کہ تم بھی اتنی بیوقوف ثابت نہ ہو گی جتنی کہ خاتون آپا"

بعد میں میں نے اماں سے آپا کے بارے میں پوچھا تو پہلے انہوں نے مجھے ٹالنے کی کوشش کی پھر خود ہی انہوں نے کہا "چونکہ تمہاری شادی عنقریب ہونے والی ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم بھی سن لو" اسکے بعد انہوں نے بتایا کہ آپا اپنے پہلے شوہر کو چھوڑ کر فرار ہوگئی تھیں جو بہت پیسہ والا آدمی تھا اس پر طلاق ہوگئی اور

انہوں نے بعد میں نواب ذوالفقار سے شادی کرلی جو ابتک اُن کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کرتا ہے۔

"ہر بیوی کے لئے یہ ایک سبق ہے"۔ اماں نے کہا۔ "اپنے شوہروں سے نامطمئن نہ ہوں اور نہ اپنا گھر چھوڑ کر بھاگیں"

"لیکن اماں!"، میں نے کہا، "یہ تو بتایئے کہ آپا کے پہلے شوہر تھے کیسے آدمی انہیں تو دیکھے سے ڈر لگتا ہے، مجھے اُن کی شادی خوب یاد ہے اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ آپا کے اس رشتہ پر مجھے افسوس ہوا تھا"

اماں نے کچھ سختی کے لہجہ میں کہا "پہلی شادی آپا نے اپنی ہی مرضی اور اپنی ہی پسند سے کی تھی، پھر کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ انہوں نے اُسے کیوں نہیں نبھایا"

"ذوالفقار کو گھڑدوڑ کا بہت شوق ہے"، اماں نے کہا اور "چونکہ خاتون کو بھی اس سے دلچسپی ہے اس لئے ان دونوں میں اتحاد پیدا ہوگیا اور ہونا بھی چاہئے مگر اُس نے بیوقوفی کی اور اپنی زندگی برباد کرلی۔ اب اُس سے کوئی بات کرنے کا بھی روادار نہیں"۔

بچاری خاتون! اماں کے آخری الفاظ نے مجھے تھرا دیا۔ کیا اُن کا یہ مطلب تھا کہ ایک بیٹی اُن کی بیٹی نہیں رہ سکتی اگر وہ ایسی بات کرے جسے اماں نے ناپسند کیا ہو؟

میں سوچ رہی تھی کہ کہیں اُن کی پسند مجھ ہی جیسی تو نہیں تھی!۔

میں کچھ نہ بولی اور اُنہوں نے اس موقع سے اور بھی فائدہ اٹھایا۔

"لڑکیاں جب شادیاں کرتی ہیں تو اُنہیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوجائیگی جس کی اُنہیں خواہش ہو اور اس نئی زندگی میں کوئی چیز ناقابلِ برداشت

نہ ہوگی یہ قطعًا ناممکن ہے۔ محبوب سے محبوب میاں بیوی میں بھی شکر رنجیوں کے اسباب پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن جو عقلمند ہوتے ہیں پھر بھی بہتری کی صورت تلاش کرتے ہیں اور یاد کرتے ہیں کہ انہوں نے شادی کیوں کی تھی؟ یوں سطحی مسرت سے کچھ کم مسرت انہیں حاصل ہو جاتی ہے اور اس پر وہ مطمئن و قانع ہو جاتے ہیں۔"

یہ میری شادی سے دو دن پہلے کا ذکر ہے اور میں نے اس کی پروا نہیں کی کہ کیا کیا کہہ رہی ہوں۔

"بیشک میں حقیقی مسرت سے کبھی آشنا نہ ہوں گی اور چونکہ میری شادی کا صرف یہی ایک سبب تھا کہ آپ اور ابا کی خواہش یہی تھی اس لئے، میں نہیں، بلکہ آپ خود اس پر بعد میں غور کریں کہ اس کے نتائج آپ کے لئے کتنے سود مند رہے۔" میں نے تیز ہو کر کہا۔

اماں صاعقہ زدہ سی نظر آنے لگیں۔

"چھمّو پیاری،" انہوں نے کہا، "تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہئے کیا تم سمجھتی ہو کہ ہم تمہاری شادی ایک ایسے آدمی سے کرنے پر آمادہ ہو جاتے جو اپنی بیوی کا خیال آیندہ نہ رکھے گا اور پھر کیا ہم نے اس بات کا لحاظ نہ رکھا ہوگا کہ تمہاری خلافِ مرضی شادی نہ کر دی جائے؟"

"جی ہاں میں جانتی ہوں کہ میری کوئی پروا نہیں کی گئی۔ میں سر ہمایوں فرسے کبھی محبت نہیں کر سکتی۔ اور نہ بناوٹی محبت ہی ظاہر کر سکوں گی۔" میں نے کہا۔

"خیر، اگر وہ مطمئن ہیں تو یہ رشتہ ٹھیک ہی ہے۔" اماں نے جلدی سے کہا، "فرانسیسی

مثل مشہور ہے کہ بیوی کے لئے یہی بہتر ہے کہ رخسار پیش کرنے والی بیوی ہو اور اُسے بوسہ دینے والا شوہر ملے۔

"ضرور!" میں نے کہا اور اماں نے فوراً ہی کچھ اور باتیں شروع کر دیں۔ شہر میں آنے کے بعد میں نے گل چمن کو صرف ایک بار دیکھا اور وہ بھی جب تک وہ رہی اماں بھی بیٹھی رہیں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ گل چمن کی نظروں میں کوئی پیام تھا مگر اماں بھی تاڑ گئیں تھیں اور جم کر جو بیٹھی ہیں تو کسی طرح اٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔ اس نے مجھے ایک بہت خوبصورت پن کُشن بنا کر بطور شادی کے تحفے کے دیا تھا اور میں نے وعدہ کر لیا تھا کہ اسے ہمیشہ اپنی میز پر رکھوں گی، چنانچہ اب بھی میز پر رکھا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ وہم سا ہو گیا ہے اور اس سے جدائی مجھے کبھی گوارا نہ ہو گی۔ اُن تمام تحفوں میں سے جو مجھے میری شادی کے موقع پر ملے صرف یہی ایک ایسا تحفہ ہے کہ جب کبھی اُس کی طرف دیکھتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے گلے میں راکھ بھری ہوئی ہے! بچاری گل چمن! جب تک میرے ساتھ رہی میں اس سے کس قدر گھبراتی تھی! آہ۔ اب وہ کسی طرح بھی میرے پاس رہ سکے تو میں بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر میں کیسی کیسی روؤں! میں اُس سے یہ تو نہیں کہہ سکوں گی کہ میں نے کیسی کیسی سختیاں جھیلی ہیں اور کیا کیا ذہنی اذیتیں مجھے پہونچی ہیں مگر یہی کافی ہو گا کہ میں رو رہی ہوں اور خود کو اُس کی آغوش میں پاؤں۔

دادا بھی مجھ سے الگ الگ رہی گئیں۔ کاش! مجھے پہلے سے اس کا علم ہو جاتا! وہ دونوں مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھیں، مجھے اس کا یقین ہے اور اب میں سوچتی

ہوں کہ وہ کچھ ایسی بات بتائیں، جو موجودہ پریشانیوں کو روک دیتی۔

کیا وہ بات اِن پریشانیوں کو روک دیتی؟ اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ دور کس قدر بھیانک ہوگا تو کیا میں اسے روک سکتی تھی؟ کیا میں اماں کو بھی اسی نظرسے اس حقیقت کو دکھا سکتی تھی جس نظر سے کہ دادا اور گل چمن اسے دیکھتی ہوں گی؟

صرف ایک بات میرے اختیار میں تھی۔ میں گھر چھوڑ کر بھاگ سکتی تھی! مگر میں بھاگ کر جاتی کہاں؟ اور پھر جب میں پکڑ لی جاتی تو کیا ہوتا؟ پھر بھی وہی ہوتا جو اب ہو رہا ہے بلکہ مزید اضافہ یہ ہوتا کہ سر ہمایوں فر جیسے اب ہیں ویسے نہ ہوتے۔ یعنی اُن کی خفگی اس پر مستزاد ہوتی۔ مگر وہی بہتر ہوتا۔ ہاں، وہی صورت بہتر ہوتی۔ اب جو اُس کا خیال آتا ہے تو بے روئے نہیں رہا جاتا۔

سوچتی ہوں کہ کل صبح تک تو میں بھی سمجھتی تھی، قصے کہانیوں کی شہزادی مگر اب مجھے معلوم ہے کہ وہ سب کچھ ایک خواب تھا۔ غلط، بالکل غلط۔ بجائے اُس شہزادی کے جو مجھے جھوٹ موٹ بنایا جا رہا تھا میں ایک دل شکستہ ہستی تھی —— عورت نہیں بلکہ ایک برباد و بے بس جانور۔۔ میں چاہتی ہوں کہ اس روشنی میں سے باہر نکل کر کہیں چھپ رہوں اور اتنا روؤں اتنا روؤں کہ تخیلہ مفلوج ہو جائے۔

پھر یہ احساس کہ مجھے یونہی زندگی گذارنی پڑیگی اور اس میں اگر کوئی تبدیلی بھی ہوگی تو بدسے بدتر کے لئے! کیونکہ یہ بدتر ہی ہوگا، یقیناً بدتر جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ میرے خیالات کس نوع کے ہیں، اور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خیالات چھپا نہیں سکتی شاید اُس نے اب بھی قیاس سے کچھ نہ کچھ معلوم کر لیا ہوگا۔ مگر میں تو جانتی ہوں کہ اُسے

اس کی پروا بھی نہیں۔ اُف! یہ کسقدر وحشت ناک احساس ہے!

پہلے میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ کاش میں مرد ہوتی تو گھُڑدوڑ میں شریک ہوتی۔ مگر اب میں بھول کر بھی اس خیال کو دل میں نہیں لاتی۔ اب تو میں سوچا کرتی ہوں کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی، دُنیا وہ جگہ نہیں جو میرے تخیل میں تھی۔

میں ابھی اس معاملہ کو نہیں سمجھ سکی کہ کل تک میں آزاد رہ سکی تھی مگر اب میں کبھی آزاد نہ ہوں گی۔ عورتوں کو اس طرح تکلیف برداشت کیوں کرنی پڑتی ہے؟ انہیں پہلے سے یہ کیوں نہیں بتایا جاتا کہ وہ اپنا انتخاب خود کرسکیں۔

آہ اماں، آپ نے میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا، آپ نے مجھے بیچ ڈالا۔ یہ انصاف نہ ہوا۔ میں سوچتی ہوں کہ اگر اس پادری کو جس نے ہمارا نکاح پڑھایا تھا، یہ معلوم ہوتا تو کیا پھر بھی وہ رسم نکاح ادا کرتا؟ ہاں میں تو سمجھتی ہوں وہ ضرور پھر بھی نکاح پڑھاتا، اگر نکاح کے بعد کے واقعات کی ذمہ داری اُس پر عائد کردی جاتی تو اُسے اس خیال ہی سے خوف آتا۔ مگر ایک اٹھارہ برس کی لڑکی کا نکاح پچاس برس کے مرد سے پڑھاتے ہوئے اُسے مطلق خیال نہ آیا۔

عجیب معاملہ ہے کہ کل ہی شادی ہوئی ہے مگر مجھے واقعات بالکل یاد نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ واقعات کو ایک دبیز پردے میں سے دیکھ رہی ہوں اور ہر چیز دُھندلی دُھندلی سی نظر آتی ہے۔ گرجہ میں بھیڑ، لوگوں کا سیلاب، پھر گرجہ سے باہر ایک دل بھیڑ اور گھر پر مہمانوں کا اژدہام۔ اماں کے چہرے سے پریشانی کے آثار ہویدا گویا وہ بھی خائف تھیں کہ انھوں نے کیا کیا؟ جب مجھے یہاں بھیجنے کے لئے کپڑے پہنائے گئے

تو مجھے غش آگیا تھا۔ نہ معلوم پھر کیا ہوا؟ جب ہوش و حواس بجائے ہوئے تو اماں نے بہت محبّت و شفقت سے ایک اور آخری لکچر دیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا "ہمت سے کام لینا اور اپنے شوہر کا دل بہلانے کی ہمیشہ کوشش کرنا۔ اگر شروع شروع میں تم ناخوش بھی ہو تب بھی چہرے پر شگفتگی اور قلب میں ہمت رکھنا کیونکہ ہر شریف خاتون کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ عزم و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور مصیبت میں بھی چہرہ پر مسکراہٹ رہے تاکہ اس کی عزت کی جائے۔ اور لوگ اس سے محبت کریں"۔

جب اماں مجھے یہ نصیحتیں کر رہی تھیں تو شاید ابا سر ہمایوں فر سے گفت و شنید کر رہے تھے۔ کیونکہ جب میں نیچے اُتر کے آئی ہوں تو میں نے دیکھا کہ ابا اور وہ کھڑے تھے۔ ابا کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور سر ہمایوں فرخفا نظر آتے تھے۔ جب ابا نے مجھے الوداعی بوسہ دیا تو ان کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ گاڑی کے دروازہ تک میرا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے اور مجھے ترحّم آمیز نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے گویا میری طرف سے اُنہیں کچھ پریشانی تھی۔ وقتِ رُخصت انہوں نے مجھ سے کہا کہ "گھر سے جُدا ہونے کا غم نہ کرو بلکہ خوش رہو اور مجھے خط برابر لکھتی رہنا۔"

اس کے بعد ہماری گاڑی روانہ ہوگئی اور کچھ لمحوں کے لئے مجھے مسرت ہوئی کہ بھیڑ سے نجات ملی۔ مگر جب میری نظر سر ہمایوں فر پر پڑی تو ساری خوشی رخصت ہوگئی، خدا جانے ابا نے اُن سے کیا کہا سُنا تھا۔ کہ ان کا مزاج بگڑا ہوا تھا حقیقتاً مجھے اُن کی اس بدمزاجی کا زیادہ احساس نہیں ہوا بلکہ میں محسوس کر رہی تھی کہ انکی خفگی مجھے پیار کرنے سے زیادہ گوارا تھی۔

دورانِ سفر میں وہ مجھ سے مہربانی سے پیش آتے رہے اور میں بھی انتہائی کوشش

کر کے اُن سے باتیں کرتی رہی تاکہ احساسِ تنہائی سوہانِ رُوح نہ بن جائے۔ مجھے بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے میں ایک اجنبی کی ہمسفر ہوں جس کے ساتھ شائستگی سے پیش آنا اس لئے ضروری تھا کہ اُس کی ہم جلیسی رُوحی صعوبت نہ ثابت ہو جب ہم ڈوور پہونچے تو ایک عجیب واقعہ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ سر ہمایوں فر نے پلٹ کر ایک خوش وضع عورت کی طرف دیکھا جو غالباً کوئی ایکٹریس تھی اور پھر یہ دیکھکر اور بھی تعجب ہوا کہ دو تک اس کے پیچھے پیچھے گئے تاکہ اُس کا چہرہ اچھی طرح دیکھ لیں۔

اس واقعہ میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں اِسے اپنے ذہن سے نکالنے پر بھی بار بار موجود پاتی تھی اور میرا جذبہ حقارت قوت سے فعل میں آتا تھا۔ اور میں سوچتی تھی کہ ابا نے ایسے ہی کسی معاملہ پر سر ہمایوں فر سے گفتگو کی ہوگی۔ پھر میرے دل میں خیال آتا تھا کہ ابا کو نہیں چاہئے تھا کہ میری شادی سر ہمایوں فر سے کرتے۔

اس کے بعد ہم ایک جہاز میں سوار ہوئے اور مجھے ایک کیبن میں بند ہونا پڑا حالانکہ میرا جی یہ چاہتا تھا کہ عرشہ پر ٹہلتی پھروں اور سمندر کی فرحت بخش ہوا میرے چہرے سے ٹکرا رہی ہو مگر سر ہمایوں فر کو چکر آ رہے تھے۔ میں نے اُنہیں ملازم کی نگرانی میں چھوڑا اور عرشہ پر آکر خوب چہل قدمی کی یہاں لوگوں نے مجھے اس قدر غور سے دیکھنا شروع کیا کہ میں کچھ بے چین سی ہونے لگی کہ کہیں ان لوگوں کو یہ تو نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟ مگر درحقیقت میرا عروسی جوڑا دعوتِ نظر دے رہا تھا اور یہ لوگ دراصل اسی لئے مجھے غور سے دیکھ رہے تھے۔

اماں نے مجھے اپنے ملبوسات سے رغبت دلانیکی بہت کوشش کی تھی۔ مگر میں نے

کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں کیا کہ مجھے کس قسم کا لباس پہنایا جا رہا ہے، مجھے شوخ کپڑوں سے ہمیشہ نفرت رہی ہے اور اب مجھے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک گڑیا ہوں کیونکہ ہر چیز اس قدر نمائشی اور بھڑکیلی ہے کہ اس کو پہننے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ میرے تمام کپڑے اُس قسم کے ہیں جس قسم کے آئے دن رسالوں اور اخباروں میں نظر آتے ہیں اور جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، پہننے سے نہیں، اس وقت بھی میں جو صبح کا لباس پہنے ہوئی ہوں مجھے مضحکہ خیز نظر آتا ہے۔ سفید کشمیرا جو ذرا سے داغ دھبے سے خراب ہو جائے گا۔ اتنے سارے بیل بوٹے اور ہلکے نیلے رنگ کے ربن کہ میرے لکھنے میں بھی بار بار اُلجھ کر ہارج ہو رہے ہیں۔ میں اس لباس کو پہننا نہیں چاہتی تھی مگر اُس نفرت انگیز عفو بہ نے یہ جوڑا نکال کر رکھدیا اور مجھے چون و چرا کی بھی گنجایش نہ رہی۔ اس لئے مجبوراً لادنا پڑا۔

خدا جانے آج سر ہمایوں فر کا ارادہ پیرس جانیکا ہے یا نہیں ؟ کل رات کو ہم یہاں اس لئے ٹھہر گئے کہ اُن کی طبیعت خراب تھی۔ اور ریل کا سفر شاید ان کے لئے مضر ثابت ہوتا۔ جہاز پر بھی مگر آنے پر میرا جی چاہتا تھا کہ ان کی خوب ہنسی اڑاؤں۔ سمندر میں طوفان ضرور تھا، مگر مجھے تو اس میں بہت لطف آیا۔ شاید یہ وجہ ہو کہ میں کیبن سے نکلکر عرشہ پر اکیلی ٹہلتی پھر رہی تھی مگر میں نے ایک بات بھی سر ہمایوں سے نہیں کہی کہ مبادا انہیں ناخوش آئے۔

لو وہ آ رہے ہیں میں دُور سے انہیں آتا دیکھ رہی ہوں۔ اُن کی چال ایسی ہے کہ ہزاروں میں بھی میں اُنہیں پہچان لوں۔

اُف! وہ کس قدر خوف انگیز ہیں! شاید میں نے اس سے پہلے نہیں سوچا تھا کہ

اُن کے بال رنگے ہوئے ہیں۔ کیا کبھی ایسا وقت آئے گا کہ میں اُن کی کسی بات کو محسوس نہ کروں! مجھے کوشش کرنی پڑے گی۔ بہت کوشش اور ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ اماں نے ٹھیک کہا تھا بزدلی کا اظہار غیر شریفانہ ہے اور یہ ظاہر کرنا کہ ہمیں پروا نہیں ہی غلطی ہے، میں جو کچھ محسوس کرتی ہوں اُسے ظاہر نہ ہونے دوں گی۔ نہیں نہیں، میں اپنے احساسات کا اظہار نہیں کروں گی۔ مگر جو کچھ میرے دل میں ہے اُسے حوالۂ قلم کرنے سے ایک گونہ سکون و راحت ہوتی ہے۔ میں اپنا روزنامچہ اب پھر لکھا کروں گی۔ لیکن اب بجائے صبح کو لکھنے کے رات کو لکھا کروں گی۔ کیونکہ صبح کو فرصت نہیں ملتی۔ اب وہ ہوٹل میں آپہونچے، اس لئے لے میرے رازدار و غمگسار میں تجھے اب ختم کرکے مقفل کرتی ہوں —— خدا حافظ

پیرس۔ ۳۰ر مارچ سنہ

ہمیں یہاں آئے آج چوتھا دن ہے مگر مجھے آج اتنا موقع ملا ہے کہ اپنی ڈائری نکالکر اس میں کچھ لکھ رہی ہوں۔ ریل کا سفر اجیرن ہو گیا تھا کیونکہ میں بہت تھکی ہوئی تھی اور نیند کا غلبہ زیادہ تھا۔

اِس ہوٹل کے کمرے اتنے عمدہ ہیں کہ میں نے اس سے پہلے کسی اور ہوٹل میں نہیں دیکھے بلکہ یہاں کا ساز و سامان ایسا ہے کہ ابا کے گھر میں بھی نہیں تھا۔ سر ہمایوں فر نے مجھے بتایا کہ یہ وہ کمرے ہیں جن میں شاہی خاندان کے افراد ٹھیرا کرتے ہیں، ان کی طبیعت کچھ اس قسم کی ہے کہ انہیں ہر جگہ بہتر سے بہتر چیز کی تلاش رہتی ہے۔ تھیٹر میں سب سے اچھا باکس ہمارا ہی ہوتا ہے اور سارے ہوٹل میں بہترین کمرہ وہی ہوتا ہے جس میں ہم ٹھہرتے ہیں اور ریل کے سفر میں ایک پورا کمپارٹمنٹ ہمارے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ مگر میں تو یہ زیادہ پسند کرونگی کہ ہم بھی اوروں کے ساتھ بیٹھیں، اور شاید یہ صورت جلد پیدا ہو بھی جائے بشرطیکہ سر ہمایوں فر میری ہم جلیسی سے اُسی قدر بیزار ہو جائیں جس قدر کہ میں انکی ہمنشینی سے اُکتا چکی ہوں۔ مگر میں تو جانتی ہوں کہ اگر ایسا بھی ہو گیا تو میرے لئے کچھ زیادہ مفید مطلب ثابت نہو گا۔ کیونکہ مجھے اب یقین ہو گیا ہے کہ سر ہمایوں فر بہت بدمزاج آدمی ہیں اور چھوٹی چھوٹی سی باتوں میں بھی اس درجہ خود غرضی سے کام لینے کے عادی ہیں کہ ذراسی لغت بھی اُنہیں دائرۂ انسانیت سے خارج کر کے وحشی درندوں کے زمرہ میں پہونچا دیتی ہے۔ میں انتہائی کوشش کرتی ہوں کہ ہمیشہ انہیں خوش مزاج اور ہنسمکھ نظر آؤں لیکن گو ہماری شادی کو ابھی مشکل سے ایک ہفتہ ہوا ہے پھر بھی میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ مجھ سے

کچھ کھنچنے لگے ہیں۔ کم از کم اُن کا بات کرنے کا طریقہ اب وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ بات بہت کم کرتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اُنہیں مجھ پر ایک طرح کا ناز ہے اور اس کا بہت خیال ہے کہ میں اچھی سے اچھی نظر آؤں۔

مگر مجھے اس کا اقرار ہے کہ جب سے میں پیرس آئی ہوں اس باب میں قطعاً ناکامیاب ہی۔ میں اسقدر تھک جاتی ہوں کہ میرا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور طبیعت اس قدر مضمحل ہو جاتی ہے کہ جب ہم کسی گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں تو مجھے گویا ایک بڑے عذاب سے نجات مل جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے سر ہمایوں فر کا سیدھا کان بہرا ہے اس لئے اُن کی باتوں کا جواب دینا میرے لئے چنداں ضروری نہیں چنانچہ جب ہم گاڑی میں سوار ہوتے ہیں تو مجھے صرف مُسکرا مُسکرا کر سر ہلانا پڑتا ہے۔ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں اِن چھوٹی چھوٹی سی گاڑیوں کو بہت پسند کرتی ہوں گو سر ہمایوں فر انہیں اپنے لایق نہیں سمجھتے اور سارے وقت بگڑتے رہتے ہیں۔ میں نے پیرس کے اکثر بازاروں کی سیر انہی گاڑیوں میں کی اور ایک دن ورسیلز دیکھنے موٹر میں گئے۔ سفر بہت دلچسپ رہا مگر جب میں موٹر سے اُتری ہوں تو سردی کے مارے میرا خون جم رہا تھا اور دانت سے دانت بج رہے تھے اسوقت سر ہمایوں فر نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا کہ گویا میں بہت ہی بدشکل ہوں۔ اور ہاں میں ایسی ہی تھی بھی۔

شام کے وقت وہ مجھے ایسے بڑے مقامات پر لیجاتے ہیں جہاں میں جانا پسند نہیں کرتی۔ موسیقی کے ایوانوں میں اور ایسے ہوٹلوں میں جہاں گانا ہوتا ہے۔ جہاں بہت خیرہ صورتوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ رنگے ہوئے چہروں کی عورتیں خوب سر ہمایوں فر کو گھور گھور کر دیکھتی

ہیں اور بعض تو اُن سے باتیں بھی کرتی ہیں، اور مجھے دیکھ دیکھ ہنستی ہیں۔ اور مرد سب کے سب سر ہمایوں فر کی طرح کے سوائے چند انگریزوں کے جو کبھی کبھی میری طرف اِس نگاہ سے دیکھتے نظر آتے ہیں کہ گویا انہیں تعجب ہو۔ ہاے کہ میں ایک ایسے ناشائستہ مجمع میں کیوں شریک ہوئی مجھے خود تعجب ہوتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ابا بھی اگر کبھی مجھے یہاں دیکھتے تو دانتوں میں اُنگلی دے لیتے۔

کل شام کو کھانے کے دوران میں میں نے سر ہمایوں فر سے کہا کہ مجھے فرانسیسیوں کا طریقہ خوش وضعی پسند نہیں گو اس کے متعلق میں بہت کچھ پہلے بھی سن چکی تھی۔ اس پر وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ آیندہ جہاں جانے کو میرا جی نہ چاہے میں نہ جاؤں۔

اگر کوئی معقول ایوانِ موسیقی ہو تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں ضرور جاؤں خواہ وہاں جانے کے بعد میری سمجھ میں کچھ آئے یا نہ آئے لیکن تعجب ہے کہ جب اماں نے مجھے لندن کے مشہور ایوانِ ترنم میں بھی جانے کی اجازت نہ دی ہو تو میں یہاں کے ان سب تھیٹروں میں میں جاتی پھروں جہاں اماں اگر مجھے دیکھ لیں تو شاید صدمہ سے بیہوش ہو جائیں۔

• میں دیکھتی ہوں کہ محض اس وجہ سے کہ میری شادی ہو گئی ہے مجھے اس بات کا حق حاصل ہے کہ دنیا کی بری سے بری جگہ بھی جا سکتی ہوں۔ جہاں تک میرے تجربہ کا تعلق ہے شادی بدترین چیز ثابت ہوتی ہے۔ میری شادی کو ایک ہفتہ نہیں گزرا لیکن مجھے تو ساری دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ معصیت آلود، اور فضائے کثیف سے گھری ہوئی۔

میں محسوس کرتی ہوں کہ سر ہمایوں فر مجھے ایک شرمیلی لڑکی سمجھتے ہیں اور پہلے پہل میری باتوں پر وہ خوب ہنسا کرتے تھے، اگرچہ میں جو کچھ سوچتی تھی اُس کا آدھا بھی اُن سے نہیں کہتی

تھی۔ مگر اب میری باتوں پر وہ تیوری چڑھا کر مجھے گھورتے ہیں گویا یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے خیالات کو یکسر بدل ڈالوں۔

میری حالت اُس خود رَو پودے کی سی ہے جو جنگل میں سے اکھاڑ کر شیشے کے گملے میں لگا دیا جائے اور وہ سوکھ کر خس و خاشاک بن جائے۔

اور میں چاہتی ہوں کہ اب مجھے کوئی جڑ سے اکھیڑ کر پھر باہر پھینک دے۔

Geniuses

پیرس۔ ۹ر مارچ سنہ۔

آج تین دن سے میرا شام کا وقت تنہا گذر رہا ہے۔ رات کے کھانے کے بعد ہی سر ہمایوں فر چلے جاتے ہیں، اور بہت رات گئے واپس آتے ہیں۔ پہلے دن تو میں انکا انتظار کرتی رہی، یہاں تک کہ جس کُرسی پر بیٹھی تھی اُسی پر آنکھ لگ گئی۔ جب وہ واپس آئے تو مجھے اس حالت میں دیکھکر کہنے لگے "تم میری منتظر نہ رہا کرو، اس طرح اپنے آپ کو مت تھکایا کرو" خوش بختی سے کل رات میں اُن کے انتظار میں جاگتی نہیں رہی۔ وہ رات بھر نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ ہوٹل کے دربان کو سر ہمایوں فر سمجھا نہ سکے اور دروازہ بدستور بند رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرانس کے ہوٹلوں میں اتنا اچھا انتظام نہیں ہوتا جتنا کہ انگلینڈ کے ہوٹلوں میں۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا واقعہ انگلینڈ کے کسی ہوٹل میں بھی پیش نہیں آ سکتا۔ خیر اس سے میرا کوئی ہرج نہیں ہوا۔ رات کو خوب نیند آئی اور لیٹنے کے بعد صبح سے پہلے آنکھ نہ کھلی۔ گیارہ بجے دن کے ہم اپنے کمرے ہی میں کھانا کھاتے ہیں۔ سر ہمایوں فر ٹھیک کھانے کے وقت آ گئے تھے، اُنہوں نے بہت معذرت کی اور نہایت محبت سے پیش آئے، میرے لئے ایک پنکھا خرید کر لائے۔ جس کی ڈنڈی پر سیپ کا خوبصورت کام بنا ہوا ہے، بیچ میں ایک خوشنما منظر کی تصویر ہے، اور اِدھر اُدھر میناکاری کی گئی ہے، لیکن درصل میرے پاس بیش قیمت چیزیں اس افراط سے ہیں کہ مجھے اوروں کی ضرورت نہیں، اس لئے اس پنکھیا کا شکریہ ادا کرنے میں مجھے خاصی دقّت ہوئی۔

کھانے کے دوران میں سر ہمایوں فر بہت تپاک سے پیش آئے اور پیرس کی مختلف عمارتوں کا تذکرہ بڑی دلچسپی سے کرتے رہے میں نے محسوس کیا کہ آج میں انہیں کچھ کچھ

پسند کر رہی تھی۔ میری طبیعت بھی روزانہ سے زیادہ بشاش تھی۔ اس لئے بظاہر بھی خوش نظر آرہی تھی۔ انہوں نے بھی خود اس بات کو جتایا اور مسرور تھے کہ میں نے اُن کی رات کی عدم موجودگی کا کوئی ذکر نہ کیا اور نہ اس کا شکوہ کیا کہ وہ رات بھر کہاں رہے۔ میں نے اُن سے سچ سچ کہدیا کہ رات کو مجھے کسی قسم کا ڈر نہیں لگا کیونکہ صبح ہوتے ہی آنکھ کھلی۔

اب جبکہ سرہمایوں فر رات کو باہر جایا کرتے ہیں میں بجائے صبح کے رات کو آرام و سکون سے اپنی ڈائری لکھ سکتی ہوں اور خطوط بھی۔ میں اس کی احتیاط کرتی ہوں کہ خطوط میں اُن تاثرات کا کوئی تذکرہ نہ آنے دوں جو یہاں کی باتیں دیکھکر پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن چھپانے سے مجھے روحی اذیت ہوتی ہے کیونکہ اُنہیں اس کا علم ضرور تھا کہ سرہمایوں فر میرے لئے مناسب شوہر ثابت نہ ہونگے اور اس رشتہ کے نتائج کچھ اچھے برآمد نہ ہونگے مگر چونکہ انہوں نے مجھے ان سے وابستہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں دیکھی تھی اسلئے میں بھی اپنے خطوط میں یہاں کی باتیں لکھ کر اُنہیں پریشان کیوں کروں۔ لیکن ہاں! جب کبھی اُن سے میرا ملنا ہوگا تو پھر جو کچھ میرے دل میں ہے انہیں صاف صاف سناؤنگی۔ آہ! وہ وقت کب آئیگا؟ اور جبتک مجھے کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا؟ ہائے یہ تنہائی مجھے کس قدر اجیرن نظر آتی ہے! اپنی بیکسی و بے بسی پر مجھے خود ترس آتا ہے اگر وہ چاہتے تو میری زندگی کس قدر خوشگوار بنا سکتے تھے۔ مگر ہائے میرے لئے سوہانِ روح بنانے کیلئے انہوں نے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کی ہیں! مجھے یقین ہے کہ سرہمایوں فر نے انکی تکلیفوں کا صلہ دریا دلی سے دیا ہوگا۔ کیونکہ مجھے بیچا گیا ہے۔ اس لئے یقیناً میں سستی نہیں بکی ہونگی۔

آج میں تھک کر چُور ہو گئی۔ تیسرے پہر ہم گھوڑ دوڑ دیکھنے گئے۔ میں سوچتی ہوں اگر دادا کو معلوم ہو جائے کہ اتوار کے دن میں گھوڑ دوڑ میں گئی تھی تو کیا کہیں گی؟ یہاں تو اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا۔

آسمان صاف تھا اور خواتین کے لباس اتنے بھڑکیلے تھے کہ ہر طرف چمک ہی چمک نظر آتی تھی۔ مسٹر ہمایوں فر نے ان خواتین میں سے کئی کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ پیرس کی حسین ترین خواتین میں انکا شمار ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ گو یہ اسقدر حسین ہیں اور ان کی پوشاکیں بہت عمدہ ہیں تاہم یہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ ان سے ملا جلا جائے۔ انہی میں سے ایک نے جو ہلکے اُودے لباس میں تھی اور اتنی بڑی ٹوپی پہنے ہوئے تھی کہ میں نے آجتک نہیں دیکھی، مسٹر ہمایوں فر کو اپنی موٹر کے پاس بلا کر خدا جانے کیا باتیں کیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں پہلے سے خوب جانتی تھی اور میں دیکھ رہی تھی کہ اسکی بات بات پر یہ بے طرح ہنس رہے تھے۔ وہ انہیں خوش کر رہی تھی اور خود بھی دلچسپی کا اظہار کر رہی تھی۔ میں حیران تھی کہ میرے بجائے انہوں نے اُس جیسی عورت سے شادی کیوں نہیں کی۔ ان سے زیادہ دو متضاد عورتیں نہیں ہو سکتیں جیسی کہ خود اُن کی بیوی تھی اور وہ عورت جو اس وقت انکا دل لبھا رہی تھی اور قہقہوں کی صورت میں خراجِ تحسین وصول کر رہی تھی۔

جب وہ اُس سے باتیں ختم کر کے گاڑی میں آئے، جس میں میں بیٹھی تھی تو میں نے یہ ظاہر کیا کہ گویا میں نے انہیں اُس سے ہنستے بولتے نہیں دیکھا تھا۔ پھر اس عورت کی طرف جیسے اچانک دیکھ کر میں نے پوچھا "وہ ہلکے اُودے لباس میں کون عورت ہے؟"

پہلے تو انہوں نے بات ہی ٹالنی چاہی مگر پھر رفتہ رفتہ مجھے بتایا کہ وہ ایک مشہور ایکٹرس

ہے اور خوش پوشی کے اعتبار سے پیرس میں بہترین عورت سمجھی جاتی ہے۔ مجھ سے انہوں نے کہا کہ کسی دن اُس کا تماشہ دیکھنے تھیٹر چلیں گے۔ اس سے پہلے مجھے اشتیاق تھا کہ یہاں کا کوئی تھیٹر دیکھوں لیکن اُن کے اس کہنے پر میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ کسی تھیٹر میں بھی جاؤں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے خیالات میں ایک دم سے یہ تبدیلی کیسے واقع ہوئی۔ میں نے یہ البتہ ضرور محسوس کیا کہ اُس عورت سے اس درجہ بے تکلفی سے ملنا اور میرے ہی سامنے اُس سے ہنس ہنس کر باتیں کرنا اور پھر مجھے یہ جتانا کہ وہ ان عورتوں میں سے نہیں ہے جن سے میں واقفیت پیدا کروں کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شاید یہی خیال اس تنافر کا سبب ہو۔

میری فطرت میں رشک و حسد نہیں ہے اور نہ یہ تبدیلی کسی قسم کی جلن سے پیدا ہوئی لیکن پھر بھی مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا تماشہ دیکھنے جاؤں۔ اور کچھ نہیں تو اس خیال سے مجھے بے چینی سی ہوتی ہے۔

کاش اماں یہاں ہوتیں!

سر ہمایوں فر نے میری طرف سے گھوڑ دوڑ میں شرط لگائی تھی اور مجھے معلوم ہے کہ اُنہوں نے سلمیٰ کی طرف سے بھی شرط لگائی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اُس عورت کا نام سلمیٰ ہے۔ میں ہر دفعہ ہاری لیکن میرا دل ذرا بھی میلا نہیں ہوا کیونکہ وہ میرا پیسہ نہیں تھا۔ مگر ہاں میں یہ چاہتی ہوں کہ کچھ پیسہ میرا ذاتی بھی ہو بجائے اس کے کہ ہر چیز کی قیمت سر ہمایوں فر خود ہی ادا کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ جب ہم مانٹی کارلو جائیں گے تو وہاں میں جوئے خانہ میں کچھ نہ کچھ ضرور جیتوں گی اور اس طرح میرے پاس اپنا روپیہ بھی جمع ہو جائے گا۔

ہم کھانا کھا چکے ہیں اور سسر ہمایوں فرباہر گئے ہیں۔ آج کی ڈائری میں نے لکھ لی۔ اب میں اباّ کو اور بچاری دداّ کو خط لکھنے بیٹھی ہوں۔ دداّ کو خط بہت احتیاط سے لکھوں گی ورنہ ذرا سی بات پر ساری رات روتی رہے گی۔

پیرس - ۱۱ر مارچ سنہ

کل صبح سر ہمایوں فر مجھے بازار لے گئے اور بہت ساری چیزیں مجھے خرید کر دیں گو مجھے ان میں سے ایک کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اُنکے تیور کچھ بگڑے ہوئے تھے کیونکہ چیزوں کی پسندیدگی و ناپسندیدگی میں نے اُن ہی پر چھوڑ دی تھی یا اگر میں نے کوئی چیز پسند بھی کی تو اتفاق سے یہ وہ ہوتی تھی جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اُن بڑی بڑی ٹوپیوں کو قطعاً پسند نہیں کر سکتی، جن پر چڑیوں اور جھاڑ جھنکار کا پورا جنگل آباد ہے۔ میں جانتی ہوں کہ انہیں پہنکر خواہ مخواہ مجھے نکّو بننا پڑیگا اور دیکھنے والے میری ہنسی اڑائیں گے۔

اُن کا کہنا یہ ہے کہ "مجھے اسٹائل پسند ہے" اور میری یہ حالت کہ مجھے اس سے نفرت ہے، اس سے ظاہر ہے کہ میں وہ کبھی نہیں بن سکتی جو وہ مجھے بنانا چاہتے ہیں۔ اور ہاں! اُس دن بھی مجھ میں اسٹائل دیکھا گیا تھا جس دن میں ایک جوتی پہنے گیلے کپڑوں میں زینہ پر بدحواس ہو کر چڑھی چلی جا رہی تھی!

شام کو وہ مجھے تھیٹر لے گئے اور وہاں میں نے سلمٰی کو اسٹیج پر دیکھا۔ اداکاری میں اُسے مہارتِ تامہ ہے، اور گو میں اس فن کے ہر پہلو کو بخوبی نہیں سمجھ سکتی۔ پھر بھی میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے تحسین و آفریں کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسکے لباس نہایت خوشنما اور چُست تھے۔

سر ہمایوں فر نے مجھ سے پوچھا "سلمٰی تمہیں کیسی معلوم ہوتی ہے؟" میں نے کہا۔ "بیحد حسین و دلکش۔"

"ہاں وہ ایسی ہی ہے!" اُنہوں نے کہا۔

"وہ لباس جو وہ پہنتی ہو اور جو اس قدر سادے نظر آتے ہیں" میں نے اُن سے پوچھا "انکی قیمت تو بہت زیادہ ہو گی؟"

"اپنے کپڑوں پر وہ اتنا خرچ کرتی ہے کہ پیرس کی زیادہ سے زیادہ خرآج عورت سے بھی دُوگنا۔ شاید تم سمجھ گئی ہو گی کہ میرا مطلب کیا ہے؟" اُنہوں نے کہا۔

میں جانتی تھی کہ اُنکا مطلب ایک کثیر رقم سے ہے لیکن میں نے انکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرہمایوں فر اُٹھکر چلے گئے اور باقی دو ایکٹ میں اکیلی بیٹھی تماشہ دیکھتی رہی۔ واپسی پر سرہمایوں فر نے مجھ سے پوچھا کہ "تم پیرس میں کچھ روز اور ٹھہرنا پسند کرو گی یا نہیں"۔ میں نے کہا "نہیں"۔ انہوں نے کہا "مجھے یہاں کچھ لین دین کرنا ہو اسلئے اگر اس سلسلہ میں مجھے زیادہ دیر باہر رہنا پڑے تو تم اکیلی سے گھبراؤ گی تو نہیں؟" اس پر بھی میں نے کہا "نہیں"۔ مگر آج دن بھر میں نے تنہائی کو شدت سے محسوس کیا اگرچہ سرہمایوں فر مجھے بھول نہیں بیٹھے تھے کیونکہ تیسرے پہر کو اُنہوں نے مجھے ایک اور تحفہ بھیجا جسکا کوئی تذکرہ اُنہوں نے صبح نہیں کیا تھا، یہ چند نہایت خوشنما بکس تھے جنمیں اندر پہننے کے ریشمین کپڑے تھے۔ اس سے پہلے میں نے اتنے عمدہ کپڑے نہیں دیکھے تھے، خدا جانے انہوں نے بھیجنے سے پہلے انکا ذکر کیوں نہیں کیا؟ مجھے کچھ تعجب اور کچھ تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یہ دیکھکر کہ میری ہر چیز انہیں ناپسند رہتی ہے اور وہ اپنی پسند کو ہر جگہ دخل دیتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ مجھے اندر پہننے کے ریشمی کپڑے سرے سے پسند ہی نہیں، اُوپر کے کپڑے ہی تمام مجھے دُوبھر معلوم ہوتے ہیں، پھر یہ ایک اور مصیبت ہے کہ اندر کے کپڑے بھی لادے رہو۔ ان حریری زیر بندوں کو پہنکر تو میں بالکل ہی گڑیا بن جاؤنگی۔

میں نے ابھی ابھی ابّا اور امّاں کو خطوط لکھے ہیں۔ ابّا کے خط میں اُن تمام مقامات کا ذکر کیا ہے جو میں نے یہاں دیکھے اور اس تھیٹر کا حال بھی لکھا ہے جس میں ہم کل رات کو گئے تھے سر ہمایوں فر کا وہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک رات انہیں اسلئے باہر ہی رہنا پڑا کہ ہوٹل کا دروازہ نہیں کھُلا اور یہ بھی کہ اب لین دین کے سلسلہ میں کل تک گھر نہ آئیں گے، اور امّاں کے خط میں ایک طویل بیان گھوڑ دوڑ کا لکھا اور یہاں کے لوگوں کے لباس، وضع قطع وغیرہ کا مفصل ذکر کیا اور اُن چیزوں کی کیفیت بھی لکھی جو آج سر ہمایوں فر نے مجھے بطور تحفہ بھیجیں۔ اُن چیزوں میں بہ نسبت میرے امّاں زیادہ دلچسپی لیں گی۔ یعنی باوجودیکہ انہیں ایسی چیزوں کا بہت شوق ہے پھر بھی وہ اِس بات میں میری مخالفت نہیں کرینگی کہ ایسی چیزیں محض بیکار ہوتی ہیں اور اگر احتیاط سے نہ پہنی جائیں تو پہلی ہی دفعہ میں تار تار ہو جاتی ہیں۔ اُنہیں میں کچھ ریشمی موزے ہیں، اتنے باریک کہ اُنمیں سے آر پار دیکھ لیجیے۔ اگلے حصّہ پر چھوٹے چھوٹے ہیرے اور موتی ٹکے ہوئے ہیں اُنکے پہننے کے خیال ہی سے مجھے بے اختیار ہنسی آئی اور مجھے یقین ہے کہ امّاں بھی ان پر خوب ہنسیں گی۔

پیرس - ۱۲ر مارچ سنہ ۔

جب سرہمایوں فر آج صبح ایک دن کے بعد واپس آئے تو میرے علم میں ایک بہت بری بات آئی - میں نے اُن کے بھیجے ہوئے تحفہ کا شکریہ ادا کیا اور جب انہوں نے پوچھا "کیسا تحفہ؟" تو میں نے ایک بکس لاکر انہیں دکھایا اُس پر ایک لمحہ کے لئے اُن کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا اور میں عجیب کشمش و پیچ میں پڑ گئی کہ یہ کیا معاملہ ہے ؟ انکی ہیئت کذائی سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ان چیزوں کا سان گمان بھی نہیں تھا - پھر انہوں نے فوراً ہی ہنس کر اظہارِ مسرت کیا کہ مجھے یہ چیزیں پسند آگئی تھیں - اسکے بعد ہی وہ کمرے میں سے باہر چلے گئے ۔

اُن کے بھونچکے پن سے میرے ذہن میں ایک بیحد نفرت انگیز خیال آیا اور میں نے پھر بکسوں کی ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر دیکھی اور جیسا کہ شبہ تھا مجھے انکا ملاقاتی کارڈ ملا جس پر پنسل سے کچھ لکھا ہوا تھا - فرانسیسی میں لکھا ہوا تھا ۔

"حسین سکلی کے لئے ایک دلگیر کا حقیر تحفہ"

کاش مجھے فرانسیسی نہ آتی ہوتی !

میں نے کارڈ بکس میں پھینک کر اُسے بند کر دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی - میرا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور میں سوچنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے - ؟

یہ تو میں اُن سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ چیزیں میرے لئے نہیں بلکہ سکلی ایکٹریس کے لئے تھیں - اور ایکا ایکی مجھے خیال آیا کہ میں نے اکثر باتوں کا غلط اندازہ لگایا تھا - یہ کہ اُس رات جو سرہمایوں فر ہوٹل میں نہیں آسکے تھے تو دراصل اس وجہ سے کہ انہوں نے میرے آنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی - اور یہ کہ جب وہ

"لین دین" کے سلسلہ میں باہر رہتے تھے تو حقیقتاً دلچسپیوں کے لین دین میں مصروف رہتے تھے۔

اِس انکشافِ حقیقت سے مجھ پر گھڑوں پانی پڑگیا۔ اِس امر کا احساس کہ اُن کو خوش کرنے کی میری وہ تمام کوششیں، دلجوئی کی کل تدبیریں اور جا و بیجا اطاعت، سب کچھ اکارت گیا کیونکہ اُنہیں میری عزت کا بھی پاس نہیں تھا۔ میں اِس بے غیرتی کی زندگی پر موت کو ترجیح دے رہی تھی۔

میرا سبب یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ مجھے اُن سے نفرت ہے اور میں اُن سے خائف ہوں۔ میں اس وقت صرف اُن کے ظالمانہ سلوک کو شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

یہ ضرور تھا کہ یہ واقعہ دانستہ میرے علم میں نہیں لایا گیا تھا۔ لیکن اُنہیں ایک ذرا سا بھی خیال اِس بات کا نہیں آیا کہ یہ بات مجھ پر کھل جائیگی خاصکر ایسی صورت میں کہ اُنہوں نے جس آدمی کے ہاتھ تحفہ بھیجا تھا اُسے صحیح پتہ بتانے میں احتیاط سے کام نہیں لیا تھا۔

اُنہوں نے مجھے اُسی دُکان سے کچھ کپڑے لاکر دیئے تھے جس سے یہ چیزیں اُس ایکٹریس کے لئے بھجوائی تھیں لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ دُکاندار کی غلطی سے ایکٹریس کے نام کی چیزیں مجھے پہنچ جائیں۔

مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا یہ کہہ دوں کہ بیمار ہوں، مجھے گھر بھیج دو؟

یہی صورت مجھے سب سے بہتر معلوم ہوئی لیکن میں اِس سے بھی خوف زدہ تھی کیونکہ اگر میں گھر گئی تو اَبا اَماں سے صورت احوال بیان کرنی پڑے گی۔ پھر لوگ مُنہ جوڑیں گے اور جتنے مُنہ ہوں گے اتنی باتیں ہوں گی۔ اور ہاں، میں سر ہمایوں فرے یہ کیسے کہوں کہ میں

بیمار ہوں جبکہ اُنہیں خوب معلوم ہے کہ میں بھلی چنگی ہوں!

اُن سے یہ کہنا کہ مجھے کیا معلوم ہوا ہے؟ اِس کا تو خیال بھی دل میں نہیں لا سکتی۔ اگر میں اُنہیں پسند کرتی ہوتی تو یہ بھی ممکن تھا۔ میں اُن کی منت خوشامد کرتی یا بگڑتی، روٹھ جاتی۔ لیکن بصورتِ موجودہ یہ قطعًا ناممکن تھا آہ! میں ایک لفظ بھی زبان پر نہ لا سکتی تھی اگر میں یہ کہنے کی کوشش بھی کرتی تو میری آواز گھٹ جاتی۔ اس کے علاوہ ایک ایسا شخص جو اپنی چند روز کی بیاہی دُلہن سے ایسی بدسلوکی کر سکتا ہو بھلا اُسے کب اس کی سہار ہوتی خدا جانے یہ سنکر وہ کیا کچھ حشر نہ ڈھائے۔!

معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس قدر اندوہناک ہے کہ میں تو اس کے صدمہ سے مفلوج سی ہو گئی ہوں۔ مجھے میرے گھر سے اتنی دور لا کر اس قسم کا سلوک کرنا بہیمیت کی آخری حد ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ اس واقعہ کے بعد سے مجھے اُن سے اور بھی نفرت ہو گئی۔ کیونکہ یہ ایک طرح سے ناممکن ہے کہ جتنی نفرت مجھے اُن سے پہلے تھی اُس میں اضافہ کی گنجایش ہی نہیں۔ مگر ہاں، اب مجھے اُن سے اور بھی ڈر لگنے لگا۔ وہ میرے خطرات سے بھی بدتر انسان نکلے۔ شادی کے پہلے ہی ہفتہ عشرہ میں جب وہ میرے ساتھ معقول و مناسب سلوک نہیں کر سکتے تھے تو اُنہیں مجھ سے شادی ہی کرنے کی کیا پڑی تھی؟

کیا اس میں میرا کوئی قصور ہے؟ میں تو نہیں سمجھتی۔ یہ سچ ہے کہ اگر میں اُن سے محبت کرتی ہوتی تو اُن پر میری گرفت زیادہ ہوتی۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ میری شادی نہیں کی گئی بلکہ مجھے جھونک دیا گیا اور مجھے یہ بھی نہ بتایا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ شادی اسی صورت میں ہو بھی سکتی تھی کہ مجھے لاعلم محض رکھا جائے اور غالبًا ابا اور اماں کو اس کا شبہ بھی نہ تھا

کہ میں کیسے نالایق انسان سے وابستہ کی جارہی ہوں۔

کیا انہیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا؟ پھر وہ باتیں کیا تھیں جو مجھ سے چھپائی جاتی تھیں اور مجھے کوئی بتانا نہیں چاہتا تھا؟

لیکن انہیں یقیناً یہ تو معلوم ہی ہوگا یا کم سے کم وہ اس کا تو اندازہ کر سکتے تھے کہ اس رشتہ کا انجام کیا ہوگا؟ یہ خیال تو انہیں یقیناً کبھی نہ آیا ہوگا کہ میں ایسے آدمی سے محبت کر سکوں گی۔ میں نے تہیہ کیا تھا کہ دل پر جبر کروں گی۔ اور اسی وجہ سے میں اس قدر مطیع و فرماں بردار رہی کہ شاید وہ محبت کرنے میں میری مدد کریں اور اس طرح یہ بے اختیار جذبہ منافرت رفتہ رفتہ میرے دل سے نکل جائے اور اس کی جگہ جذبہ تشکر لیلے "تشکر" ان تمام چیزوں کا جو انہوں نے مجھے دیں۔ لیکن میں اب دیکھتی ہوں کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا میں ایک بار پھر قصے کہانیوں کی دُنیا میں رہنے والی لڑکی بن رہی تھی اور وہ طلسم بھی ٹوٹ گیا۔

اب میں کیا کروں؟ آج سارا دن اسی فکر میں گذر گیا۔

جب سر ہمایوں فرو واپس آئے تو میں اپنی آنکھیں دھو کر خشک کر چکی تھی گویا کہ کوئی نئی بات ہی نہیں ہوئی تھی، اپنے ساتھ وہ ایک چھوٹا سا کتا لائے تھے جسے کوئی بیچتا ہوا ہوٹل میں آ گیا تھا۔

میں ابھی تک کسی فیصلہ پر نہیں پہونچی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس لئے میں نے اب بھی وہی روزمرہ کا سا طرز عمل جاری رکھا اور یہی غالباً بہترین صورت تھی۔

رات کو کھانے میں میں نے ہمت کر کے اُن سے پوچھا کہ ہم پیرس سے کب جائیں گے؟

"پیرس سے کب جائیں گے؟ تو کیا تمہیں یہ جگہ پسند نہیں آئی؟" انہوں نے عُجلت سے پُوچھا۔

میری آواز کانپ رہی تھی اور میں نے بمشکل کہا کہ یہاں سے میری طبیعت اچاٹ ہو گئی ہے اور فوراً ہی اور کہیں جانا چاہتی ہوں۔ میں نے اُن کے چہرے کے خدوخال سے اندازہ کر لیا کہ اُنہیں اس کا شبہ سا ہوا کہ میں نے کچھ معلوم کر لیا ہے اور بہت خشک لہجے میں بولے "دو تین دن مجھے یہاں اور ٹھہرنا پڑے گا لین دین کا کام کچھ باقی ہے اگر تم جانا چاہو تو نائس اکیلی چلی جاؤ۔"

یہ جواب سُنکر میں برداشتہ خاطر ہو گئی۔ میں تن تنہا ایسا سفر کیسے اختیار کر سکتی تھی اور پھر ایسے مقام کا جسے میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ ہو اور جہاں میرا کوئی جاننے والا بھی نہ ہو۔؟

پھر شاید اُنہیں بجایک کچھ خیال آیا اور مجھے کبیدہ خاطر دیکھ کر اپنی دُرشتی کا اُنہیں احساس ہوا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر بولے "مجھے اِس کا افسوس ہے کہ پچھلے دنوں میں تمہاری دلجوئی زیادہ نہ کر سکا لیکن آیندہ کاروباری مصروفیات اس قدر حائل نہ ہوں گی۔"

اس پر ایک بجد عجیب بات میں نے محسوس کی اب تک میں اُن سے نفرت ہی کرتی رہی تھی لیکن اس وقت میں نے نہ جانے کیوں اپنے دل میں ان کے لئے کشش پائی؟

لیکن اگر اُس لمحہ وہ صحیح طریقہ پر مجھ سے پیش آتے، اگر وہ صداقت سے اس کا اقرار کر لیتے کہ اپنی بدسلوکی پر اُنہیں ندامت ہے، اگر بجائے صاف صاف کہدینے کے وہ مجھ پر صرف ظاہر ہی کر دیتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ درست نہیں تھا اور اُس پر وہ نادم ہوتے

اور آیندہ ایسی کوئی حرکت نہ ہوگی، تو میں نہ صرف اُنہیں معاف کر دیتی بلکہ میں اُنہیں اور بھی زیادہ پسند کرتی، اتنا کہ میں نے اُنہیں پہلے کبھی پسند نہیں کیا تھا۔ کیونکہ عین اُس لمحہ اُن کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُن کے پہلو میں ایک انسانی دل دھڑک رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی ان باتوں کو محسوس کر سکتے ہیں جن کو میں محسوس کرتی ہوں اِس لمحہ میں مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی فطرت کو سمجھ سکتے ہیں اور اشتراکِ عمل کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اُسی لمحہ میں مجھے اس کا احساس ہوا کہ اپنی فطری لاعلمی و کم عقلی کے باعث میں، اُن کے لئے وبالِ جان ثابت ہو رہی ہونگی، اور ایک ایسے آدمی کے لئے جس نے زندگی عیش و نشاط میں گذاری ہو اُن عورتوں سے دوبارہ ملکر لالچ کے کچھ کم اسباب پیدا نہیں ہو جاتے جو اُسے پہلے سے جانتی ہوں اور اُس کے دل کو لبھانا جانتی ہوں جیسا کہ میں نہیں جانتی۔

لیکن میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے نرمی اسلئے اختیار کی تھی کہ میں رُو نہ پڑوں اور اِس طرح ہوٹل میں تماشائی جمع نہ ہو جائیں اور اِس سے یہ بھی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ وہ پیرس میں ابھی اور ٹھہرنے پر مجبور ہیں اور میری خواہش کے مطابق فوراً ہی کہیں اور نہیں جا سکتے۔

چنانچہ وہ ہلکی سی لہر جو میرے دل میں پیدا ہوئی تھی پھر فنا ہو گئی —— وہ اپنا سگار پینے باہر چلے گئے اور میں یہاں یہ روزنامچہ لکھنے کے لئے تنہا رہ گئی، اور یہ سوچنے کے لئے کہ اِس کا انجام کیا ہوگا؟

پیرس - ۱۶ر مارچ سنہ

دو دن تک سر ہمایوں فر مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آئے اور میں نے دل میں سوچا کہ انکے دل کی بدی بھی ڈھل گئی - وہ مجھے اپنے ساتھ لوائیر لے گئے جہاں میں نے بہت سی چیزیں دیکھیں جن کا ذکر میں دادا کی زبانی سن چکی تھی - میں نے اس سیر کا خوب لطف اٹھایا لیکن سر ہمایوں فر کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ میری صحبت انہیں کچھ زیادہ پسند نہیں تھی - پیرس کے قرب و جوار میں ہم میلوں موٹر میں پھرے - دن بھر خوب سیر کی اور رات کو تماشہ دیکھا

اماں کے پاس سے ایک مختصر مگر عجیب سا خط آیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہیں انہوں نے خط کے کئی الفاظ پر خط کھینچ رکھے تھے اور لکھا تھا کہ "انہیں یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ سر ہمایوں فر مجھ پر اسقدر مہربان ہیں اور یہ کہ میں ان کا دل بہلانے کی انتہائی کوشش کر رہی ہوں - انہوں نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں اکثر انہیں خطوط لکھتی رہوں - اور خطوط میں ہر بات کا ذکر ہو - پھر یہ کہ سر ہمایوں فر سے خاص طور سے کہدوں کہ انہیں ہمایوں صاحب پر اعتماد کلی ہے اور یقین واثق کہ مجھ سے مہربانی کا سلوک کریں گے - خط کے اختتام پر انہوں نے حسب عادت لکھا تھا کہ ابا بھی سر ہمایوں فر کو خط لکھنے والے ہیں"۔

بدقسمتی سے میں نے دیکھا کہ سر ہمایوں فر میری ہم جلیسی سے پھر اکتا رہے تھے اور کل رات کو پھر وہ کاروبار کے سلسلہ میں باہر چلے گئے اور رات بھر واپس نہ آئے۔

واقعات کی ناہمواری اور ناامیدی، اس بات کا علم اور خوف کہ میں معاملات کو سدھار نہیں سکتی، یہ سب ایسی تلخ حقیقتیں تھیں کہ آج صبح میں نے روتے روتے اپنی آنکھیں سرخ کر لیں، میں نے اس قدر تنہائی محسوس کی اس قدر دل برداشتہ اور متنفر

ہوئی، خود اپنے آپ سے، ابا سے، اماں سے، اور سر ہمایوں فر سے کہ میں نے سوچا کہ اس طرح میری زندگی ناممکن ہے اور مجھے اس سے کسی نہ کسی طرح جلد نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

صنوبر کی موجودگی سے بھی میرے خیالاتِ پریشان میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ مجھے صنوبر کی حرکتیں زہر لگتی ہیں۔ سر ہمایوں کے ساتھ اُس کا ہنسنا اور بات کرنے کا طریقہ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اُسے اپنے بارے میں غلط فہمی بھی ہے اپنی خوبصورتی پر اِتراتی بھی بہت ہے۔ جب دیکھو جب آئینہ کے سامنے کھڑی ہے چونکہ سر ہمایوں فر نے اُسے نوکر رکھا تھا میں تو کبھی بھی ایسی ملازمہ نہ رکھوں، اس لئے مجھ سے زیادہ اُنہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ لباس خوش وضع اور جاذب نظر پہنتی ہے۔ اس میں صرف ایک خوبی ہے۔ اور وہ یہ کہ اپنے فرائض انجام دینے میں کوتاہی کرتی ہے۔ مجھے ایسی ملازمہ سے نفرت ہے۔ جو ہر وقت دم کے ساتھ لگی رہے۔ صنوبر بہت کم میرے پاس رہتی ہے بلکہ جب کبھی مجھے اُس سے کوئی کام ہوتا ہے تو شمشاد اُسے بلانے جاتا ہے۔

شمشاد مجھے پسند ہے۔ بہت تمیز دار اور فرمانبردار ہے۔ حکم کا منتظر رہتا ہے جو کچھ میں کہوں فوراً کر دیتا ہے۔ سر ہمایوں فر کہتے ہیں کہ وہ چور اور جھوٹا ہے مگر مجھے تو یقین نہیں کہ شمشاد سے بہتر اور کوئی ملازم اُنہیں مل سکتا ہے۔ رہی ایمانداری، تو شاید مہاجن ہی ایماندار ہوتے ہونگے گو کسی کی زبان سے اس کی تائید میں نے نہیں سنی۔

خدا جانے سر ہمایوں فر روپیہ کسے قرض دیتے ہیں؟ لیسے ہی آدمیوں کو دیتے ہونگے جو اُن کی امداد کا صلہ دریادلی سے دیتے ہوں۔ مجھے اب تک یہی نہیں معلوم تھا کہ امیر

ہونا کہتے کسے ہیں؟ یہ حالت یقیناً ابا اور اماں کی حالت سے یکسر جدا ہوتی ہوگی کیونکہ اِنکے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ امیر ہیں۔ اتنے کثیر اخراجات اور تقاضے کہ کبھی پیسہ پاس نہیں رہتا بلکہ روپے کی فکر میں ہمیشہ پریشان رہتے ہیں۔

آج صبح صنوبر میرے پاس آئی ہی نہیں۔ اس پر میں خوش تھی۔ کیونکہ میرے رونے دھونے میں کوئی مُخل نہ ہوا اور میں خوب جی بھر کر روئی۔ کپڑے پہن کر جب میں تیار ہوئی ہوں تو دس بج چکے تھے۔

ملاقاتی کمرے کی کھڑکیوں میں سے خوب دُھوپ آرہی تھی اِن ہی میں سے ایک میں کوئی کھڑا تھا اور جب اُس نے پلٹ کر مجھے سلام کیا تو ایکا ایکی میں یہ بھی نہ معلوم کرسکی کہ وہ کون ہے؟

پھر اُنھوں نے کہا "آپ نے مجھے نہیں پہچانا بیگم ہمایوں فر؟"

یہ کہہ کر وہ دھوپ میں سے ہٹکر میری طرف بڑھے۔ میں نے اِن کا چہرہ دیکھا اور میرا دل سینہ میں زور سے اُچھلا۔ اور میں خوشی سے ایسی بے قابو ہوئی کہ ذرا اور ضبط سے کام نہ لیتی تو اُن کے گلے میں باہیں ڈال کر خوب پیار کرتی۔ کیونکہ میرے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جسے میں خوب جانتی پہچانتی تھی۔ یہ مسٹر سلیم تھے۔ ابا کے قانونی مُشیر جنہیں میں نے صرف دو دفعہ پہلے دیکھا تھا پہلی دفعہ تو فردوس نگر میں جب وہ، ابا اور سر ہمایوں فر کے ساتھ وہاں آئے تھے اور دوسری دفعہ لندن میں میری شادی کے موقع پر، شاید ابا سے شادی ہی کے سلسلہ میں کچھ قانونی گفتگو کرنے آئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ سر ہمایوں فر نے اُس دن آنیکا وعدہ کیا تھا لیکن وہ نہیں آئے تھے۔ اور اس پر ابا اور مسٹر سلیم بہت برہم نظر آتے تھے۔

میں نے انہیں پہچانا تو ایک لمحہ کے لئے مجھے بیحد خوشی ہوئی اور میں نے اپنا ہاتھ اُنکی طرف بڑھا دیا۔ اُنہوں نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ لیکن دوسرے لمحہ میں میری خوشی کافور ہو چکی تھی۔ کیونکہ ان کا وہ سنجیدہ چہرہ جو بہت کچھ ظاہر کر سکتا تھا مہربانی اور رحم ظاہر کر رہا تھا۔ ایک دفعہ ہی مجھے خیال آیا کہ میں روتی رہی تھی اور میرے چہرے سے اس کے آثار نمایاں ہوں گے۔ اس احساس سے مجھے کچھ ایسی خفت ہوئی اور کچھ ایسی لی دی سی گئی کہ میری آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے یہ واقعہ اُس وقت ہوا جبکہ انہوں نے میرا ہاتھ ابھی نہیں چھوڑا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری انگلیاں خود بخود اُنکے ہاتھ کو اور بھی مضبوطی سے پکڑ رہی ہیں گویا اس بدبختی میں مجھے ایک دوست مل گیا تھا اور میں اُسے چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک منٹ کے بعد ہی میری حالت درست ہو گئی تھی اور میں نے معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ لنڈن میں ایک دوست سے اچانک مل کر مجھے بیحد تعجب اور مسرت ہوئی تھی۔

اُنہوں نے پھر مجھے سنجیدگی سے دیکھا۔ خدا جانے اُنکی عمر کیا ہے، ابا انہیں بہت چھوٹا ہی سمجھتے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ اُن کے والد ابھی حیات ہیں اور ملازم ہیں، اسلئے مسٹر سکیم کی عمر زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے مردوں کی عمر جانچنی نہیں آتی۔ عورتوں کی اور بات ہے۔ جب وہ صرف اپنے مُنہ دھوتی ہیں تو کم عمر ہوتی ہیں۔ جب پوڈر اور رنگ استعمال کرتی ہیں تو ادھیڑ عمر کی ہوتی ہیں اور جب اُن کے چہرہ پر جھرّیاں پڑ جاتی ہیں جو کسی طرح چھپائے نہیں چھپتیں تو وہ بڑھیاں ہوتی ہیں۔

مسٹر سلیم کے چہرے پر عجیب طرح کے خطوط ہیں۔ جب وہ خاموش رہتے ہیں تو یہ خطوط گہرے اور سخت ہوتے ہیں لیکن جب وہ باتیں کرتے ہیں تو ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہتا۔ اُن کی آنکھیں اس قدر رحم آمیز ہیں کہ میں نے تو آج تک ایسی آنکھیں کہیں اور دیکھی نہیں۔ ان پر عینک کے شیشوں کا ہلکا ہلکا سایہ پڑتا رہتا ہے تو جذبہ ترحم اور بھی چمک اُٹھتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عینک زیادہ عمر کی وجہ سے لگائی جاتی ہے مگر یہ غلط ہے۔ مسٹر سلیم عینک اس لئے لگاتے ہیں کہ اُن کی نظر کمزور ہے شاید اُن کی عمر تیس برس کی ہوگی۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ چالیس کے پیٹے میں نہیں ہیں۔ لوگ انہیں خوبصورت نہیں کہہ سکتے لیکن میں انہیں حسین سمجھتی ہوں کیونکہ وہ مجھ سے مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ اس قدر سنجیدہ اور بعض اوقات سخت لیکن میں محسوس کرتی ہوں اگر مجھ پر کبھی کوئی مصیبت پڑیگی تو صرف یہی ایک ایسے آدمی ہوں گے جو میری امداد کرینگے۔

میں یقین سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ اُن کا قد لمبا ہے یا میانہ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ رحم دل ہیں اور فطرتاً خاموش واقع ہوئے ہیں۔ اُنہیں اس قدر پسند کرتی ہوں کہ صرف اس احساس سے ہی کہ وہ اِس دُنیا میں ہیں مجھے ایک گونہ سکون خاطر حاصل ہوتا ہے۔

اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی واقعات میرے لئے بہت ہی ناہموار ہو جائیں تو کم از کم یہ تو سہارا ہے کہ میں سیدھی ان کے پاس چلی جاؤنگی اور سب کچھ کہہ سناؤنگی اور یہ میرے لئے اِس سے آسان ہوگا کہ میں اماں یا ابا سے یا کسی اور سے کہوں سنوں۔ مسٹر سلیم دنیا ایک نمونہ ہیں مطبی وکیل یا ڈاکٹر یا پادری کا جس سے بلاکم وکاست ہر بات کہدی جاتی ہے۔ جب کسی کو یہ احساس ہو کہ اُس کا دُنیا میں کوئی نہیں ہے اچانک اُسے ایک ایسی

ہستی مل جائے جس پر اعتماد کلی کیا جا سکے تو پھر اُس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے یہی حالت میری تھی۔ جب میں نے کہا کہ اُن سے مل کر مجھے بیحد خوشی ہوئی تھی تو انہوں نے اوروں کی طرح نہ تو دانت نکوسے اور نہ جھوٹے خوشامدانہ الفاظ استعمال کئے بلکہ مجھے غور سے دیکھا اور اُن کے چہرے پر سنجیدگی اور درشتی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ گو میں جانتی ہوں کہ یہ درشتی میرے لئے نہیں تھی۔

مجھے کچھ شرم آئی اور حجاب ہوا کہ اُن سے ملنے کی خوشی کا اظہار میں نے بہت بے تکلفی سے کیا کیونکہ درحقیقت میں ایک اور حالت کا اقرار کر رہی تھی۔ انہوں نے جواب میں کوئی معمولی سا فقرہ کہا اور خاموش ہو رہے۔ مجھے دیکھتے اور ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے۔ پھر میں نے اُن سے پوچھا "کیا آپ پیرس میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"جی نہیں" انہوں نے کہا "میں تو یہاں صرف سر ہمایوں سے ایک کام کے لئے ملنے آیا ہوں، نواب بلند اختر نے مجھے بھیجا ہے"

"ابا نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں۔ سر ہمایوں فر سے ملتے ہی دوسری گاڑی سے لندن واپس چلا جاؤں گا کیا لندن میں میں آپ کا کوئی کام کر سکتا ہوں؟" مسٹر سلیم نے پوچھا۔

میں نے اپنا سر ہلا کر کہا "نہیں۔ صرف ابا سے میرا اسلام عرض کر دیجئے۔ آپ تو اُن سے جاتے ہی ملیں گے نا؟"

"ہاں"

اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر میں نے جلدی سے کہا "آپ اُن سے میرے

متعلق کوئی بات ——— کوئی ایسی بات تو نہیں کہیں گے جس سے انہیں پریشانی ہو؟"

مسٹر سلیم کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

"مجھے ڈر ہے کہ میں اُن سے یہ نہ کہہ سکوں گا کہ آپ اتنی قدر صحت مند نہیں ہیں جتنا کہ آپ کو ہونا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں۔ مگر آپ نے مجھے آج ایسے موقع پر دیکھا ہے کہ صبح سے میرے سر میں سخت درد ہے۔ پیرس کی آب و ہوا مجھے راست نہیں آئی۔"

مسٹر سلیم نے کہا۔ "درست ہے۔ سر ہمایوں فر سے کہئے کہ وہ آپ کو یہاں سے کہیں اور لیجائیں۔"

مجھے خوف تھا کہ کہیں میں پھر اپنے دل کی بات ظاہر نہ کر دوں اور باوجود انتہائی کوشش کے شاید میں نے کچھ نہ کچھ ظاہر کر ہی دیا۔

"انہیں یہاں کچھ ضروری کام ہیں جن کی وجہ سے یہاں ٹھہرنا پڑ رہا ہے۔" یہ کہنے کے بعد ہی مجھے محسوس ہوا کہ میں نے غلط کہا۔ کیونکہ اگر وہ کسی ضروری کام سے یہاں رک رہے تھے تو انہیں آج صبح کو یہیں ہوٹل میں ہونا چاہیے تھا۔ اس لئے بات بنانے کیلئے کہا۔ "میرا مطلب یہاں سے یہ ہے کہ فرانس میں۔" مگر بات اور بھی گئی گذری ہوئی۔

یہ دیکھکر مجھے اور بھی تکلیف ہوئی کہ مسٹر سلیم نے قیاس سے اصل معاملہ معلوم کر لیا تھا۔ مجھے ایسی شرم آئی کہ میں نے مُنہ پھیر لیا اور شاید رو پڑتی مگر اُنہوں نے از راہِ مہربانی یہ ظاہر کیا کہ گویا جو کچھ میں نے کہا انہوں نے سچ تسلیم کر لیا "جی ہاں، درست ہے، لیکن اس قدر تنہا رہنا آپ کو بہت شاق گذرتا ہوگا۔ میں نواب بلند اختر سے کہوں گا کہ وہ کچھ دنوں کیلئے

آپ کے پاس ہو جائیں۔ آپ اسے پسند کریں گی نا؟"

جب انہوں نے یہ کہا تو میرا تصنع پھر سب غائب ہو گیا۔ یہ سنتے ہی میں اچھل پڑی اور اپنے ہاتھ ملکر کہنے لگی "کاش آپ انہیں یہاں آنے پر آمادہ کر دیں" لیکن فوراً ہی مجھے یاد آ گیا اور میں نے ہنسنے کی کوشش کی۔ میں جانتی تھی کہ اپنے قلبی تاثرات کو افشا کر رہی ہوں لیکن یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ انکا ظاہر کرنا کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ مسٹر سیلکم بھلے مانس اور وکیل تھے۔ انہیں سرہمایوں فر کے متعلق پہلے ہی سے معلوم ہو گا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں اور وہ اسی سے قیاس کر سکتے تھے کہ نتیجہ کیا نکلا ہو گا۔ اس کے علاوہ اباسے بھی انہیں یہاں کی کیفیت بیان کرنی تھی اس لئے ضروری تھا کہ انہیں صحیح واقعات کا علم ہو جائے۔ "صرف ایک ہی دن کیلئے آ جائیں میں بہت خوش ہوں گی۔"

پھر میں ہنسنے لگی اور سر ہلا کر کہا: "مگر وہ نہیں آئیں گے۔"

میں نے مسٹر سیلکم کی طرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور میں نے دیکھا کہ میری رائے سے انہیں بھی اتفاق تھا۔

"خیر میں ان سے کہونگا کہ انہیں یہاں آنا چاہئے۔" انہوں نے کچھ تیزی سے کہا۔

میں نے انکی تیزی کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ میں جانتی تھی کہ یہ تیزی میرے لئے نہیں تھی۔ پھر ایکا ایکی یہ محسوس کر کے کہ اُنسے باتیں چھپانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے میں نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا: "ان کے آنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ واقعات بہتر ہونے کے بجائے شاید اور بھی ابتر ہو جائیں۔"

مسٹر سیلکم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انہوں نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ دونوں کھڑکیوں کے آگے سے گردن جھکائے اور ہاتھ پس پشت رکھے گزر گئے۔ نظریں دری پر جمی ہوئی تھیں، ہونٹ بھینچے ہوئے اور تیوری پر سینکڑوں بل پڑے ہوئے تھے تو ان کا چہرہ

اس قدر سخت نظر آرہا تھا کہ اگر اُن پر اعتماد نہ ہوتا تو میں سر ہمایوں فر سے بھی زیادہ ان سے خائف ہو جاتی۔ ایک دم سے وہ بیچ کمرہ میں ٹھہر گئے۔ میں ایک آرام کرسی پر سیدھی بیٹھی تھی۔ وہ مجھے بخوبی دیکھ سکتے تھے کیونکہ اُن کی پیٹھ کھڑکیوں کی طرف تھی اور میرے چہرہ پر روشنی پڑ رہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا معاملہ ہو" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

میں نے بمشکل تمام اپنے آنسو ضبط کئے اور ایک چیخ کو روکا۔ انہوں نے سامنے دروازے کی طرف دیکھا اور میز کا سہارا لیکر کھڑے ہو گئے۔

"لیکن ہمیں اس میں بہتر سے بہتر صورت پیدا کرنی چاہیئے" انہوں نے کہا "آپ ایک بہت باہمت خاتون ہیں اور ہمیں چاہیئے کہ کم از کم مستقبل کی طرف سے مطمئن ہو جائیں"،

میں اُچھل کر کھڑی ہو گئی، کسی فوری جذبہ کے تحت، اور میز کے دوسرے سرے پر جھکتے ہوئے میں نے کہا "مسٹر ہیکم، انہوں نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی۔؟"

اپنی سنجیدگی اور سختی کے دوران میں انہوں نے میری طرف دیکھا اور مسکرائے گویا میں نے کوئی ہنسانیوالی بات کہی تھی۔

"اس کا سبب بتانے میں کہ کوئی آپ سے شادی کا خواہشمند کیوں ہوا غالباً کسی کو غور و فکر کرنے کی ضرورت نہ ہو گی" انہوں نے کچھ اس قدر اطمینان سے جواب دیا کہ گو مجھے فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا مطلب کیا تھا اس پر بھی انکا جواب خوشامدانہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے" میں نے کہا "کہ مجھ سے یکسر مختلف عورت اُن کے لئے زیادہ مناسب حال ہوتی۔ ایک ایسی عورت جو زیادہ بولتی اور مضحکہ خیز باتیں کرتی، اچھے کپڑے

پہنچتی اور —— آہ! مجھ سے بالکل ہی مختلف عورت۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مجھ پر مہربان نہیں، میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے یا مجھے تنگی ترشی سے رکھتے ہیں۔ نہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ میرے ساتھ رہنے سے کبھی کبھی اکتاتے ضرور ہوں گے۔"

مسٹر سلیم متعجب سے نظر آئے: "آپ بہت شرمیلی اور درگذر کرنے والی خاتون ہیں۔"

"جی ہاں!" میں نے کہا۔ "لیکن ——"

میں رُک گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بہت زیادہ دل کھول کر باتیں کر رہی ہوں۔ جو کچھ میرے دل میں تھا وہ مجھے نہیں کہنا چاہئے تھا۔ یہ کہ میں اِس سے بھی زیادہ درگذر کر سکتی ہوں —— سر ہمایوں فر کو زیادہ پسند کرنے لگوں۔

شاید اُنہوں نے میری مجبوری کو محسوس کر لیا یا اس خیال سے کہ میں کچھ کہتے کہتے رُک گئی تھی اور جز بز ہو رہی تھی اُنہوں نے کہا: "لیکن آپ کا تحفظ ضروری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ سر ہمایوں فر نواب بلند آختر سے کُھلم کُھلا جھگڑا مول لینے پر آمادہ نہ ہونگے۔"

"جھگڑا! نہیں جھگڑا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میرے خطوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے ابا کو اِن معاملات میں دخل دینا چاہئے۔"

مسٹر سلیم نے اپنا سر ہلایا: "نہیں، نہیں!" اُنہوں نے کہا: "اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ سر ہمایوں فر نے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا نہیں کیا ہے۔ بس!"

میں نے معاملہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے فوراً ہی کہا: "مجھے اُمید ہے کہ آپ یہاں اس لئے نہیں آئے ہونگے کہ اُن سے اس پر مُصر ہوں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ اس بات کا ذکر بھی نہ چھیڑا جائے۔ مجھے اُن کی فیاضی اور دریا دلی کی مطلق شکایت نہیں ہے۔"

"آپ کو فی الحال کوئی شکایت نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ آیندہ پیدا ہو جائے۔"
مسٹر سلیم نے قانونی لب لہجہ میں کہا۔ "آپ کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ بیگم ہمایوں فر۔"
میں نے جواب میں کچھ نہ کہا کیونکہ میں سمجھ رہی تھی کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ جب ابھی سے سر ہمایوں فر پر میرا قابو بہت کم ہے تو آیندہ اس کا بہت خدشہ تھا کہ بالکل ہی نہ رہیگا۔

لیکن اس حقیقت کے جان لینے کے باوجود میں نے اس کی کوئی پروا نہیں کی مجھے اس خیال ہی سے نفرت ہوتی تھی کہ کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ میرے اخراجات کا کفیل زبردستی بنے۔ پھر ایسی صورت میں کہ میں جانتی تھی کہ اُس شخص نے میرے لئے کثیر رقمیں ادا کی تھیں: میں اس ضمن میں کوئی بات سننی نہیں چاہتی تھی لیکن میں یہ بھی جانتی تھی کہ اگر سر ہمایوں فر سے گفت و شنید کی جائیگی تو مجھے بھی سب کچھ سننا پڑیگا۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ اس کا فیصلہ سر ہمایوں فر ہی پر چھوڑ دیا جائے" میں نے صدق دلی سے کہا۔

"لیکن آپ کی خواہش کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے" مسٹر سلیم نے کہا: "اور اس میں میری مرضی بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ مجھے یہاں ایک معاملہ طے کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور مجھے وہ معاملہ طے کرنا ہے اور اسکے ساتھ ہی میری رائے یہ ہے کہ معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت مناسب ہے۔ سر ہمایوں فر کی خواہش تھی کہ امرا میں شادی کر کے اپنی سماجی حیثیت کو فروغ دیں اور اب جبکہ وہ اس میں کامیاب ہو گئے ہیں تو انہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے جو عام طور سے ایسے رشتوں کا سبب ہوتا ہے!"

میں خاموش رہی۔ میری خانہ بربادی کے سلسلہ میں جو جو باتیں ہوئی تھیں میں اُنہیں اب وضاحت سے سمجھ رہی تھی، سر ہمایوں فر کسی خاندانی امیر لڑکی کے متلاشی تھے، مجھے اُنہوں نے اُس وقت دیکھا جب وہ جانتے تھے کہ ابا روپے پیسے سے بہت مجبور ہیں۔ اس طرح اُنہوں نے ابا کی رضامندی کو اُس روپیہ کی ادائیگی کی شرط بنا لیا جس کی اُنہیں ضرورت تھی، یقیناً ابا کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی لیکن میں جانتی تھی کہ یہ لالچ کتنا بُرا تھا۔ اور پھر ابا یا کوئی اور کیا جانتا تھا کہ شادی کے اسقدر قلیل عرصہ بعد ہی سر ہمایوں فر کا سلوک میرے ساتھ اتنا بُرا ہو جائیگا۔

جب میں نے خاموشی میں اس پر غور کیا اور اس کی ماہیت کو سمجھا تو ایک دم سے میں نے محسوس کیا کہ میری آنکھوں کے سامنے کہر سی چھا گئی اور ایک آنسو میرے رخسار پر سے ڈھلک کر میری گود میں گرا۔ اِسے دیکھکر میں چونکی اور مجھے خفّت ہوئی کہ مسٹر سلیم جن کی پشت روشنی کی طرف تھی مجھے بخوبی دیکھ سکتے ہیں اب تک میں نے دل کی کمزوری کو اُن پر ظاہر نہ ہونے دیا تھا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میری حالت بہت ہی قابل رحم ہو گی۔ کیونکہ جب مسٹر سلیم نے مجھے مخاطب کیا تو اُن کی آواز میں اس قدر شفقت تھی کہ گویا ابا، اماں اور دوا تینوں کی شفقتیں اس میں شامل تھیں۔

"غریب لڑکی! غریب لڑکی!" مسٹر سلیم نے ترحّم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ مجھ سے دو گز پرے کھڑے تھے۔ اور میں نے بے اختیاری میں اپنا ہاتھ اُنکی طرف بڑھا دیا۔ اُنہوں نے ایک قدم بڑھکر اسے اپنی گرفت میں لے لیا اور آہستہ آہستہ اٹھا کر اُسے

بوسہ دیا۔

میرا دل ممنونیت سے بھرا ہوا تھا۔ کیونکہ اُن کی آواز اور طرزِ عمل میں مہربانی، نرمی اور دوستی کی جھلک تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میں اُن پر اعتماد کر سکتی ہوں۔

ابھی اُنہوں نے میرا ہاتھ چھوڑا ہی تھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا اور سر ہمایوں فر داخل ہوئے۔

مسٹر سلیم مجھ سے دو گز پرے بالکل سیدھے کھڑے ہوئے تھے۔ چہرے پر وہی سنجیدگی اور خشکی تھی۔ میرا چہرہ آنسوؤں سے اب بھی گیلا تھا اور بہت غمزدہ نظر آ رہی تھی۔

سر ہمایوں فر ہاتھ میں گلاب کا ایک بڑا سا گلدستہ لئے سیٹی بجاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ مسٹر سلیم کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے اور غصہ سے اُن کو گھورنے لگے، پھر ناراضگی کی لہجہ میں بولے: "فرمایئے۔"

مسٹر سلیم نے مودبانہ سلام کیا اور کہا "آپ کو میرے آنے کی اطلاع ہو گئی ہوگی۔

سر ہمایوں فر؟ نواب بلند اختر نے آپ کو کل میرے ہی متعلق لکھا تھا!"

سر ہمایوں فر نے بغیر کوئی جواب دیئے پلٹ کر چھوٹی میز کی طرف دیکھا۔ جس پر اُن کے خطوط رکھے رہتے تھے۔ اُن کی تیوری پر سینکڑوں بل پڑے ہوئے تھے۔ میز پر خطوط کا انبار لگا ہوا تھا جن کے جوابات اُنہیں سکریٹری کی امداد سے دینے تھے۔

"شاید وہ خط اس میں ہے"، اُنہوں نے مجرمانہ بے توجہی سے کہا، "میں نے ابھی اپنے خطوط نہیں دیکھے، ضروری کاموں کی وجہ سے میں باہر گیا ہوا تھا۔ ابھی واپس آیا ہوں۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

مسٹر سلیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر مجھے خوشی سی ہوئی کیونکہ اسوقت سر ہمایوں فر

کے مقابلہ میں میری ہمدردی خواہ مخواہ مسٹر سلیم کے ساتھ تھی اور دل ہی دل میں انکی متانت وسنجیدگی کی تعریف کر رہی تھی جس میں سر ہمایوں فر کا حقارت آمیز سلوک کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکا تھا۔

میں اپنی کرسی سے اٹھی اور اپنی خوابگاہ کی طرف چلی، سر ہمایوں فر نے میرا تعاقب کیا اور دروازہ کھولتے ہوئے گلدستہ میرے ہاتھ میں دے کر مجھے بوسہ دیا۔ اِس اظہار محبت پر میں نے کچھ نہیں کہا۔ مگر دل میں ان کے لئے نفرت کا سمندر موجزن تھا۔ اُن کا یہ فعل گویا ابا کے قاصد کے لئے ایک چیلنج تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے دلدادہ ہیں اور کسی تیسرے شخص کے مزاحم ہونے کی ضرورت نہیں۔

ملاقاتی کمرے سے نکل کر میں اپنی خوابگاہ میں دروازے سے دُور جا بیٹھی تاکہ وہ گفتگو نہ سُن سکوں جواب دونوں میں ہونے والی تھی۔ میں تھر تھر کانپ رہی تھی کہ کوئی ناگوار صورت نہ پیدا ہو جائے۔

ان دونوں میں آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی تھیں اور میں نے کاغذوں کی کھڑ بڑاہٹ سُنی، پھر سر ہمایوں فر کی آواز تندی سے سُنائی دی اور میں نے جان لیا کہ وہ اظہارِ خفگی کر رہے ہیں۔ اس کے بعد مسٹر سلیم کی آواز سُنائی دی، مطمئن، خشک اور فیصلہ کُن آواز، اور پھر سر ہمایوں فر کی آواز سنائی دی، گویا بہت ناراض ہیں۔

"دیکھو جی! میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ وکیل اگر مجھ سے جو جی چاہے لکھوالیں"۔

میں نے محسوس کیا کہ گویا میں سانس بھی نہیں لے سکتی کیونکہ مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ مسٹر سلیم اُن سے میرے بارے میں اُلجھ رہے ہیں۔ اُس بُرے سلوک کی شکایت کر رہے

ہیں جو میرے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ میں جانتی تھی کہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ سر ہمایوں فر کے اور میرے تعلقات اور بھی کشیدہ ہو جائیں گے لیکن میں پھر بھی خوش تھی۔ یہ جان لینا ہی کہ ایک دوست میری امداد کے لئے کوشاں ہے۔ ایسا ہی روح افزا تھا جیسا کہ خوشگوار ہوا کا جھونکا۔

یہ سوچکر میرا جی رونے کو چاہا کہ ایک اجنبی میری خاطر مفت میں برا بن رہا تھا۔ میرے لئے مستقبل کو سنوار رہا تھا۔ میرے عزیز و اقارب، میرے والدین مجھ سے بے پروا تھے۔ آہ ابا! آہ اماں!!

اس کے بعد آوازیں پھر ہلکی پڑ گئیں اور میں صرف بولنے کی آواز سن سکتی تھی۔ لفظ کوئی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لیکن میں جانتی تھی کہ سر ہمایوں فر ناراض ہیں اور مسٹر سلیم اپنے مطالبہ پر اڑے ہوئے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی اور میں نے جان لیا کہ ملاقات اور گفتگو ختم ہو گئی۔

• کیا اس سے کچھ بہتری ہو گی؟ میں بار بار سوچ رہی تھی۔

مگر مجھے سوچنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ چائے کا وقت ہو چکا تھا اور کافی اس وجہ سے رکی ہوئی تھی کہ یہ ملاقات ختم ہو جائے۔ دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور سر ہمایوں فر نے مجھے ملاقاتی کمرے میں بلایا۔ میں وہاں گئی تو کاغذات وغیرہ سمیٹے جا چکے تھے اور مسٹر سلیم بھی جا چکے تھے۔

سر ہمایوں فر کا مزاج بہت بگڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے ان کا چہرہ اس قدر بگڑا ہوا

نظر نہ آیا تھا، وہ خاموش تھے، میں بھی خاموش رہی۔

اُن کے ہاتھ میں جو کاغذات تھے انہیں سرہمایوں نے فرادِ ہر اُدہر اُچھال دیا۔ کافی کی پیالی اِس بُری طرح اُلٹی کہ اگر میں اُن کے خوف سے سہمی ہوئی نہ ہوتی تو ہنستے ہنستے بے حال ہو جاتی۔ جب ہم کافی پی چکے اور دسترخوان اُٹھ گیا اور ملازم چلے گئے تو سر ہمایوں فرانگیٹھی کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے۔ اُن کی پیشانی پر بَل پڑے ہوئے تھے اور اِن کا چہرہ! آہ بیحد نفرت انگیز اور خوفناک تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تُم اپنے گھر والوں سے شکائتیں کرتی رہی ہو۔" انہوں نے سختی سے کہا۔ میرا سانس رُک رُک کر چل رہا تھا اور میں بات نہ کر سکتی تھی۔ میں نے سر ہلا کر کہا: "نہیں!"

اُنہوں نے مجھے تیوری چڑھا کر دیکھا گویا میرے کہے کا اُنہیں یقین نہیں تہا۔

"تم نے اُن سے آخر کہا کیا تھا جو اُنہوں نے اس —— وکیل کو یہاں چڑھا کر بیجا؟ اس سلیم کو؟ یہاں بیجا کہ فیصلہ کُن تحریریں مجھ سے لکھوائے۔ ایک دستاویز پر جس کا مسودہ اُنہوں نے تیار کیا ہے مجھ سے دستخط کرانے اُسے یہاں بہیجا۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ بغیر تمہارے کچھ کہے سُنے وہ اتنے جلدی مجھے پریشان کرنے کے لئے اُسے یہاں بہیجدیتے"

میں بھونچکی سی ہو گئی تھی۔ یہ خیال ہی کہ میں نے ابا اور اماں کو سر ہمایوں سے دستاویزیں لکھوانے پر مجبور کیا تھا بالکل لغو تھا۔

"میں قطعی نہیں جانتی کہ دستاویزیں کیسی ہیں؟" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج سے پہلے میں نے اُن کا کوئی تذکرہ بھی نہیں سُنا۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر سلیم نے

آپ سے یہ نہیں کہا ہو گا کہ میرے عندیہ سے وہ یہاں آتے ہیں؟"

وہ اب بھی میری طرف گھور رہے تھے۔

"اس نے مجھے دھمکی دی کہ میری بدسلوکی کا چرچا کرے گا۔ میری بدسلوکی بھلا اُسے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوں جب تک کہ خود تم نے ہی اس سے رونا نہ رویا ہو؟"

میں کچھ پریشان ہو کر اُن کی طرف گھور رہی تھی یقیناً مسٹر سلیم مجھے دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ میں خوش نہیں ہوں لیکن میں نے اپنے گھر والوں کو اس بدسلوکی سے مطلع نہیں کیا تھا۔

"شاید اُنہوں نے اس سے اندازہ لگا لیا ہو کہ میں اس قدر تنہا چھوڑ دی جاتی ہوں"۔ میں نے کہا۔ "وہ یہاں آپ سے ملنے آئے تھے اور یہاں یہ معلوم ہوا کہ آپ باہر گئے ہوئے ہیں اور اس سے پہلے بھی اکثر جا چکے ہیں میری سمجھ میں تو صرف یہی وجہ آتی ہے۔"

"کاروبار چھوڑا نہیں جا سکتا"۔ اُنہوں نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "اور تمہارے گھر والے اسے اپنے معاملہ میں خوب سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھو، یہ وہ وصیت نامہ ہے جس پر مجھ سے دستخط کرائے جا رہے ہیں اور یہ مسودہ ہے اُس دستاویز کا جس کی رُو سے تمہارے لئے مستقل مشاہرہ تجویز کیا جا رہا ہے، تمہارے لئے دو ہزار سالانہ طے کیا جا رہا ہے جس کا تم سے کوئی حساب نہ مانگا جائے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ تمہارے والدین اس دو ہزار کا حساب سمجھ لیں گے۔ اور پھر یہی مشاہرہ اُس صورت میں تمہیں ملتا رہے جبکہ میں تم سے پہلے مر جاؤں لیکن تم سمجھ رکھو میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ روپیہ جمع کر کے

کسی دوسرے شوہر کے اُڑانے کے لئے چھوڑ جاؤں ۔جب تک تم میرے ساتھ رہنا پسند کرو تم اپنی کل خواہشات پوری کر سکتی ہو لیکن میں کسی کے حکم سے دستاویز نہیں لکھونگا۔ میں اپنی آمدنی یا آمدنی کا کوئی حصہ اُن بھک منگے اور فقیر نواب اور نواب زادیوں کے لئے وقف نہیں کر سکتا جو میرے عطیات پر پہلے تو ٹوٹ کر گریں اور بعد میں وصیتیں اور دستاویزیں مرتب کراتے پھریں ۔ واللہ! وہ تو میرے پیچھے اس طرح لپکے جس طرح بھوکے بھیڑیئے اور پھر چمٹے تو ایسے چمٹے جیسے خون آشام جونکیں ۔ ایک وقت تو ٹیں بھی اور مسکرائیں بھی اُس وقت مجھ سے اچھا اُن کی نظر میں اور کوئی نہیں تھا۔ اب جبکہ اُنہوں نے وہ روپیہ اُڑا دیا ہے جو میں نے دیا تھا اُنہیں اور چاہیئے اور اور چاہیئے ۔ اور چونکہ اب وہ براہِ راست مجھ سے کچھ نہیں حاصل کر سکتے اس لئے اب وہ تمہاری وساطت سے چھینا چاہتے ہیں ۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہونگے ۔ میں اس سے پہلے انہیں جہنم میں پہونچا دوں گا!"

ہراس و یاس سے مجھے چکر سا آگیا ۔ اُنہوں نے میز پر زور سے ایک پُلندا کاغذوں کا پٹخا اور میری طرف گھورتے ہوئے اُن کاغذات کی طرف اشارہ کیا کہ ذرا انہیں دیکھو۔

میں نے اُنکے حکم کی تعمیل کی اور کرسی سے اٹھکر میز تک بدقت پہونچی ۔ کاغذات پر ایک نظر ڈالتے ہی معلوم ہو گیا کہ وصیت نامہ اور دستاویز دونوں مکمل ہیں ۔ صرف سر ہمایوں فر کے دستخطوں کیلئے جگہ خالی چھوٹی ہوئی تھی!

میں نے چند لفظ پڑھنے چاہے مگر میری آنکھیں دھندھلی ہو رہی تھیں ۔ اور اسکے علاوہ سر ہمایوں فر نے خود ہی جسقدر وضاحت کر دی تھی اُس سے زیادہ اور کیا معلوم ہوتا ۔ لیکن میں

کاغذات پر جُھکی رہی گویا میں پڑھ رہی تھی تاکہ اس بہانہ سے مجھے اپنی حالت سنبھالنے کا موقع مل جائے۔ ابا اور اماں کے بارے میں جسقدر رکیک الفاظ استعمال کئے گئے تھے اُن سے مجھے بیحد صدمہ ہو رہا تھا۔

جو کچھ سر ہمایوں فر نے اب کہا تھا ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی، مجھے اس سے پہلے بھی علم تھا کہ انہوں نے کچھ روپیہ اُنہیں دیا تھا اور اُنہوں نے بخوشی اُسے قبول کیا تھا اور میری شادی ہی اسی وجہ سے کی گئی تھی کہ سر ہمایوں فر کے پاس بیشمار دولت تھی، لیکن ان سب کا اعادہ ان مکروہ الفاظ میں اور پھر مجھ ناکردہ گناہگار کے سامنے، اس سے مجھے جتنا بھی صدمہ ہوتا کم تھا۔

آخر کار میں نے دبی زبان سے کہا "کیا ان پر دستخط کرانے کے لئے مسٹر سلیم آپ کے پاس آئے تھے؟"

"ہاں، لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوئے۔"

"آپنے تو غالباً شادی کرنے سے قبل ان پر دستخط کرنے کا وعدہ کر لیا تھا؟"

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا یہ فقرہ اُنہیں کس قدر ناگوار گذریگا، اُن کا چہرہ اور بھی زیادہ سُرخ ہوگیا۔

"میں اپنا ارادہ یا وعدہ پورا کر دیتا لیکن میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ مجھے اپنے وعدے پورے کرنے کیلئے اوروں کے تقاضے کی ضرورت ہو، جب میں نے وعدہ کر لیا تھا تو یہی کافی تھا اسکے بعد اسکی تکمیل میرے ایمان پر چھوڑ دینی چاہیے تھی۔"

"ہاں ٹھیک ہے" میں نے کہا۔

سر ہمایوں فر نے حقارت سے اپنا دایاں ہاتھ کاغذات کی طرف ہلا کر کہا۔ "بجائے

اسکے مجھے مجبور کیا جارہا ہے۔ مجھ پر اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا کہ میں اپنی بیوی کا انتظام خود کر جاؤنگا۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ میں بیگم ہمایوں فر کے اخراجات کا بندوبست نہیں کر سکتا۔ تمہیں اور تمہارے عزیزوں کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔"

میں ابتک میز پر اپنے ہاتھ ٹکائے جھکی ہوئی تھی کیونکہ کاغذات دیکھ رہی تھی۔ اب میں سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"آپ جانتے ہیں کہ ان کاغذات کے معاملہ میں میری مرضی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں روپے پیسے کے متعلق کچھ نہیں جانتی اور نہ میں نے آپ سے کبھی مالی مطالبہ کیا ہے۔"

"ہاں، یہ میں جانتا ہوں۔ مگر تمہارے عزیز واقارب ———"

میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "مجھے بہت افسوس ہے کہ مجھے کہنا پڑتا ہے۔ مگر آپ کو تو پہلے ہی سے معلوم ہوگا کہ اس شادی میں آپ کو بہت مالی زیر باری ہوگی؟"

"ہاں، شاید، مگر ———"

میں نے ایکبار پھر قطع کلام کیا "تو پھر آپنے ایک خطاب یافتہ نواب کی لڑکی سے شادی کرتے ہوئے یہ خیال کیسے کیا کہ سستے چھوٹ جائینگے؟"

"سستے! خدا غارت کرے، میں ———"

میرا دل بھی اب ان کی طرف سے سخت ہو چلا تھا اور ہمت عود کر آئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس معاملہ کو ابھی ختم کر دینا چاہئے۔ خواہ کچھ ہی کہنا پڑے۔ اسلیئے تیسری بار میں نے پھر انکی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ نے مجھے کبھی یہ خیال کرنے کا موقع نہیں دیا کہ میرے اخراجات کے آپ کفیل نہیں ہو سکتے۔"

"ہاں، تم پر میرا جو پیسہ خرچ ہوتا ہے اُسکا مجھے ملال نہیں ہے۔ لیکن تمہارے لواحقین پر جو خرچ ہوگا اسے میں گوارا نہیں کرونگا۔"

مجھے ان سے اسوقت ایسی نفرت ہو رہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جو تحقیر اسوقت میرے عزیزوں کی کی جا رہی تھی اُس پر خون کے سے گھونٹ پی پی کر چپ ہو رہی تھی۔ ان کا طرزِ عمل اسقدر وحشیانہ تھا کہ میں ان سے نفرت کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھتی ہوں۔

"اچھا تو آئندہ آپ جو کچھ بھی میرے اخراجات کیلئے دینگے تو یہ نہیں سمجھا جائیگا کہ میں نے آپ کو مجبور کرکے یا زبردستی آپسے کچھ حاصل کیا ہے۔ یہ کاغذات آپکے بیان کے مطابق آپ کو وہ رقم ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو آپ ادا کرنی نہیں چاہتے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ ادائیگی رقم کیلئے مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں اسلئے پسند کرتا ہوں کہ اس معاملہ کو میری فیاضی پر چھوڑ دیا جائے۔ تم اگر بجائے اپنے والدین کے مجھ پر اعتماد کروگی تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی۔"

"آپ کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ میں اپنے والدین سے زیادہ کسی اور پر اعتماد کر سکتی ہوں۔ وہ ہمیشہ میری بھلائی کا خیال رکھتے رہے ہیں۔"

"اور اپنی بھلائی کا بھی۔" سر ہمایوں فر نے کہا۔

میں نے انکے فقرے کو بغیر کوئی اہمیت دیتے اپنی گفتگو جاری رکھی۔

"اگر کبھی اُن سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میں سوائے اُن پر ترس کھانے کے اور کچھ نہیں

کر سکتی۔ خیر اب آیندہ آپکو ان لغو کاغذات کے بارے میں شکایت کی گنجائش نہ ہوگی۔ ان کا تعلق تو صرف مجھ سے اور آپ ہی سے ہے نا؟"

"ہاں بظاہر تو یہی ہے مگر ——————"

"اچھا تو پھر یہ دیکھیے۔ ان کا کوئی تذکرہ ہی نہ ہوگا کیونکہ انکا وجود ہی نہ ہوگا۔"

یہ کہکر میں نے کاغذات اٹھائے اور آتشدان کے پاس جاکر انہیں آگ میں جھونک دیا۔ سر ہمایوں فر پہلے تو تعجب اور خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "بہترین علاج جو ممکن ہو سکتا تھا" اُنہوں نے کچھ طنز اور کچھ حقارت سے کہا گویا میں اپنی بہتری کیلئے اور کوئی صورت نہیں نکال سکتی تھی۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ وہ خفیف بھی بہت ہوئے تھے کیونکہ گو انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور جب میں کمرے میں سے باہر جانے لگی تو انہوں نے روکا بھی نہیں لیکن اسکے باوجود بھی اُن کا طرزِ عمل اس واقعہ کے بعد زیادہ انسانیت کا تھا۔

مگر آج صبح کو جو کچھ اُنہوں نے کہا اُسکا ایک ایک لفظ میرے دل پر لکھا گیا۔ آج دن بھر سر ہمایوں فر سے اس طرح باتیں ہوئیں کہ گویا صبح کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ مگر اماں اور ابا کے بارے میں اُنہوں نے جو الفاظ کہے وہ بار بار میرے کانوں میں گونجتے تھے، مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ خواہ کچھ ہی کر لیں مگر انکی طرف سے میرے دل میں جو برائی بیٹھ چکی ہے کسی طرح نہیں نکل سکتی۔

ہم نے ابھی طعامِ شب ختم کیا ہے۔ وہ باہر گئے ہیں اور مجھے خطوط اور اپنا روزنامچہ لکھنے کی فرصت مل گئی ہے۔ صبح کی کوفت اور دن کی ذہنی اذیت سے میرا دماغ پراگندہ ہو گیا ہے۔ میں اسی پر غور کر رہی ہوں کہ مسٹر سلیم ابا سے کیا کہیں گے؟ خدا جانے اب اُن سے کب ملنا ہو۔ میرا مطلب مسٹر سلیم سے ہے۔ جلدی ہی۔ مجھے اُمید ہے۔

پیرس۔ ۱۰ر مارچ سنہ

مجھے یقین ہے کہ سرہمایوں فر اپنی اُس خفگی اور بدسلوکی پر نادم ہیں جو اُنہوں نے مسٹر سلیم اور میرے اعزا کے ساتھ روا رکھی اور اس کوشش میں ہیں کہ کس طرح صلح صفائی ہوجائے انہیں اپنے بُرے طرزِ عمل پر ایک گونہ ندامت ہے، مگر میرے دل میں اُن کی طرف سے کچھ ایسی بات بیٹھ گئی ہے کہ جہانتک ممکن ہوسکتا ہے میں ان سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں۔

آج اُنہوں نے مجھے بہت سے پھول اور مٹھائیاں بھیجیں اور ایک قیمتی دستبند خرید کر خود لائے اور میرے ہاتھ میں پہنا کر کہنے لگے "دیکھو، جب تم مجھ پر اعتماد کرتی ہو تو اس کے کتنے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر تمہارے اعزا مجھے وصیت نامے اور دستاویزیں لکھنے پر مجبور نہ کریں، جنہیں تم خود بھی پسند نہیں کرتیں، تو تم زیادہ فائدے میں رہو گی"

میں نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ دست بند کا شکریہ ادا کیا اور خاموش ہو رہی۔ مگر مجھے یہ پسند نہیں ہیں ۔ زیورات کے ساتھ میری ناخوشگوار شادی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے تحفے دیکر سرہمایوں فر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے ساتھ مہربانی سے پیش آرہے ہیں، حالانکہ وہ ایسی چیزیں مجھے اس لئے پہناتے ہیں کہ اس طرح انہیں خود خوشی حاصل ہوتی ہے۔

آج شب کو کھانے کے وقت میں نے اپنی شادی کے ہیرے پہنے اور سرہمایوں فر مجھے دورانِ طعام میں گھورتے رہے اور دل ہی دل میں خوش ہوتے رہے اور اُنکی مسرت سے بدن میں ایک مُرجھی سی بیٹھ گئی۔ میں جانتی ہوں کہ اُنہیں اس کا علم نہیں کہ مجھے ان ہیروں سے کس قدر نفرت ہے اور اُن کے پہننے سے میرا دم کس قدر گھُٹتا ہے۔ اور جب اُنہوں نے کہا کہ ہر شخص عورت کی پوری

تعریف اُس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اپنے ہیروں سے آراستہ ہوتی ہے تو میں کہتے کہتے رُک گئی کہ اس طرح اپنی تعریف کرانی مجھے پسند نہیں۔

ایسی زندگی سے مجھے نفرت ہے۔ گُڑیا کی طرح بننا سنورنا، اُس شخص کو خوش کرنے کے لئے جس سے مجھے نفرت ہے۔ بعض اوقات تو میں اس قدر دل برداشتہ ہوجاتی ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ کہیں بھاگ جاؤں۔ مگر بدقسمتی سے بھاگ کر کہیں جانے کا نہ تو کوئی ٹھکانا ہے اور نہ مقدور۔ میری خواہش ہو کہ سر ہمایوں فریہاں سے مانٹی کارلو چلیں تاکہ میں بھی وہاں کچھ روپیہ جیتوں۔

آج ابا کا خط آیا جو انہوں نے مسٹر سلیم سے ملتے ہی لکھا۔ وہ سر ہمایوں فر سے بہت خفا ہیں اور انہیں اتنا سخت سست لکھا تھا کہ میں نے اُس خط کو جلا ڈالنا ہی مناسب سمجھا۔

بھڑکتے ہوئے شعلوں پر تیل ڈالنے کی ضرورت نہیں، مجھے صنوبر پر اعتماد نہیں۔ کیا عجب کہ وہ میرے خط پڑھ کر سر ہمایوں فر سے کہدے۔ مجھے تو یہ محسوس ہونے لگا ہو کہ میں قیدی ہوں اور صنوبر میری محافظ ہے۔ جب کبھی میں اُسے کسی کام کے لئے بُلاتی ہوں تو وہ بے توجہی کا اظہار کرتی ہے اور میں نے اکثر اُسے دیکھا ہے کہ میری چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتی رہتی ہے، اس بہانے سے کہ شاید کوئی چیز اصلاح طلب ہو، مگر میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ اُس نے کوئی کام کیا ہو۔

ابا نے لکھا ہے کہ وہ میری بہبودی کے لئے بہت کچھ کرنے کے خواہشمند ہیں مگر میرے معاملات میں انہیں دخل دینا نہیں چاہئے۔ ان کا قول ہو کہ شادی کی زندگی بالعموم اجیرن ہوجاتی

ہے، صرف ایک چیز اس رشتہ کو خوشگوار بنا سکتی ہے اور وہ چیز پیسہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ
اگر میرے پاس روپیہ ہو تو اور سب دشواریاں رفتہ رفتہ جاتی رہیں گی، مگر انہیں ڈر صرف اس
بات کا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرہایوں فراتی دولت کے مالک نہ ہوں جتنی کہ اُن کے
پاس ہونے کا قیاس کیا جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاید ایک یا دو دن کے
لئے اماں پیرس آئیں مگر ابھی اس کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے۔

یقیناً اس کا تذکرہ میں کسی سے نہیں کروں گی۔

پیرس ۲۰ مارچ ۱۹۰۰ء

دو اہم دن گذر گئے۔

کل میں تھک کر چور ا ہو گئی تھی اس لئے میں نے سر کے درد کا بہانہ کر کے باہر جانے سے انکار کر دیا۔

ہم اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ ملازم نے آکر اطلاع دی کہ سر ہمایوں فر سے کوئی خاتون ملنے آئی ہیں۔ وہ مجھ سے معذرت کرتے ہوئے باہر گئے اور اُن کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ انکے خلاف مزاج کوئی بات ہے۔

میں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو ایک موٹر نظر آئی جس میں ایک عورت بیٹھی تھی۔ سر ہمایوں فر موٹر کے قریب پہونچے تو اُس نے اُنہیں موٹر میں بٹھالیا اور موٹر روانہ ہو گئی۔ میں اُس عورت کو پوری طرح نہ دیکھ سکی۔ صرف اتنا دیکھا کہ لباس بہت قیمتی تھا۔ گو مجھ میں رشک و حسد کا مادہ نہیں کیونکہ مجھے اُن سے محبت نہیں ہے تاہم سر ہمایوں فر کو یہ زیب نہ دیتا تھا کہ شادی کے اتنے جلدی بعد ہی وہ اور عورتوں سے اسقدر ربط ضبط قایم کر لیں۔

میں اس بات پر غور کر رہی تھی پھر مسٹر سلیم کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ دروازہ کھلا اور ملازم نے اطلاع دی کہ بیگم شہباز آتی ہیں۔

ایک لمحہ کے لئے تو میں ایسی لی دی سی گئی کہ اس فرضی نام کی وجہ سے اماں کو بھی پہچان نہ سکی۔ جب وہ اندر آئیں تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں بیہوش ہو رہی ہوں۔ میں دیکھ رہی تھی کہ اماں بدستور خوش نظر آرہی تھیں اور ہنس ہنسکر باتیں کر رہی تھیں مگر انکی پریشانی چھپائے نہ چھپتی تھی۔ جب وہ مجھے کھڑکی کے قریب لے گئیں اور مجھے غور سے دیکھا تو انکی آنکھوں میں

آنسو آ گئے اور انہوں نے مجھے دو تین دفعہ پیار کیا۔

"سرہمایوں فر کہاں ہیں ؟" انہوں نے خفگی کے لہجہ میں پوچھا۔

"کسی خاتون کے ساتھ موٹر میں گئے ہیں" نے سرد مہری سے جواب دیا۔

اُن کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور چہرہ سرخ ہو گیا مگر منہ سے کچھ نہ بولیں۔

میں نے اُن کے گلے میں باہیں ڈال کر ہلکی آواز میں کہا "اماں آپ نے کیسے ؟"

انہوں نے آنکھیں چرا کر کہا "کیسے کیا ؟"

"آپ جانتی ہیں میرا کیا مطلب ہے۔ آپ نے اس شخص سے میری شادی کیسے کر دی ؟ آپ کو ہر بات کا علم تھا اور جانتی تھیں کہ وہ کس مزاج کا آدمی ہے۔ آپ نے مجھے پہلے ہی سے آگاہ کیوں نہیں کیا ؟"

انہوں نے جلدی سے پلٹ کر کہا "اگر میں تم سے اس کا تذکرہ کرتی تو یہ رشتہ نہ ہوتا۔ لڑکیوں سے اس قسم کی باتیں نہیں کہی جاتیں ورنہ اچھی شادیاں نہیں ہو سکتیں"

میں کانپ اٹھی اب بھی وہ ایسے الفاظ اپنی زبان سے کیسے نکال رہی تھیں۔

"اچھی شادیاں !" میں نے نفرت سے اُن کے الفاظ دہرائے۔

انہوں نے میری طرف گھور کر دیکھا "ہاں اچھی شادیاں صرف ایک ہی قسم کی شادی بھی کہلائی جا سکتی ہے جو ناقابل برداشت نہیں ہوتی اور وہ روپے کے ساتھ شادی ہے۔ اس کا اقرار بہت تلخ ہے مگر حقائق سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ شادی بلکہ زندگی بھی بغیر روپے کے ناممکن ہو جاتی ہے"

"لیکن اگر میرا خیال اس کے خلاف ہو تو اس معاملہ میں مجھے بھی رائے دینے کا

حق حاصل تھا۔"

"نہیں، یہ ناممکن تھا۔ سرہمایوں فر کی طرح کے رشتے روز روز نہیں آیا کرتے۔ جب ایسے لوگ خود خواہش ظاہر کریں تو صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ انہیں قبول کرلیا جائے۔"

"اماں اماں۔ جب آپ کو معلوم تھا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں تو پھر ———"

انہوں نے خفگی سے پھر پلٹ کر کہا "مجھے کیا معلوم تھا وہ اس طرح تمہیں چھوڑ جائیگا اور ہمارے قانونی مُشیر کے ذریعے سے ہماری ہتک کرے گا۔ بقیہ حالات کے بارے میں میں نے اکثر روایات سُنی تھیں اور مسز نعیم کے بارے میں بھی۔"

"مسز نعیم کون؟"

"خیر اب اس کا ذکر کیا۔ گذشتہ را صلوٰۃ۔"

"مگر مجھے کچھ تو معلوم ہونا چاہیے۔"

اماں نے فوراً ہی بات کاٹ دی: "میری پیاری بچی! ہر بات جاننے کی کوشش مت کیا کرو۔ اس سے زیادہ بیوقوفی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ تاہل کی زندگی اطمینان سے گذارنے کے لیئے صرف ایک طرزِ عمل کارآمد ثابت ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نہ کچھ دیکھے نہ سنے اور نہ معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ ابتدا انہیں ضرور مشکل نظر آرہی ہوگی۔ لیکن بالآخر تم میری شکر گذار ہوگی کہ میں نے تمہارے لئے کیا کیا اور تمہیں کیا سکھایا۔"

میں شدید غصہ اور پریشانی سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"اگر یہ سب سچ ہے۔" میں نے کہا "اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ صرف روپیہ ہی ایک

ایسی چیز ہے جو درخورِ اعتنا ہے؟ اور تاہل کی زندگی گذارنے کی صورت ایک یہی ہے کہ نہ تو کوئی کچھ دیکھے اور نہ جاننے کی کوشش کرے تو پھر آپ نے بچپن ہی سے میرے دل میں یہ باتیں کیوں نہیں بٹھائیں؟ انہیں اب کیوں میرے ذہن نشین کیا جا رہا ہے"؟

اماں سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ پہلی دفعہ میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں خوب جانتی تھی کہ اب تک وہ خواہ مخواہ کے جواب دیتی رہی تھیں۔ اُنہیں اس کا احساس تھا کہ میری شادی کے نتائج اُن کی توقع کے خلاف نکلے۔ سر ہمایوں فر کی طرف سے اُنہیں اس سلوک کا خطرہ نہیں تھا جو کہ میرے ساتھ اب کیا جا رہا تھا۔ اماں کی باتیں مجھے بہت ناگوار گذر رہی تھیں اور میں چاہتی تھی کہ وہ میرے ساتھ نرمی، مہربانی اور محبت سے پیش آئیں۔ میں یہ چاہتی تھی کہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے وہ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اس زندگی کو کیسے برداشت کروں جو بجائے خوشگوار ہونے کے اجیرن ہوتی جا رہی تھی۔

چند منٹ تک ہم دونوں بالکل خاموش رہے۔ پھر اُنہوں نے محبت سے مجھے پیار کیا۔

"تم جانتی ہو بیٹی کہ والدین اپنے بچوں کی پرورش جیسی کچھ بھی کر سکتے ہیں کرتے ہیں۔ اُن کی خوشی کے لئے اپنی خوشی قربان کر دیتے ہیں، ان کی راحت کے لئے اپنا آرام کھو دیتے ہیں، مگر جب وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً روپیہ ہی متاہل زندگی کو خوشگوار بنا سکتا ہے۔ اور پھر جب کسی لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے تو اس زندگی کو بہترین طریقہ پر گذارنے کی کوشش کرنی چاہیئے"۔

"اماں میں نے اب تک اس کی انتہائی کوشش کی مگر اب نہیں کر سکتی۔ جب آپ یہاں سے واپس جائینگی، تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی"۔

اماں کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"نہیں، نہیں، نہیں نہیں!"۔ انہوں نے جلدی سے گھبرا کر کہا۔ "اگر مجھے اس کا شبہ بھی ہوتا تو میں یہاں نہ آتی!"

میں نے کہا "میں تو آس لگائے بیٹھی تھی کہ آپ اسی لئے آئی ہیں کہ مجھے اپنے ساتھ لیجائیں گی!"

"نہیں، نہیں، اس کا تو تمہیں خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہئے!"

"بہت اچھا۔ اگر آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گی تو میں خود چلی جاؤں گی میں اب اسے برداشت نہیں کر سکتی، سر ہمایوں فر کو میری پروا نہیں ہے۔ مجھے اسکا بھی چنداں خیال نہیں۔ بلکہ میں چاہتی ہوں کہ وہ بے توجہی کریں۔ لیکن وہ اسی کے ساتھ مجھے ذلیل و رسوا بھی کرتے ہیں۔ یہ ذلت و رسوائی ہی ہے کہ اُن عورتوں کی خاطر مجھ سے دُور دُور رہتے ہیں اور پھر اس کا بھی لحاظ نہیں رکھتے کہ مجھے اُن کی ان حرکتوں کا علم نہ ہو اور میری ہی آنکھوں کے سامنے ایسی باتیں نہ ہوں!"

اماں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔ شاید انہوں نے محسوس کیا کہ اب میں وہی آسانی سے ٹلنے والی لڑکی نہیں رہی تھی جیسی کہ شادی سے پہلے تھی۔

انہوں نے اپنا خوبصورت سفید ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور تھپکتے ہوئے کہا "خاموش، خاموش، بیٹی۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو ہرگز تمہارا منشا نہیں ہے۔ تمہاری تربیت اس سے بہت اعلیٰ ہوئی ہے اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ ایسی باتیں کہو۔ خواہ کچھ ہی ہو جائے اس رشتے کو نبھانا ضروری ہے!"

"خواہ کچھ ہی ہو جائے!"

"کم از کم اُس وقت تک جب تک کہ تمہارے والدین اسے مناسب سمجھیں، اگر سر ہمایوں فر اسی طرح بد سلوکی کرتے رہے تو پھر یہ نامناسب نہ ہو گا کہ تم ہم سے ملنے آؤ۔ مگر اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ ہو سکتا ہے کہ...... سر ہمایوں فر اس قدر شائستہ مزاج نہ ہوں جس قدر کہ ان سے توقع کی جا سکتی ہے مگر اس میں شک نہیں بہت اچھے دل کے آدمی ہیں اور جب میں اُن سے معاملہ کی گفتگو کروں گی۔ ——"

میں نے ایک قہقہہ لگا کر اماں کی بات کاٹ دی۔ مجھے معلوم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ گویا مجھ سے کسی نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ وہ سر ہمایوں فر کو ہنس ہنس کر بہلائیں گی، خوشامدانہ خفگی کا اظہار کریں گی اور وہ یقیناً ان سے اچھی طرح پیش آئیں گے۔ اور اُن سے کسی بات کا انکار نہ کریں گے۔ پھر خود مطمئن ہو کر چلی جائیں گی اور انہیں اس آرزو میں چھوڑ جائیں گی کہ کاش بیٹی بھی ماں کی طرح چالاک اور دل نواز ہوتی۔ ——"

میں نے اُن کی بات کاٹی تو انہوں نے گھور کر میری طرف دیکھا۔

"خیر تو ہے؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں اماں!" میں نے کہا "لیکن میں سر ہمایوں فر کو آپ سے بہتر جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ خواہ کچھ ہی اُن سے کہیں سنیں، میرے ساتھ جو بد سلوکی روا رکھی جاتی ہے اس میں فرق نہ آئیگا۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کچھ متنفر سی نظر آئیں، سر ہمایوں فر سے نہیں بلکہ مجھ سے کہ میں انکی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم بہت ہی ضدی ہو" انہوں نے کچھ خفگی سے کہا۔

"نہیں اماں بہت ناخوش اور شاید ایسی ہی رہوں گی"

"نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم لے گوارا نہیں کر سکتے کہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کی جائے تم بے صبری بہت ہو۔ سب میاں بیویوں کا قاعدہ ہے کہ باہمی موانست کیلئے وقت درکار ہوتا ہے"

"سر ہمایوں فر کے مزاج سے واقف ہونے کے لئے ایک صدی چاہیئے۔ اماں کیا آپ نہیں دیکھتیں کہ ایسا شخص جو اوباش و آوارہ مزاج ہو صرف ایک بیوی پر اکتفا کر سکتا ہے؟"

اماں کے منہ سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی۔ میں نے آج تک کسی کو اسقدر خوف زدہ نہیں دیکھا۔

وہ مجھے خوف سے تکتی رہیں۔

"کیا یہ میری وہی بچی ہے۔ میری ننھی جسے میں اب ایسی خوفناک باتیں کرتے سن رہی ہوں؟"

جی ہاں" میں نے کہا۔" اور مجھے افسوس ہے اگر آپ مجھ سے خائف ہیں۔ یہ تو حد درجہ لغو ہے کہ آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اچھی بات سننے سے خوف زدہ ہو رہی ہیں۔ اب جبکہ میں بڑی ہو چکی ہوں اور میری شادی کر دی گئی ہے مجھ سے یہ توقع رکھنی بالکل غلط ہے کہ میں اب بھی ویسی ہی مطیع و بے زبان لڑکی بنی رہوں گی۔ مجھ سے بقول آپ کے یہ نہیں ہو سکتا کہ دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھوں اور سنتے ہوئے بھی نہ سنوں۔ مجھے ایک بے مزہ

اور تکلیف وہ زندگی گذارنی پڑ رہی ہے اور اگر آپ مجھے اس سے نجات دلانے کی کوشش نہیں کریں گی تو مجبوراً خود مجھے اپنی نجات تلاش کرنی پڑے گی۔"

بات بہت بڑھ رہی تھی کیونکہ میں جو کچھ کہہ رہی تھی محض سنانے کیلئے نہیں کہہ رہی تھی میں سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی، اور اس قدر کہ اگر کرسی کا سہارا نہ ہوتا تو شاید مجھے کھڑا بھی نہ ہوا جاتا۔ مگر اماں جو بہت چالاک ہیں، میری طرف لپکیں اور مجھے خوب پیار کر کے کہنے لگیں: "تم بہت بھولی بھالی اور بیوقوف لڑکی ہو اور چند ماہ بعد خود اپنی باتوں پر ہنسو گی کہ اس قدر سادہ لوحی کی باتیں تمہارے منہ سے کیسے نکل گئیں۔"

جب وہ کہہ چکیں تو میں نے کہا: "دیکھئے اماں۔ آپ کو واقعات سے پوری طرح آگاہی نہیں ہے ورنہ آپ مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرتیں۔"

اس کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ وہ ابھی ابھی کسی عورت کے ساتھ چلے گئے تھے اور ان چیزوں کا ذکر بھی ان سے کیا جو غلطی سے ایکٹریس کے بجائے مجھے پہونچ گئی تھیں۔

اس پر انہیں بہت غصہ آیا اور بولیں "انکی اسقدر بے توجہی ناقابلِ درگذر ہے۔"

اب میں نے ان سے پوچھا: "اب بھی آپ سمجھیں کہ میں انکے ساتھ کیوں نہیں رہ سکتی؟"

اماں نے سر ہلا کر کہا: "انہیں تمہارے ساتھ بہتر سلوک کرنا پڑے گا۔ سر ہمایوں فر سوسائٹی میں بڑھنا چاہتے تھے اس لئے وہ ایک اونچے گھرانے میں شادی کرنی چاہتے تھے، اب جبکہ ان کی مراد بر آئی ہے انہیں ہمارا مطالبہ پورا کرنا پڑیگا۔ میں ان سے کہونگی بلکہ انہیں جتا دوں گی کہ اگر وہ تمہارے ساتھ اس طرح نہ پیش آئیں گے جیسا کہ انہیں نواب بلند اختر کی لڑکی سے پیش آنا چاہئے تو ہمیں مجبوراً علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی۔ غالباً

وہ اس صورت کو پسند نہیں کریں گے ۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں بلکہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے چلیں!" میں نے رو کر کہا۔ "مجھے اُن سے نفرت ہے اماں اور رہے گی ۔"

"مگر اس سے پہلے تو یہ بات نہیں تھی ؟"

"کب ؟ جب میں اُن سے پہلے پہل ملی تھی ؟ نہیں ۔ وہ میرے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے اور مہربانی کا سلوک کرتے تھے مگر مجھے اُس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ شادی کا نتیجہ کیا ہوگا ، آپ کا فرض تھا کہ آپ مجھے اس سے آگاہ کرتیں ۔ اُس صورت میں مجھے معلوم ہو جاتا کہ میں سر ہمایوں فرکی بیوی کبھی نہیں بن سکتی ۔"

"تمہاری طبیعت رفتہ رفتہ اِس کی عادی بن جائے گی ۔"

"کبھی نہیں ، کبھی نہیں ، کبھی نہیں ۔"

"پیاری بچی یہ ممکن ہے ۔ ایسا ضرور ہوگا ۔ تم عورت ہو اور تمہیں اپنی قسمت کا لکھا پورا کرنا پڑے گا ۔ اس سے بچ کر بھاگنے کی کوشش بے سود ہوگی ۔"

"آہ اماں آپ نے ایسے آدمی سے شادی کی جس سے آپ کو محبت تھی ۔"

"ہاں ، مگر بالآخر نتیجہ ایک ہی ہے ۔ تمہارے ابا زیادہ تر شہر سے باہر رہتے ہیں اور میں شہر میں ، خوشگواری میں یہ بھی جدائی ہے ۔"

"آہ اماں !"

"خاموش بیٹی ۔ نادانی کی حرکتیں مت کرو ۔ تمہیں اب یہ باتیں معلوم ہو جانی چاہئیں ، بہت کم شادیاں خوشگوار ثابت ہوتی ہیں ، اکثر میں ایک خلیج نمودار ہو جاتی ہے پھر اگر دونوں

میاں بیوی تربیت یافتہ ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ اپنا اپنا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اگر وہ بیوقوف ہوتے ہیں تو جھگڑا ہوتا ہے اور پھر پے درپے لڑائیاں ہوتی ہیں یہانتک کہ بدنامی و رسوائی ہوتی ہے اور جگ ہنسائی ہوتی ہے۔"

یہ سُنکر کہ ابا اور اماں جن سے مجھے دُنیا بھر میں سب سے زیادہ محبت تھی ان میں بھی اتفاق نہ تھا، حالانکہ یہ سمجھتی تھی کہ اُن سے زیادہ خوش اور کوئی ہے ہی نہیں، میں خوف سے کانپنے لگی اور اس کا احساس ہوتے ہی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ دُنیا جسے میں جنت خیال کرتی تھی ایک دم سے جہنم بن گئی۔

میں جلدی سے بیٹھ گئی۔ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ میرے پیروں تلے زمین کھسکتی معلوم ہورہی تھی۔ اب میں آرام کہاں تلاش کروں؟ کس کا سہارا ڈھونڈوں جبکہ وہ لوگ جن پر مجھے اعتمادِ کلی تھا اس طرح ناکامیاب ثابت ہوئے۔

تھوڑی دیر تک ہم دونوں بالکل خاموش رہے۔ اماں بے چینی سے قریب کی کھڑکی کے پاس جاکر باہر جھانکنے لگیں اور میں اپنے ہاتھ پر جھکی ہوئی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

کچھ توقف کے بعد وہ میرے قریب آئیں اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہنے لگیں "بیٹی تم مجھے بے رحم مت سمجھنا۔ مگر یقین جاننا میں سب کچھ جانتی ہوں اور سب کچھ پہچانتی ہوں اور مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ یہ بات تمہارے علم میں اس طرح یکایک آگئی۔

دیر سویر مرد ایک سے ہی ــــــــــ"

"بعض مرد سب نہیں" میں نے جلدی سے کہا۔ "مجھے اس کا یقین ہے کہ سب مرد سہیر ہمایوں فر جیسے نہیں ہوتے۔"

میں نے کچھ اس قدر وثوق سے کہا کہ اماں نے مجھے غور سے دیکھا۔

"وہ کون سے مرد ہیں جو مختلف ہوتے ہیں؟" اماں نے پوچھا۔

میرے ذہن میں اس وقت دو نام تھے مگر میں نے اس وقت انکا تذکرہ مناسب نہ سمجھا۔ سر ہمایوں فر کی طرح یقیناً افضل کسی عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا۔ اور مسٹر سلیم کے بارے میں بھی مجھے اتنا ہی یقین ہے۔

"ایسے بہت سے ہونگے" میں نے کہا۔

"شاید تمہارے دل میں کسی کا نام ہو جو سب سے مختلف ہو" اماں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا سر ہلا کر کہا "اس کا تو مجھے یقین ہے کہ سر ہمایوں فر کلیۃً نہیں ہیں بلکہ استثنا ہیں"

"امراء میں وہ قطعاً استثنا نہیں ہیں" اماں نے خاموشی سے کہا "تم ابھی بچہ ہو اور تم نے دُنیا نہیں دیکھی ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتیں کہ روپیہ لوگوں کو کس قدر بگاڑ دیتا ہے' وہ شخص جس کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے بگڑ جاتا ہے ہر شخص اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور اس کا دماغ خراب کرتا ہے۔ روپیہ پیسہ سے علیحدہ وہ اپنی صحیح حیثیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ صرف روپیہ ہی روپیہ رہ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص اُسے نہیں دیکھتا بلکہ اُس کے روپے کو دیکھتا ہے"

"مگر میں نے تو کبھی اس کی خواہش نہیں کی" میں نے کہا۔ "مجھے روپے کی ضرورت نہیں تھی"

"یقیناً نہیں تھی۔ کیونکہ ہم نے اس کا خیال رکھا تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت محسوس نہ

بچوں کو روپے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر عورت کو بہت روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے تمہارے لئے یہ انتظام کیا تھا کہ روپیہ تمہارے پاس پہلے ہی سے آجائے۔ سنو جب ایک سال گذر جائے گا اور واقعات بدستور رہے یعنی سرہمایوں فراگر اپنا روپیہ ضائع نہ کریں تو تم خوش اور مطمئن ہوگی۔ اس عرصہ میں وہ تمہاری قدر و منزلت کو اچھی طرح سمجھ لیں گے اور تم بھی اُن کے مزاج سے آشنا ہو جاؤ گی۔ اس کے علاوہ تم اپنے مشاغل خود تلاش کر لوگی اور ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے تمہارے پاس روپیہ ہوگا تم جتنی آزادی چاہو گی سرہمایوں فرخوشی دیں گے۔ تم میرا یقین کرو معاملات خود بخود ہموار ہو جائیں گے۔ عموماً ابتدا ہی میں ناچاقیاں پیدا ہوتی ہیں اور اچھے رشتوں میں خصوصاً زیادہ ہوتی ہیں!!

"اچھے رشتوں میں! تو پھر آپ کو یہ تسلیم ہے کہ بعض رشتے اچھے بھی ہوتے ہیں!" میں نے کہا۔

اپنی غلطی پر اس طرح ٹوکے جانے پر وہ خفیف سی ہوئیں، پھر کچھ ترش روئی سے فوراً ہی بولیں "ہاں مجھے یوں کہنا چاہئے تھا کہ نام نہاد اچھے رشتوں میں۔ اب اپنی آپا ہی کو دیکھ لو نا!"

خاتون آپا کو؟"

"ہاں۔ دیکھ لو، اپنے فرائض سے روگردانی اور خودسری کی وجہ سے اُنھوں نے کس قدر ناگوار صورتیں پیدا کر لی ہیں، خوش ہونے کی موہوم اُمید میں اُنھوں نے کیسی کیسی پریشانیاں اُٹھائی ہیں۔ گویا روپے بغیر بھی کوئی اس دُنیا میں خوش رہ سکتا ہے!"

میرا گلا خشک ہو گیا۔

"انہوں نے کیا کیا؟" میں نے پوچھا۔

اماں نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا گویا وہ میرے دل کی کیفیت دیکھ رہی تھیں اور میں نے جان لیا کہ بجائے صحیح واقعات بیان کرنے کے وہ کوئی خوفناک اخلاقی کمزوری کی طرف اشارہ کریں گی۔

"انہوں نے کیا کیا؟ ہم نے انکی شادی ایک خوش مزاج آدمی سے کی تھی جس کا مذاق تمہارے ابا اور خود خاتون کے مذاق کے مطابق تھا۔ اُسے گھوڑوں اور ہر قسم کے کھیلوں کا شوق تھا اور پھر وہ دولتمند تھا۔"

"مگر وہ تو بڈھے تھے نا؟"

"ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خاتون سے بڑے تھے۔ اُس وقت وہ تمہاری ہی عمر کی ہوں گی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ہم اُس کی شادی کسی بچے سے کر دیتے۔"

"اچھا تو پھر انہوں نے کیا کیا؟"

بجائے اس کے کہ اتنے اچھے رشتے پر شاکر ہوتی وہ ایک اور شخص کی محبت میں مبتلا ہو گئی۔ پھر بجائے اس کے کہ اس قسم کے لغو خیالات کو دل سے نکال دیتی اُس نے انہیں اور بھی بڑھایا یہاں تک کہ بالآخر اس کے شوہر نے اُسے طلاق دیدی۔ بدنامی ہوئی سو الگ اور ساری عمر کے لئے کسی کو منہ دکھانے کے لایق نہ رہی۔"

"لیکن نواب ذوالفقار نے اُن سے شادی کر لی؟"

"ہاں مگر وہ مفلس ہے اور ہمیشہ ہاتھ تنگ رہتا ہے جس کی وجہ سے حسب مرضی کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ آئے دن جوتیوں میں دال بٹتی ہے۔ میں نے سنا ہے انکی زندگی بہت ہی

بدمزگی سے گذر رہی ہے۔"

"آپ یہ کیوں کہتی ہیں کہ "میں نے سُنا ہے؟" کیا آپ خاتون آپا سے خود نہیں ملتیں؟"

اماں کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"نہیں۔ وہ لندن کبھی نہیں آتی۔ اُس کے پاس اتنا روپیہ ہے ہی نہیں کہ لندن میں آئے۔ شمالی انگلستان میں وہ خاموش زندگی گزار رہی ہے۔ ایک دوسرے سے متنفر۔ ایک دوسرے کے لئے وبالِ جان۔"

مجھے اماں کے بیان میں شبہ ہوا کہ وہ مبالغہ آمیزی کر رہی ہیں اور میں نے سوچا کہ خاتون آپا سے اگر میں خود دریافت کروں تو کیا وہ بھی یہی کہیں گی جو اماں نے کہا؟ میں نے ایکدم سے اماں سے انکا پتہ پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں!" اُنہوں نے جواب دیا۔ "اس کی غلط کاریوں کی وجہ سے اس سے سب کھنچ گئے ہیں اور اُسے اپنے کئے کو تکوں کی سزا مل رہی ہے۔"

"اگر وہ ایک ایسے شوہر کا گھر چھوڑ کر بھاگ گئیں جس سے وہ شادی کرنی ہی نہیں چاہتی تھیں تو آپ اُن کے اس فعل کو معیوب کیوں قرار دیتی ہیں؟" میں نے ہمت کرکے کہا۔

اماں نے مجھے ٹیڑھی ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھا۔

"اپنے شوہر کو چھوڑ کر بھاگ جانا معیوب ہے خواہ اس سے محبت ہو یا نہ ہو۔" انہوں نے سختی سے کہا۔ "مجھے تم سے یہ سنکر سخت تعجب ہوا کہ اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے۔"

"جی ہاں، میں اس سے انکار کرتی ہوں۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی لڑکی خود اپنے لئے شوہر منتخب کرلے تو اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ اس کے لئے ساتھ رہنے پر مجبور ہے لیکن اگر

کوئی اور اس کے لئے شوہر منتخب کرے اور وہ نکلے ایسا آدمی کہ کوئی لڑکی بھی اُس سے محبّت تو کیا اس کا احترام کرنا بھی پسند نہ کرے تو ایسی صورت میں اس کا بھاگ جانا کیسے معیوب سمجھا جا سکتا ہے "!

"کیا! کسی اور کے ساتھ فرار ہو جانا؟" اماں نے گھبرا کر پوچھا۔

میں نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ ایسا ناگوار سوال میرے لئے اب تک پیدا نہیں ہوا تھا لیکن میں نے اس کی اہمیت کو سمجھ کر جواب دیا۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ اگر کوئی عورت ایک ایسے شوہر کو جس سے اُسے محبّت نہیں ہے چھوڑ کر ایک ایسے شخص کے ساتھ چلی جائے جس سے اُسے محبّت ہے تو یہ اتنے عیب کی بات نہیں ہے جتنی کہ والدین کی یہ حرکت کہ وہ ایک ایسی لڑکی کی شادی کر دیں جو یہ بھی نہ جانتی ہو کہ شادی کسے کہتے ہیں اور پھر یہ جانتے ہوئے کہ اُس شخص میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کہ لڑکی کو خوش رکھ سکے گا "!

بجائے اس کے کہ اماں اس بحث کو سنجیدگی سے طے کرتیں کچھ بے چین سی ہو گئیں۔

"مردوں کے بارے میں یہ تمام گفتگو بیحد نفرت انگیز ہے۔ اس کا سوال ہی نہیں کہ شادی میں مرد کی حیثیت کیا ہونی چاہئے۔ مجھے اس کا اعادہ وثوق سے کرنا پڑتا ہے کہ سوال صرف دولت کا ہے "!

میں اُچھل پڑی۔

"اور فرض کیجئے کہ اگر سرہمایوں فرائیے دولتمند نہ ہوں جتنا کہ آپ اُنہیں سمجھتی ہیں تو؟"

اماں کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"یہ حد درجہ خوفناک ہو گا" انہوں نے گھبرا کر کہا اور میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ جو بدسلوکی اور بدمعاملگی کی گئی تھی اس کے مقابلہ میں میرے اس کہنے نے اماں کے دل میں زیادہ خطرہ پیدا کر دیا۔ "مگر مجھے یقین ہے کہ تم نے کوئی بات نہیں سنی ہوگی جس سے تم نے یہ اندیشہ ظاہر کیا؟"

انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر غور سے مجھے دیکھا۔

"یہ تو عجیب بات ہے کہ جب روپیہ انکے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو دو ہزار سالانہ کی رقم میرے نام کرنے پر انہیں بہت زیادہ رقم معلوم ہوتی ہے" میں نے کہا۔

اماں کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا اور ان کا چہرہ لمبا اور ضعیف نظر آنے لگا۔ مجھے اپنی بات پر بڑا پچھتاوا آیا۔

"خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے انکی دولت کا اندازہ لگایا جائے" میں نے جلدی سے بات بنائی مگر ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ سنکر وہ سوچ میں پڑ گئیں تھیں۔ ہم زیادہ گفتگو نہ کر سکے کیونکہ اسی وقت سر ہمایوں فر آ گئے۔

اگر اماں کی غیر معمولی ہمت اس وقت ساتھ نہ دیتی تو بڑی ناگوار صورت پیدا ہو جاتی سر ہمایوں فر کو معلوم نہیں تھا کہ اماں آئی ہوئی ہیں۔ انہیں دیکھکر سر ہمایوں فر نے اس قدر بری طرح گھورا کہ اگر اور کوئی ہوتا تو بدحواس ہو جاتا۔ مگر اماں نے ایسی باتیں بنائیں اور مسکرا کر ان کے بازو سے بیٹھیں کہ گویا کوئی بات ہی نہیں تھی۔ پھر اس قدر اعتماد اور محبت سے

اُن سے باتیں شروع کیں کہ میں نے محسوس کیا کہ میں خواہ مخواہ بیٹھی ہوئی ہوں اور میری موجودگی ایک زبردستی کے اجنبی کی سی ہے اور بس۔ جب میں نے دیکھا کہ دونوں باتوں میں ایسے محو ہو گئے کہ انہیں میرا خیال تک نہیں آتا۔ اور اماں نے صرف یہ کہا کہ میری صحت کچھ اچھی نہیں ہے اور سرہمایوں فر نے جواب دیا کہ موسم کا اثر ہے تو میں کمرہ سے باہر چلی آئی۔

مجھے غصہ اور تعجب تھا کہ یہ جان کر بھی کہ وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے رہے تھے اماں نے سرہمایوں فر کو آدھی بات بھی نہ کہی۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید میری موجودگی کی وجہ سے وہ کچھ نہیں کہہ رہیں اور میرے چلے جانے کے بعد بیٹی کی حمایت میں کہنا سُننا شروع کریں گی۔ لیکن بہت دیر کے بعد جس کے دوران میں ان دونوں کے ہنسنے کی آواز اکثر سنائی دی سرہمایوں فر جب میرے پاس آئے تو مجھ سے پوچھا کہ تم سیر کو چلو گی یا نہیں؟ تو میں نے محسوس کیا کہ اماں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی تھی جس سے انکا مزاج بگڑتا۔

مجھے غصہ آ رہا تھا اور میرے احساسات مجروح ہو رہے تھے۔ لیکن اُس وقت موقع نہیں تھا کہ میں اماں سے گفت و شنید کرتی کیونکہ صرف تین منٹ میں مجھے کپڑے پہن کر تیار ہونا تھا۔ ایک بات البتہ میں نے محسوس کی اور وہ یہ کہ جب صنوبر مجھے کپڑے پہنانے آئی تو زیادہ تمیز سے پیش آئی اور میں سمجھ گئی کہ یہ فرق اماں کے آنے کی وجہ سے رُونما ہوا تھا

سارا دن اسی طرح گزرا۔ اماں سرہمایوں فر سے اُسی خوش مزاجی سے پیش آ رہی تھیں اور مجھے نظر انداز کر رہی تھیں، صرف کبھی کبھی مجھ پر خفا ہوتی تھیں کہ تم بشاش کیوں نظر نہیں آتیں۔ یا کہتیں کہ میری موجودگی میں تم بہتر ٹوپیاں کیوں نہیں خریدتیں۔

سر ہمایوں فر نے انکی اس بات کو پکڑا۔

"یہی تو میں بھی ان سے کہتا ہوں" انہوں نے کہا۔ "ان میں اسٹائیل کی کمی ہے۔ جتنی چیزیں میں نے ان کے لئے خریدیں ہیں اگر ان میں سے آدھی بھی یہ پہنیں تو دگنی خوبصورت نظر آئیں۔ عورت خواہ کتنی ہی خوبصورت ہو مگر حسن کے بہترین مظاہرہ کے لئے لباسوں کی امداد ضروری ہے"

میں بددلی سے کہنے ہی والی تھی کہ مجھے نمایشِ حسن کی آرزو نہیں ہے کہ اماں بول پڑیں اور سر ہمایوں فر کی تائید کرنے لگیں۔

"مگر آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیے سر ہمایوں فر کہ ابھی یہ بہت کم عمر ہیں اور عموماً بڑی عمر کی عورتیں ہی جانتی ہیں کہ اپنا مظاہرہ بہترین طریقہ پر کس طرح کریں"

دن بھر ایسی ہی باتیں ہوتی رہیں۔ اماں نے سر ہمایوں فر کے کسی قول و فعل کی شکایت نہیں کی بلکہ اور خوشامدانہ باتیں کر کر کے انہیں خوش کرتی رہیں اور ان کے مذاق و آراء کی داد دیتی رہیں۔ میری ذرا ذرا سی باتوں پر اظہار خفگی کرتی رہیں اور سر ہمایوں فر کی حمایت میں بولتی رہیں۔ غصہ سے نہیں بلکہ مسکرا مسکرا کر اور گردن کو ہلکا سا خم دے کر میرے چہرے کو دیکھتیں۔ یہاں تک کہ میں رونجھی ہو کر ادھر چپکی ہو گئی اور بڑی مشکل سے میں نے اپنے آنسو روکے۔

دن بھی قیامت کا دن ہو گیا تھا کہ کسی طرح شام ہی نہ ہوتی تھی۔ اماں کے ہونے کی وجہ سے مجھے بولنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ سر ہمایوں فر کی خوشنودی کے لئے مجھے بننے کی ضرورت تھی کیونکہ اماں ان فرائض کو بڑی خوبی سے انجام دے رہی تھیں۔

انہوں نے سر ہمایوں فر سے بات بنائی کہ وہ پیرس اس وجہ سے آئی تھیں کہ انہیں

اپنے کچھ لباس سلوانے تھے مگر دن بھر تو ہمارے ساتھ سامان خریدتی رہیں اور شام کو تماشہ میں گئیں۔ اس دوران میں انہوں نے سر ہمایوں فر کو بہت خوش رکھا اور انہوں نے جو ٹوپیاں اور لباس اپنے لئے خریدے تھے شاید ان کی قیمت سر ہمایوں فر نے ہی ادا کی۔

رات کو جب اماں مجھ سے رخصت ہونے آئیں تو میں تھک کر چور ہو چکی تھی۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ سر ہمایوں فر سے میرے تعلقات سنوارنے میں انہوں نے انتہائی کوشش کی تھی اور آئندہ شکایات پیدا نہ ہوں گی۔

میں نے جل کر کہا" اماں! میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ نے سوائے مجھ پر خفا ہونے اور سر ہمایوں فر کی خوشامد کرنے کے اور کچھ نہیں کیا"

اماں نے پُراسرار طور پر مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"ہاں بیٹی میں تم پر خفا ہوئی اور اُن کی خوشامد کرتی رہی کیونکہ انہیں ہموار کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا۔ اب ایک ہفتہ بعد تم مجھے لکھنا، تم یقیناً مجھے اچھی اچھی اطلاعیں دو گی!"

انہیں صرف یہی کہنا تھا اور جب اسٹیشن پر انہوں نے مجھے پیار کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے دل کے بوجھ میں مطلق کمی نہ آئی تھی۔

لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اماں نے ٹھیک کہا اور کیا کیونکہ جب ہم ہوٹل میں واپس آئے تو سر ہمایوں فر نے مجھ سے کہا کہ کل صبح ہم پیرس سے نائس چلے جائیں گے۔

میں بہت ہی خوش ہوں اگر میں کسی بات سے خوش ہو سکتی ہوں تو۔

مگر آہ! مجھے بہت ہی ناگوار گذر رہا ہے اور میں ایسا سمجھنے پر مجبور ہوں کہ اماں نے اتنے اہم معاملہ کو اسقدر سکون سے کیسے برداشت کر لیا اور میرے دل میں یہ خیال چھوڑ گئیں کہ دُنیا میں میرا کوئی دوست نہیں ہے۔

نالیس ۲۲ مارچ سنہ ء

اماں جتنا چالاک بننا بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ دو دن ہوئے جب وہ پیرس سے واپس گئیں تو رنج و غصہ سے میرا بُرا حال تھا کہ سوائے چند نئی ٹوپیاں، جدید ملبوسات اور کچھ روپیہ مسٹر ہمایوں فر سے حاصل کر لینے کے اُنھوں نے اور کچھ نہیں کیا لیکن انکے جانیکے بعد چھوٹی چھوٹی باتوں سے میں نے محسوس کیا کہ میرے سکون و آرام کیلئے انہوں نے ضرور خاصی محنت سے معاملات کو سنوارا ہو گا۔ پھر اس کی بھی احتیاط رکھی کہ مجھے کسی بات کا علم نہ ہو کہ اُنہوں نے کیا کیا تدبیریں کیں، ہر بات چھپائی اور اگر کچھ بتایا بھی تو صرف اسقدر کہ حصولِ مقصد کے لئے خوشامد سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔

اماں نے مسٹر ہمایوں فر کی بہت خوشامد کی ہو گی۔ خدا جانے اُنہوں نے کس بات کی خوشامد کی۔ میں اگر سارے دن بھی کوشش کرتی ہوں تب بھی ان کی خوشامد نہیں کر سکتی۔

سب سے پہلے تو یہ ہوا کہ مجھے اس خوفناک صنوبر سے نجات مل گئی۔ غالباً یہ اماں ہی کی کارستانی تھی۔ پرسوں رات کو جب اماں چلی گئیں تھیں اور میں اپنا روزنامچہ لکھ چکی تھی تو مسٹر ہمایوں فر نے اُسے بلایا اور برابر والے کمرے میں ان دونوں کی زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ جب میں سونے لیٹی تو صنوبر آئی اسکا چہرہ غصہ میں تمتما رہا تھا اور اس نے کچھ خفگی سے کہا "میں کل صبح چلی جاؤنگی۔"

وہ چاہتی تھی کہ میں اس سے پوچھ گچھ کروں مگر میں خاموش رہی اور صرف اتنا کہا "اچھا!" وہ اپنی خفگی کا اظہار گفتگو سے نہ کر سکی اسلئے جب میرے بال کھولنے لگی تو بس یہی کر سکی کہ انہیں

کھینچ کھینچ کر مجھے تکلیف پہونچاتی رہی اور آئینہ میں میں نے دیکھا کہ انکی آنکھیں غضب آلود تھیں۔

جب سے اماں گئیں تھیں سرہمایوں فر چُپ چُپ تھے کبھی کبھی اماں کی تعریف کرتے تھے اور شاید ان کی باتوں پر غور کر رہے تھے۔

صنوبر میرے بال کھول چکی تو سرہمایوں فر کمرے میں آئے اور انہیں دیکھتے ہی مارے غصہ کے صنوبر کی حالت خراب ہوگئی۔

"تم جا سکتی ہو صنوبر،" انہوں نے بغیر اسکی طرف دیکھے ہوئے کہا۔

"جی ہاں میں جانتی ہوں کہ میں جا سکتی ہوں" اس نے تڑق کر کہا اور باہر چلی گئی۔

میں نے اپنی کرسی کا رخ سرہمایوں فر کی طرف پھیرا اور وہ ایک کرسی قریب گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ اور میرے ہیر پن سے میز کو کھٹکھٹاتے رہے۔

"تم چونکہ اس عورت کو پسند نہیں کرتیں اسلئے میں نے اسے نکال دیا ہے"

انہوں نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ" میں نے کہا "مجھے اس سے بہت مسرت ہوئی میں اسے مطلق پسند نہیں کرتی۔ وہ بہت بد دماغ ہے اس کے علاوہ وہ میرا کوئی کام نہیں کرتی"

"بہت اچھا۔ تمہاری اماں ایک اور ملازمہ تمہارے لئے تلاش کر کے بھیجیں گی۔ اتنے وہ آئے کیا تم صنوبر کو رکھ سکتی ہو؟"

"جی نہیں، میں تو اسے رکھنا پسند نہیں کرتی تاہم جیسی آپ کی مرضی ہو مجھے اس میں کوئی عذر نہ ہوگا"

"اچھا تو تم اُسے اپنے ساتھ نا آئیں لیتی جاؤ کیونکہ بغیر کسی ملازمہ کے تمہیں سفر میں تکلیف ہوگی"

"جی نہیں میرے لئے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔" میں نے قطع کلام کر کے کہا۔

اُنہوں نے میری طرف دیکھکر کہا۔ "بیگم ہمایوں بغیر کم از کم ایک ملازمہ کے سفر نہیں کر سکتیں۔" اُنہوں نے کہا۔ "کم از کم ایک" پر میں چونک پڑی۔ اس قسم کی دو چار اور اگر میرے ساتھ رہیں تو میرا کیا حشر ہو؟ لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا اسلئے انہوں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"مجھے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ تمہیں متاہل زندگی سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر اُنہوں نے توقف کیا مگر میں ساکت بیٹھی رہی کہ دیکھیے اور کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے جلدی سے میری طرف دیکھ کر کہا۔

تم سمجھ گئی ہو گی کہ میرا مطلب کیا ہے۔" میں نے خاموشی سے اپنا سر اور جھکا لیا۔ "تم نے مجھ پر اعتماد کر کے خود مجھ سے کیوں نہیں کہا، اور دوسروں کی زبان سے ایسی باتیں سننا نہایت افسوس ناک امر ہے۔"

میرا چہرہ شرم سے سُرخ ہو رہا تھا۔ میں نے اپنا سر اور جھکا لیا اور خاموش رہی۔

"میرے خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ تمہاری حق تلفی کروں۔ ہاں اس کا اندیشہ مجھے ضرور تھا کہ مجھ پر بے پروائی کا الزام لگایا جائیگا۔ کیونکہ مجھے مجبوراً تم سے اکثر علیحدہ رہنا پڑتا ہے۔"

سر ہمایوں فر کی آواز میں خفگی کی جھلک تھی۔ غالباً اماں نے اپنے مخصوص شاطرانہ انداز میں ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ میری طرف سے جدائی کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے وہ خائف

اور صلح جُو تھے۔

"مجھے اس کا یقین ہے کہ آپ مجھ سے بے پروائی نہیں کر رہے تھے!" میں نے اماں کا طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے خوش مزاجی سے کہا مگر میں نے محسوس کیا میری آواز میں خوف کی کپکپی تھی اور اماں کی سی شیرینی نہیں تھی۔

"جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں تم نے مجھ سے بلا واسطہ کبھی اپنی شکایتیں بیان نہیں کیں، اور دونکی مداخلت مجھے کسی طرح گوارا نہیں، خیر اب اس کا فیصلہ یہ ہے کہ بیگم ہمایوں فر اپنے ہر فعل میں آزاد ہیں اور جو انکے جی میں آئے کریں۔ آپ نے میری بیوی بنکر میری بہت عزت افزائی فرمائی" یہ کہہ کر انہوں نے مجھے خفگی آمیز حقارت سے دیکھا، "میں بلاشبہ آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ آیندہ ہم جہاں کہیں بھی جائیں گے تمہارا کمرہ جُدا ہوگا اور میں یقین دلاتا ہوں کہ آیندہ تمہیں کسی قسم کی شکایت نہ ہوگی!"

"میں نے کسی سے شکایت نہیں کی" میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ اپنی کرسی سے آہستہ آہستہ اُٹھے اور تمسخر آمیز انداز میں جھک کر شب بخیر کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

میں نہیں کہہ سکتی کہ اس مختصر سی ملاقات نے میرے دل پر سے بوجھ کم کر دیا یا ہمیں اور اضافہ کر دیا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ جہاں اماں نے میرے لئے بہت کچھ مفید پیش بندیاں کر دی تھیں وہاں چند مُضر باتیں بھی پیدا کر دیں جنکا ثبوت سر ہمایوں فر کی طنزیہ گفتگو سے ملتا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو، اماں کے آنے سے میرا فائدہ ضرور ہوا۔ ہم پیرس سے جا رہے تھے جہاں سر ہمایوں کے لئے اکثر دلکش عورتیں تھیں، اور رشتو برسے میرا پیچھا چھوٹ رہا تھا

چھوٹنے والا تھا۔ اور ان سب سے زیادہ یہ کہ مجھے آزادی دیدی گئی تھی اور اب میں ہر فعل میں خودمختاری برت سکی تھی۔

میرہمایوں فرکو میں نے کل صبح تک پھر نہیں دیکھا۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ انکی بات بات سے طنز ٹپکتا تھا گو بظاہر وہ نہایت شرافت سے پیش آتے تھے۔ لیکن میرے خاندان اور افراد خاندان کا ذکر ہمیشہ طعن و تشنیع سے کرتے تھے انکی چالاکی کا بار بار اعادہ کرتے تھے۔

میں دیکھ رہی تھی کہ وہ میرے خاندان والوں کی تضحیک ہر پیرایہ میں کرتے تھے۔ مگر چونکہ اس معاملہ میں میں شامل نہیں تھی۔ اسلئے خود اپنی نظر میں مجھے خفیف یا ذلیل ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

چونکہ ہمیں بہت سویرے روانہ ہونا تھا۔ اس لئے انہیں اسکا زیادہ موقع نہ ملا کہ مجھے طرح طرح سے کچو کے دیتے۔

میں نے اس سفر کا خوب لطف اٹھایا۔ کیونکہ تقریباً سارا وقت تنہائی میں گذرا۔ میں کھڑکی میں سے جھانکتی رہی اور مناظر قدرت کا لطف اٹھاتی رہی یہاں تک کہ ہر چیز تاریکی میں پوشیدہ ہو گئی۔

جب ہم برنس ہوٹل میں پہنچے تو بہت رات آ چکی تھی۔ رات کو نیند بہت زور کی آئی اور جب صبح آنکھ کھلی تو دس بج چکے تھے۔

صنوبر کا منحوس چہرہ نظر نہیں آیا۔ اسلئے میں نے خود ہی کپڑے پہن لئے اور بال بھی بنا لئے اور اب مجھے معلوم ہوا کہ میرے صندوق جو کمرۂ لباس میں رکھے تھے ابھی تک کھولے نہیں گئے۔

رات کو ہم اتنی دیر سے یہاں آئے اور میں اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ لیٹتے ہی سو گئی۔ صنوبر صندوقوں کو کھول رہی تھی جو چُنگی والوں نے روک لیئے تھے۔ مگر سرہمایوں فر کی فیاضی سے چُنگی میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو تمام صندوق اُلٹ پلٹ پڑے ہیں اور کچھ کپڑے ان میں سے نکالے بھی گئے ہیں مگر نہ معلوم کہاں رکھے گئے ہیں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایک آبی رنگ کا کارچوبی قیمتی جوڑا تھا جس میں سمور ٹنکا ہوا تھا۔ یہ جوڑا سرہمایوں فر نے بطور تحفۂ شادی مجھے دیا تھا۔ وہ غائب تھا۔ ایک ٹوپی جو پیرس میں خریدی تھی جسمیں شترمرغ کے سبز رنگ کے پر لگے ہوئے تھے ندارد تھی۔ میرے دل میں ایک شبہ سا پیدا ہوا اور میں نے اپنے صندوقچہ کو کھولا جسمیں میرے زیورات رکھے تھے کچھ گہنے میں اماں کے پاس چھوڑ آئی تھی، کیونکہ انہوں نے کہا تھا ایسے مقامات میں بہت چور رہوتے ہیں۔ ایک خوشنما بازوبند جسمیں ایک ہیروں کے گردے میں بڑا سا نیلم جڑا ہوا تھا لاپتہ تھا۔ ایک الماس کا کلپ بھی غائب تھا۔ میں سمجھ گئی تھی کہ یہ کس کی کارستانی ہے۔ صندوقوں کو احتیاط سے بند کر کے میں ناشتہ کے لئے کمرہ طعام میں آئی پہلی چیز جس نے میرے دل پر اثر کیا وہ منظر تھا جو کھڑکی میں سے دکھائی دیتا تھا۔ میں نے نائس کے مناظر اور نیلے سمندر کی تعریف اکثر سنی تھی۔ لیکن اس قدر خوشنما اور عجیب چیز کا تخیل بھی میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ میں خوشی سے مغلوب ہو کر اس منظر کو بہت دیر تک کھڑی دیکھتی رہی۔

سرہمایوں فر کمرے میں آئے تو میری خود فراموشی دور ہوئی جب اُنہوں نے اُسی طنزیہ پیرایہ میں مجھے صبح بخیر کہا اور ہاتھ ملا کر پیار کیا تو میں نے اُن سے پوچھا " کیا

صنوبر چلی گئی۔"

اُنھوں نے کچھ عجیب نظر سے میری طرف دیکھ کر کہا" ہاں شاید وہ چلی گئی ہوگی اسکی تنخواہ دیدی گئی ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ وہ چلی گئی ہے۔" میں نے خشک آواز میں کہا" اور میرا وہ آبی جوڑا جو آپ نے مجھے دیا تھا اور پیرس کی ٹوپی اور نیلم کا بازوبند یہ ساری چیزیں بھی گئیں۔"

سرہمایوں فر غصہ سے بے حال ہو گئے، پہلے پہل تو انہوں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ مگر جب انہیں میں نے اپنے صندوق دکھائے اور بتایا کہ چیزیں کیسی اُلٹ پلٹ پڑی ہیں تو انہوں نے دشنام دہی کے بعد کہا کہ" یہ کام جنگلی والوں کا ہے۔ اور کھوئی ہوئی چیزیں انکے اچھوں سے واپس لیجائیں گی۔"؟

میں نے کوئی جواب نہیں دیا مجھے یقین تھا کہ جنگلی والے خواہ کتنے ہی بے ایمان ہوں انہیں اتنا وقت اور موقع نہیں ملا تھا کہ میرے سارے ٹرنک اس طرح کھنگال ڈالتے اور میرا صندوقچہ بھی کھول لیتے اور پھر ایسی صورت میں کہ خود سرہمایوں فر سر پر کھڑے نگرانی کررہے ہوں۔

میں نے انکی تردید کرنی مناسب نہ سمجھی اور جب میں نے صندوقوں کا تفصیلی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ایک گلابی ریشم کا جوڑا اور کم ہے اور چھوٹی موٹی چیزیں اور بھی غائب ہیں، ان کا تذکرہ تو اب ہمایوں فر سے کرنا میں نے لاحاصل سمجھا۔

صبحکو ہم سیر کرنے نکلے اور شہر کی خوشنمائی سے میں بیحد مسرور ہوئی۔ پھر حسب دستور خوشی کو ملیامیٹ کرنیوالے واقعات رُونما ہوئے۔ سفید خوشنما لباس میں ایک عورت نظر

آئی۔ سر پہ کالی بڑی سی ٹوپی تھی سر ہمایوں فر کی نظر اس پر پڑتی تھی کہ اس نے مسکرا کر جنبشِ سر سے سلام کیا، یہ عورت نہایت حسین تھی لیکن مجھے اس کا چہرہ پسند نہیں آیا اس کے چہرہ پر شیطینت کی جھلک تھی، اس میں کچھ ایسی خصوصیت تھی کہ میری نظر میں بدکار عورتوں کی سب تصویریں یکے بعد دیگرے پھر گئیں۔ سر ہمایوں فر عجلت سے مجھے ہوٹل لیکئے اور میں اس عورت کو بغور نہ دیکھ سکی۔

میری طبیعت پر متنفر گرانی طاری ہو رہی تھی مگر سر ہمایوں فر سے گفت وشنید بیکار تھی۔ باقی سارا دن میں نے اپنے کمرے میں تن تنہا گذارا کیونکہ سر ہمایوں فر مجھے ہوٹل پہنچاتے ہی فوراً پھر چلے گئے تھے۔

شام کو وہ واپس آئے اور کھانا کھاتے ہی مجھے ریل میں مانٹی کارلو لیگئے۔ تاکہ جوئے خانہ میں جوئے کا تماشہ دیکھیں۔

میں کمروں میں ٹھیک سے داخل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ میں نے ایک آبی رنگ کا جوڑا دیکھا جو میرا جانا پہچانا تھا۔ میں ایسی ششدر رہی رہ گئی کہ منہ سے آدھی بات بھی نہ نکلی۔ مگر میری نظر اسی پر جمی رہی یہانتک کہ ہم اسکے قریب پہونچ گئے۔ اور میں نے اسکے چہرے کی ایک جھلک دیکھی۔

میرا شبہ ٹھیک تھا، وہ صنوبر ہی تھی۔

"دیکھئے!" میں نے سر ہمایوں فر سے کہا۔ "صنوبر وہ رہی اور میرا آبی جوڑا پہنے ہوئے ہے۔ اسی نے میری چیزیں چرائی ہیں۔"

میرے تعجب و نفرت کی کوئی حد نہیں رہی جب اُنہوں نے اسکی طرف ایک نظر دیکھا

اور مجھے جلدی جلدی دوسری طرف لے گئے۔

"وہ تمہارا جوڑا نہیں ہے۔" انہوں نے کہا "اور وہ صنوبر بھی نہیں ہے کوئی اور عورت ہے جو صنوبر سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور جوڑا بھی تمہارے جوڑے سے بہت مشابہ ہے۔"

میں تعجب سے ان کا منہ تک رہی تھی۔

"آپ یقیناً اس لباس کو پہچانتے ہونگے۔ اس طرح کا دوسرا جوڑا کہیں نہیں ہے۔"

اس پر وہ بگڑنے لگے اور کہنے لگے "لغو باتیں منہ سے مت نکالو اس قسم کے سینکڑوں جوڑے موجود ہیں"۔ مگر میں دیکھ رہی تھی کہ وہ بہت سٹ پٹائے ہوئے ہیں اور بہت جلدی مجھے وہاں سے لے آئے۔ اتنی جلدی کہ مجھے قسمت آزمائی کا موقعہ بھی ندیا۔

ہم سویرے ہی سے ہوٹل واپس آگئے اور مسٹر ہمایوں فر اس قدر برہم نظر آرہے تھے کہ میں نے سارے راستے اُن سے کوئی بات نہیں کی۔

یہ انکشاف نہایت ناگوار تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے یہ عورت روزانہ نارگس یا مانٹی کارلو میں میرے ہی کپڑے پہنے نظر آتی رہے۔

نارِس ۔ ۲۳ مارچ ستنہ

آج کا دن کیسا خوشگوار ہے اور میرا دل کس قدر مسرور ہے! ہر چیز بدلی ہوئی اور زیادہ حسین نظر آتی ہے ۔ سر ہمایوں فر جاہے جتنا مجھے تنہا چھوڑیں میں خوش ہوں۔

مجھے معلوم نہیں سر ہمایوں فر صنوبر سے ملے یا اُسے کوئی خط لکھا یا پیغام بھیجا۔ لیکن آج جب اُنہوں نے مانٹی کارلو چلنے اور قسمت آزمائی کرنے کی دعوت دی تو میں نے کہا کہ وہاں جانا نہیں چاہتی ۔ اس پر اُنہوں نے فوراً ہی کہا ۔

"اگر تم اس وجہ سے وہاں جانا نہیں چاہتیں کہ وہ عورت تمہیں نظر آئے گی جو بقول تمہارے، تمہارے کپڑے پہنے ہوئے تھی تو تم مطمئن رہو وہ وہاں نہ ہوگی ۔"

اسلئے میں نے اپنی رائے بدل دی اور ہم تیسرے پہر کو جوئے خانہ میں پہونچ گئے ۔ سر ہمایوں فر نے بتایا کہ اگر ہم جلدی سے وہاں پہونچ جائیں گے تو بیٹھنے کی جگہ مل جائیگی ورنہ کھڑا رہنا پڑے گا ۔ ابتدا میں میں صرف دیکھتی رہی اور سر ہمایوں فر میرے برابر بیٹھے ہم دونوں کی طرف سے کھیلتے رہے ، اس طرح کہ جس پر وہ کہتے میں داؤ لگادیتی میری طرف سے بھی رقم وہ خود ہی لگا رہے تھے کیونکہ میرے پاس ذاتی رقم کہاں تھی؟ چاندی سونے کے چھوٹے چھوٹے سے ڈھیر دیکھکر میری طبیعت للچانے لگی اور جب یہ ڈھیر کسی اور کے حصہ میں آجاتے تھے تو میرا دل خون ہو جاتا تھا ۔

میں نے پہلے کبھی روپے کی پرواہ نہیں کی مگر اب اس کی تعریف میرے کانوں میں اس قدر بس گئی ہے کہ اپنا کچھ روپیہ جمع کرنے کی خواہش مجھ میں بھی پیدا ہوگئی ۔ جب سے روپے کی تعریفیں سُنی ہیں مجھے محسوس ہونے لگا ہے کہ میں بہت ہی لاچار ہوں

جب سرہمایوں فریمیر سے بدلے کئی دفعہ کھیل چکے تو میری سمجھ میں بھی طریقہ آگیا اور میں نے اُن سے کہا کہ اب میں خود کھیلنا چاہتی ہوں۔ اُنھوں نے مجھے دس اشرفیاں دیں اور میں نے کھیلنا شروع کیا۔ کھیل میں میرا دل لگتا جاتا تھا۔ پہلے میں جیتی۔ پھر ہاری۔ پھر جیتی اس طرح جب ہم وہاں سے چلے تو میں تین اشرفیاں جیت چکی تھی۔ اِس کے علاوہ میرے پاس وہ رقم بھی تھی جو شروع میں سرہمایوں فریمیر نے مجھے دی تھی۔

سرہمایوں فرہارتے رہے مگر تھوڑی تھوڑی رقم اسلئے ذرا خوش مزاج سے تھے۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ "اگر تم کہو تو تمہاری رقم اپنے ہی پاس رکھ لوں۔ تمہارے پاس بٹوہ نہیں ہے، ہاتھ میں لئے ہوئے ہو۔" مگر میں نے انکار کردیا اور رقم اُنھیں واپس نہیں دی۔ اُن کے چہرے سے معلوم ہوا کہ میرا انکار اُنھیں کچھ ناگوار گذرا۔ شاید وہ ایسے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ میں ہر بات میں انکی دست نگر بنکر رہوں مگر مجھے یہ طریقہ پسند نہیں۔ اگر میں تھوڑی سی رقم اور جیت لوں تو بہت بہت خوش ہوں گی۔ جب ہم جوئے کی میزوں کے پاس سے ہٹ آئے تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا دل بری طرح دھڑکا اور خوشی کی چیخ میرے منہ سے نکلتے نکلتے رہ گئی کیونکہ ہم سے دو گز پرے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے شرافت و شائستگی کا مجسمہ، جیسا کہ وہ سدا سے تھا، اور آہ! کسی سے اس درجہ متضاد فضل کھڑا تھا۔

ایک لمحہ کے لئے تو میری طاقت گفتار سلب ہوگئی، مگر میں ٹھہر گئی۔ سرہمایوں فر نے پوچھا "کیا بات ہے؟" اُنھوں نے کچھ بدمزاجی سے یہ سوال کیا۔ کیونکہ میں نے

اُنہیں جیتی ہوئی رقم نہیں دی تھی۔

"وہ سامنے شاید افضل ہیں،" میں نے کہا۔" آپ شاید انہیں جانتے ہونگے میرے بھائی ہوتے ہیں۔"

مسٹر ہمایوں فر کا مزاج کچھ ٹھیک ہوگیا۔ گو وہ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ نئے دوست بنانے میں انہیں رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔ تاہم ایسے لوگوں سے مُتعارف ہونے کی اُنہیں بہت خواہش ہے جو سوسائٹی میں حصہ لیتے ہیں۔ افضل کے بارے میں وہ پوچھتے رہے اور جب میں نے اُنہیں بتایا کہ وہ میرے ماموں کے بیٹے ہیں اور ان کے والد امیر البحر تھے تو کہنے لگے۔" تو شاید تم اُن سے ملنا پسند کروگی۔"

افضل نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ میں جلدی جلدی اُن کے قریب گئی اور اُنہیں چُپکے سے آواز دی۔"افضل!"

جب وہ پلٹے تو اُن کا خوبصورت چہرہ دیکھنے کے لایق تھا شاید مجھے اس سے پہلے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی۔ مسٹر سیکم اور راماں سے ملنے پر بھی مجھے اتنی مسرت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اُنہوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور جب میں نے سر ہمایوں فر کا تعارف کرایا تو اُنسے بھی ہاتھ ملایا۔ اور جب انہوں نے کہا۔" میں اپنی بہن اور بہنوئی، بیگم اور نواب حشمت جاہ کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔" تو میں نے سمجھ لیا کہ اب میرا کچھ نہ کچھ وقت اچھا گذریگا۔

مجھے بیگم حشمت جاہ سے دلچسپی نہیں ہے اور نواب حشمت جاہ کو میں نے صرف ایک دفعہ دیکھا ہے مگر مجھے ایک دم سے ایسا محسوس ہوا کہ گویا اُن سے مجھے محبت ہے۔ کیونکہ یہ جان کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اب میرے اپنے جاننے والوں میں اور میرے گھرانیکو

جاننے والوں میں سے کچھ لوگ یہاں ایسے جمع ہو گئے ہیں جن سے میں خوددوستانہ تعلقات قایم کر سکوں گی۔

مجھے خوف تھا کہ کہیں میرے وفورِ مسرت سے سر ہمایوں فر ناراض نہ ہو جائیں، یہ سمجھ کر کہ اس اظہارِ مسرت سے اُن کی تضحیک مقصود ہے۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ وہ بھی اس خیال سے خوش تھے کہ اُنہیں چند نئے بڑے آدمیوں سے متعارف ہونے کا موقع مل گیا۔

سر ہمایوں فر نے افضل کے ساتھ گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور افضل نے کہا "میں نواب حشمت جاہ کو تلاش کر کے لاتا ہوں، وہ یہیں کہیں ہیں تاکہ آپ سے اُنہیں متعارف کرادوں" یہ کہکر افضل اپنے بہنوئی کی تلاش میں چلے گئے اور سر ہمایوں فر نے میری طرف مسکراکر دیکھا اور کہا "اس طرح اپنے عزیزوں سے اچانک مل کر تم کس قدر خوش ہوئی ہوگی!" مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ میری قسمت ہی بدل گئی اور اب اچھے دن شروع ہوئے۔

افضل کو اپنے بہنوئی کی تلاش میں زیادہ دیر نہیں لگی، نواب حشمت جاہ نہایت ہی بزرگ آدمی ہیں عیش پسند اور مقروض، وہ اتنے لمبے اتنے دُبلے اور اُن کے اتنے جھکے ہوئے کندھے اور اتنا لمبوترہ اور بیوقوفوں کا سا چہرہ ہے کہ ایک میل پرے ہی سے انہیں پہچان لیا جاتا ہے۔

وہ اور سر ہمایوں بہت جلد بے تکلف ہو گئے میں سمجھ گئی کہ افضل نے اُن سے میرے شوہر کے متعلق بہت کچھ کہدیا تھا خصوصاً یہ کہ سر ہمایوں فر لکھ پتی ہیں اور مجھے اور افضل کو چھوڑ کر وہ دونوں ایک طرف کو چلے گئے۔ وہ دونوں جوئے خانے میں جا رہے تھے اس لئے ہم نے اُن سے کہا کہ باہر میدان میں ہم انہیں مل جائیں گے۔ یہ کہکر ہم دونوں باہر چاندنی

رات میں نکل آئے۔ سردی زیادہ تھی مگر بڑا لطف آرہا تھا اور ایک دفعہ پھر افضل کے ساتھ خود کو تنہا پاکر میں اس قدر خوش تھی کہ مجھ سے بات بھی نہیں کی جارہی تھی۔ یہی کافی تھا کہ میں افضل کے ساتھ زندہ تھی۔ شب ماہ میں افضل کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا اور پھر ایسے چہرے کو دیکھنا جس پر مڑی ہوئی ناک، موٹے موٹے ہونٹ، دوہری ٹھوڑی اور جھرّیاں نہ ہوں۔ یہی کیا کم جنت نگاہ تھی۔

لیکن بالآخر مجھے بولنا پڑا اور وہ باتیں کہنی پڑیں جو سچ نہیں تھیں۔ میں اس کا اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں ناخوش ہوں اور میں افضل کو یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ مجھ سے بے پروائی کی جاتی ہے۔ اس پر مجھے بھی تعجب ہے کہ میں نے اس کا تہیہ کیسے کرلیا۔ اگر صرف آدھ گھنٹہ قبل مجھ سے کوئی پوچھتا کہ اگر افضل سے ملوگی تو کیا کہوگی تو شاید میں یہی جواب دیتی کہ حقیقی واقعات بیان کردوں گی تاکہ وہ سُنکر مجھ سے ہمدردی کریں اور اُنہیں میری حالت پر رحم آئے۔ مگر جب میں نے خود کو افضل کے برابر بیٹھا پایا اور دیکھا کہ ہمدردی سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھ رہے ہیں، تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے اور گفتگو میں زیادہ نہیں کُھلنا چاہئے۔ چنانچہ جب انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ "کیا تم خوش ہو؟" تو میں نے کہا "ہاں!"

میں نے ایک طرح سے سچ بھی کہا تھا۔ کیونکہ گذشتہ دس منٹ سے میں بہت خُوش تھی مگر اُنہوں نے میرے جواب کو اس روشنی میں نہیں دیکھا اور مجھے دیکھکر اظہار تعجب کیا بلکہ شاید کچھ مایوس بھی ہوگئے۔

"مجھے یہ سُنکر بہت خوشی ہوئی"، اُنہوں نے کہا۔ "خدا جانے مجھے یہ خطرہ کیوں

تھا کہ تمہارا سر ہمایوں فر کے ساتھ اچھی طرح نباہ نہیں ہوگا۔ مگر شاید اب تو انہوں نے اپنی رائے بدل دی ہے اور سکون سے زندگی گذارنی چاہتے ہیں۔"

اِن الفاظ نے میرے قلب کی حرکت میں اضافہ کر دیا۔ دل میں غصہ کا ایک دُھواں سا اٹھا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ سر ہمایوں فر کس طبیعت کے آدمی ہیں مگر ان میں سے ایک نے بھی مجھے گڑھے میں گرنے سے روکنے کے لیے آدھی بات بھی مُنہ سے نہ نکالی۔

یہ تھے میرے خیالات جب افضل نے بات کی مگر میں نے اپنے چہرے کا رنگ بھی بدلنے نہیں دیا اور اب جبکہ افضل کے کہنے کے مطابق یہ نئی صورت پیدا ہو گئی تھی تو میں نے ہنس کر کہا "ہاں غالباً ایسا ہی ہو گا۔"

"ہر چیز حاصل ہو اور روپے پیسے کا فکر نہ ہو تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ بخدا یہ حالت تو اس قدر عنقا ہے کہ میرے تو خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔" افضل نے کہا۔

میرے مُنہ پر آتے آتے رہ گیا کہ جس حالت کا تم ذکر کر رہے ہو وہ میری حالت سے قطعاً مُتضاد ہے مگر پھر مجھے فوراً ہی خیال آ گیا کہ میں نے کس احتیاط سے کام لینے کا تہیہ کیا ہے اور میں نے کہا "افضل میں دیکھ رہی ہوں کہ مجھے تم سے ہمدردی کرنی چاہیے کیونکہ تم ایسی جگہ آئے ہو جو سستی نہیں ہے تاہم میں سمجھتی ہوں کہ آج کل تم خوب لُطف اٹھا رہے ہو۔"

"ہاں اس سلسلہ میں تو میں انکار نہیں کر سکتا۔ اور اب ہم تم سے مل گئے ہیں تو میرا وقت اور بھی پُر لطف کٹے گا۔ مگر جب دولت نہ ہو اور کہیں سے اُس کے ملنے کی بھی اُمید نہ ہو تو جانوروں کی سی زندگی معلوم ہوتی ہے، سچ جاننا یہ حقیقت ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا "تو بنیک پر ڈاکہ ڈالو۔"

افضل نے سر ہلا کر کہا "بینک ہی شاید مجھ پر ڈاکہ ڈال دے پھر مصیبت یہ ہے کہ مجھ میں جواریوں کا سا دماغ بھی نہیں ہے یا کم از کم کامیاب جواری میں کبھی نہیں بن سکتا۔"

"اچھا! مجھ میں تو اس کا اچھا مادہ ہے آج پہلی دفعہ میں کھیلی اور جیتی بھی!" میں نے کہا "خیر۔ تمہاری بات تو اور ہے اگر تم جیت جاؤ گی تو خوش ہو جاؤ گی اور اگر ہار دو گی تو تمہیں کوئی احساس نہ ہوگا۔ تو میری رائے میں یہ حقیقتاً جوا نہیں کہلا سکتا۔"

میں نے افضل کو یہ نہیں بتایا کہ جیتنے سے مجھے کس قدر مسرت ہوئی تھی کیونکہ مجھے مستقل طور سے کوئی رقم نہیں ملتی تھی۔

"بہر حال یہ دلچسپ ضرور ہے" میں نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ امیر بھی جیتنے کے اسی قدر مشتاق رہتے ہیں، جس قدر کہ غریب۔"

"لالچی جانور کہیں گے۔ مگر یہ تو فطرتِ انسانی میں داخل ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر معاملہ میں کامیاب نظر آنا چاہتا ہے۔ ہاں وہ تم نے کیا کہا تھا ابھی کہ آج شب کو تم کامیاب رہیں؟"

"ہاں میں نے تین اشرفیاں جیتیں۔"

"اچھا تو دیکھو۔ کل ہم آئیں گے اور تم میرے بدلے کھیلنا۔"

"نہیں نہیں مجھے تو ڈر لگیگا۔ فرض کرلو کہ اگر میں ہار گئی تو میں شرم سے گڑ جاؤں گی۔" افضل ہنسے وہ آگے جھکے ہوئے میرا چہرہ دیکھ رہے تھے اور بہت ہمدرد، شریف اور مہربان نظر آرہے تھے۔

"تو پھر میں بتاؤں تمہیں۔ تم میری کرسی کے پیچھے کھڑی ہو جانا۔"

"ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

"اور میں جانتا ہوں تمہاری موجودگی میرے لئے نیک فال ہوگی۔"

"آہ افضل! کاش ایسا ہی ہوتا۔ کاش میں پہلے ہی —"

میں نے جلدی کی اور راز فاش کر دیا تھا۔ میں نے ایک دم محسوس کر لیا اُس حیرانی کی نظر سے جس سے افضل نے میری طرف جھک کر مجھے دیکھا۔ ہم چند لمحات تک بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ صرف وہی لوگ جو ایک دوسرے کی پروا کرتے ہیں یا جن میں بے تکلفی ہوتی ہے اسی طرح خاموش رہ سکتے ہیں۔ بے زبانی ہی اُن کی زبان ہوتی ہے اور ہزار زبانیں بھی وہ نہیں کہہ سکتیں جو خاموشی کہہ جاتی ہے۔

پھر پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ آہستہ آہستہ اور ہوشیاری سے کوئی چل رہا تھا ہماری پشت کی طرف میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا اور افضل نے بھی۔ صنوبر ہمیں غور سے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔

وہ میرے جہیز کا گلابی رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے تھی۔

میرے منہ سے نفرت کی ایک چیخ سی نکل گئی۔ اور افضل جو خود عورت سے زیادہ عورت کے لباس کا جائزہ لیا کرتے ہیں۔ بولے "واللہ"!

افضل نے کوئی نئی بات معلوم کی تھی جو یوں "واللہ!" کہا۔ میں ساکت بیٹھی رہی صنوبر اپنا لباس پھڑپھڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ کیا بات کروں جو افضل کا خیال بٹے۔ صنوبر کو اس خاص انداز سے چلتا دیکھ کر افضل کچھ کھٹک گئے تھے۔ پہلے انہوں نے اُس کی طرف غور سے دیکھا اور پھر مجھے اور دیکھ لیا کہ میں اُس قدر مطمئن نہیں ہوں جس قدر کہ میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"واللہ! چھمو! یہ کیا بات ہے؟" اُنہوں نے کہا "میں نے ماٹی کار لو کے چوروں کا بہت ذکر سنا ہے مگر یہ واقعہ تو سب پر سبقت لے گیا۔ یہ عورت تو تمہارے جہیز کے جوڑوں میں کا ایک جوڑا پہنے ہوئے ہے۔"

میں نے چاہا کہ ہنس کر اس بات کو اُڑا دوں گویا نہایت لغو بات ہے مگر میں تو سمجھتی ہوں کہ میری نظروں ہی میں کوئی ایسی بات تھی جس سے میرے دل کی غمازی ہو رہی تھی۔

الغرض افضل ہی نے خود بخود موضوعِ سخن بدلا اور جلدی جلدی کچھ اور باتیں کرنی شروع کر دیں۔ میں نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا کیونکہ میں خود اس فکر میں مبتلا تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اگر کچھ بات نہیں بناتی تو یہ حضرت گھر جا کر اپنی بہن اور بہنوئی سے خدا جانے کیا کیا کہیں گے اور پھر طرح طرح کی افواہیں گشت کریں گی۔

"دیکھو افضل" میں نے کہا "میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور اس امید پر کہ تم کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرو گے کیونکہ تم خود بھی محسوس کر سکتے ہو کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ لوگ میرے بارے میں چہ میگوئیاں کریں۔ یہ عورت میری خادمہ تھی اور اماں نے دیکھا بالکل بیکار ہے اور سر ہمایوں فر سے کہکر اسے چلتا کر دیا۔ اس عورت نے مجھ سے بدلہ اس طرح لیا کہ میرے بعض اچھی اچھی چیزیں اڑا دیں۔ مجھے ان چیزوں کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں۔ مگر یہ تو تم بھی سمجھ سکتے ہو کہ میں اس طرح اسے استعمال کرتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"واللہ اسے کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔"

"اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ اس کا چرچا ہو۔"

"تم اپنے شوہر سے کیوں نہیں کہتیں؟ وہ اس عورت کو گرفتار کرا کے چیزیں واپس

لے سکتے ہیں۔ وہ جوڑا پیرس کی ایک مشہور دکان سے لیا گیا تھا اور اس کی قیمت تین ہزار تھی"۔

"ہاں شاید ایسا ہی ہو لیکن مجھے اس کے واپس لینے کی خواہش نہیں ہے"

"مگر واپس تو ضرور لینا چاہیے"

"نہیں نہیں۔ میں چرچا اور بدنامی نہیں چاہتی"

"بدنامی کیوں ہو گی؟ تم اُس سے اپنی چیزوں کا مطالبہ کر سکتی ہو اور اُسے واپسی پر مجبور کر سکتی ہو، یہ دھمکی دیکر کہ اگر واپس نہیں کرے گی تو پولیس کے حوالے کر دی جائے گی۔ تم صرف سر ہمایوں فر سے کہہ دو اور وہ خود سمجھ لیں گے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے یہ تو بڑی شرم کی بات ہے کہ ایک ایسی عورت تمہارے کپڑے پہنے ایسے مقامات میں پھرتی پھرے اور پھر کپڑے بھی وہ جو آسانی سے پہچانے جا سکتے ہیں کہ تمہارے ہیں"

پہلی دفعہ میرے ذہن میں ایک خوفناک خیال آیا کہ صنوبر اس قدر دیدہ دلیری سے کیوں کام لے رہی ہے۔ اس خیال سے میرا دم گھٹنے لگا اور میرے رگ و پے میں سردی سی اُترتی چلی گئی۔

"آہ"، میں نے اپنی چیخ روکتے ہوئے کہا۔

افضل نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "تم مجھ پر بھروسہ کرو کہ اس کا چرچہ نہ ہو گا۔ یہ چیزیں اُسی وقت واپس آجائیں گی جس وقت تم ہمایوں فر سے آج کا ماجرا بیان کر دو گی۔ اچھا تو میں اُن سے کہونگا کہ خود میں نے لباس کو پہچانا ہے۔ اس سے واقعہ اور بھی زوردار ہو جائیگا کہ میں نے بھی اس لباس کو شناخت کیا"

"نہیں نہیں میں اس کے بارے میں اور کچھ سننا نہیں چاہتی"، میں نے جلدی سے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے؟ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں بولنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ تمہاری چیزیں سب واپس مل جائینگی۔"

افضل کو اس طرح گفتگو کرتے میں نہیں سن سکتی تھی، مجھے کچھ نہ کچھ انہیں بتانا پڑے گا۔ میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں، وہ واپس نہیں مل سکتے"، میں نے پریشان ہو کر کہا۔

افضل اُچھل پڑے اور ان کا چہرہ فق ہو گیا۔

"تم تم — کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ ——"

"وہ عورت دُنیا بھر میں یہ کہتی پھرے گی کہ وہ چیزیں اُسے دی گئی ہیں!"

"کیا حقیقتاً دی گئی تھیں؟ نہیں، یہ ناممکن ہے!"

"نہیں نہیں۔ اُس نے کپڑے چرائے۔ مگر میں اس سلسلہ میں اور کچھ کہنا نہیں چاہتی۔ میں سر ہمایوں فر سے کہہ چکی ہوں۔"

چند لمحوں تک ہم دونوں کے زور زور سے سانس لینے کی آواز سنائی دی اور منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ پھر افضل نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا "آؤ دارالمطالعہ میں چلیں۔ ذرا بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔ یہاں سردی ہو چلی ہے۔"

ہم دارالمطالعہ کی طرف چلے اور جب اُنہوں نے اپنا بازو مجھے دیا تو شاید محسوس کر لیا ہوگا کہ میں کانپ رہی ہوں۔ میرے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے اور طبیعت اُداس تھی اور دماغ اس قدر بیکار ہو رہا تھا کہ کوئی بات بنائے نہ بنی تھی، نہ یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ کس طرح اس معاملہ کی وضاحت کروں جو افضل کے دل میں کوئی برا خیال نہ جم جائے۔ اب میں اُس

وقت سے خائف تھی جب کہ ہمیں گوشۂ تنہائی مل جائیگا۔ جس کی تلاش افضل کو تھی۔ میں جانتی تھی کہ وہ سوالات کی بھرمار کریں گے اور اگر میں نے اُن کا جواب نہ بھی دیا تب بھی وہ سمجھ لیں گے۔ بلکہ شاید سمجھ چکے تھے کہ میں وہ خوش و خرم دلہن نہیں ہوں جو کہ میں خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

میں نے گفتگو کرنے کے لئے اور بہت سی باتیں سوچیں، اور جب ہم ایک الگ تھلگ کونے میں جا بیٹھے تو میں نے لندن کے تھیٹروں کا ذکر چھیڑا اور اُن کے مشغلوں کو دریافت کیا مگر انہوں نے جلدی اور دو باتوں میں جواب دیدیا کہ وہاں کی کوئی تازہ خبر نہیں ہے اور بدستورِ سابق وہ کچھ بھی نہیں کر رہے تھے اور پھر فوراً ہی بولے "تم خوش نہیں ہو چھمو"؟

"واہ۔ میں خوش ہوں"

"اس بدمعاش ہمایوں فر میں اتنی شرافت ہی نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ معقولیت سے پیش آئے"

"میں نہیں چاہتی کہ تم ایسی باتیں مُنہ سے نکالو"

"خیر، جو کچھ میں نے کہا جھوٹ نہیں ہے۔ شاید پھوپی اسی وجہ سے تمہارے پاس نہیں آسکی ہوں گی"

میں نے غصہ سے اُن کی طرف پلٹ کر کہا "جب تم اُن سے اس قدر بدگمان ہو تو یہ بھی تم نے قیاس کر لیا ہوگا کہ میرے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں"

افضل کے چہرے پر پریشانی ظاہر ہوئی۔

"میرے خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی کر رہے ہوں گے۔ یہ کون سمجھ سکتا ہے؟ پھر اِس دُلہنا پے میں؟"

"مگر تمہیں تو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوگا نا؟"

"ہاں اس میں شک نہیں کہ مجھے تھوڑا بہت معلوم تھا، ہر شخص جانتا ہے۔ جب تمہارے والدین ہی نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تو میں دخل درمعقولات کیسے دیتا؟"

"تم مجھے آگاہ کر سکتے تھے۔ اس کے بجائے تم نے مجھے شادی کی مبارک باد دی۔ یہ تم نے کیسے کیا؟ اماں اور ابا کے لئے تو خیر یہ ٹھیک ہے کہ وہ تو بس دولت کو سب کچھ سمجھتے ہیں مگر ہر شخص کا تو یہ خیال نہیں ہو سکتا! کم از کم میری پسند کو بھی کچھ اہمیت دینی چاہئے تھی۔ مجھ سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ وہ امیر ہیں مگر یہ کہ ——— آہ! لیکن ان باتوں کا ذکر میں اب نہیں کرنا چاہتی۔ اب کیا ہو سکتا ہے جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب اس کا تذکرہ بے سُود ہے، ہے نا؟ اور یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ موجودہ حالت ہی کو اچھی طرح نبھایا جائے۔"

فضل کا چہرہ تمتما رہا تھا اور غم و غصّہ سے انکی حالت خراب تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اُنہیں کیا کہنا چاہئے۔

"تمہارے ابا کو چاہئے کہ اُن سے ملیں اور معاملہ کی بات کریں۔" انہوں نے بالآخر کہا۔

مجھے ہنسی آگئی۔

"ابا! انہوں ہی نے تو مجھ سے سب سے پہلے کہا تھا کہ میری شادی کس قدر شاندار ہونے والی ہے۔"

"خیر کسی نہ کسی کو اُن سے گفتگو کرنی چاہیئے"

لیکن اِس عرصہ میں مجھے اتنا وقت مل گیا تھا کہ سب باتوں پر خوب غور کرلوں اور میں نے سلسلۂ کلام ختم کرنے کے لئے کہا کہ یہ سب باتیں بالکل بیکار ہیں۔

"سنو فضل" میں نے کہا "میں چاہتی ہوں کہ تم اِن سب باتوں کو بھول جاؤ اور اِن کا ذکر کسی سے نہ کرو۔ اس عورت کے کپڑے چرانے میں سر ہمایوں فر کا کوئی قصور نہیں ہے اور میں جانتی ہوں کہ جب اُنہیں اس چوری کا علم ہوا تو اُنہیں بہت غصّہ آیا تھا لیکن وہ اِسے بہتر سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ میں چشم پوشی سے کام لیا جائے اور میں بھی اُن کی رائے سے اتفاق کرتی ہوں میں یہ نہیں کہتی کہ اب تک میں بہت خوش و خرم رہی ہوں مگر میں اس قدر ضرور کہہ سکتی ہوں کہ میں اُس حد تک خوش رہی ہوں جس حد تک کہ تم یا وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ سر ہمایوں فر کس طبیعت کے آدمی ہیں، سمجھتے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں"

"یہ نہ کہو چھمّو میں تو یہ سمجھا تھا کہ ——————"

"ہاں میں جانتی ہوں کہ تم سب سمجھ رہے تھے کہ کوئی معجزہ ہونے والا ہے، سر ہمایوں فر ایک بے مثل شوہر ثابت ہونگے۔ اس معاملہ میں تم سب غلطی پر تھے۔ اس پر بھی میں ناخوش نہیں ہوں اور اب جبکہ تم اور تمہاری آپا یہاں آئی ہوئی ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ مجھے شکایتوں کا زیادہ موقع نہ ملیگا۔ درحقیقت مجھے اس وقت کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم میرا یقین کرو۔ سر ہمایوں فر نے اماں کی باتیں مان لی ہیں اور ہماری شکایتوں کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔"

میری زبان اٹکنے لگی، شرم و حیا سے چہرہ سرخ ہو گیا، خاموش ہو گئی اور رو پڑی۔ پھر فوراً ہی دل پر قابو پا لیا اور کسی نہ کسی طرح جلدی جلدی یہ سب باتیں کہہ ڈالیں میں یہ چاہتی تھی کہ افضل کو اس سے باز رکھوں کہ وہ میرے معاملات پر غور کرنے کے لئے اپنی بہن اور بہنوئی کو بھی دعوتِ فکر دے۔ بیگم حشمت جاہ کی زبان کو قرار نہیں ہے انکے پیٹ میں کوئی بات نہیں پچتی اُن کے ہاتھ میرا معاملہ آجائیگا تو ایک ایک سے کہتی پھریں گی انہیں اسی میں مزا آتا ہے کہ کسی کی بُرائی سُن لیں تو سارے میں پھونک دیں۔ یہ اُنکی عادت ہے"

جب میں کہہ چکی تو افضل نے سر ہلا کر کہا، "اچھا، اچھا"

اتنے میں ہمیں سرہمایوں فرا اور نواب حشمت جاہ کے بولنے کی آوازیں سنائی دیں اور ہم اُٹھ کر اُن کی طرف چلے انہوں نے کل کیلئے تعین وقت کر لیا ہے اور دن کا کھانا نواب حشمت جاہ کے ساتھ کینیز میں کھایا جائے۔

مجھے صرف ایک لمحہ اور افضل کے ساتھ رہنے کا موقع ملا جس میں میں صرف اُن سے یہ کہہ سکی کہ "آپا سے کوئی بات نہ کہنا سوائے اس کے کہ میں اچھی طرح گذار رہی ہوں!"

آج شب کو واپسی میں سرہمایوں فرجھ سے بہت اچھی طرح پیش آئے۔ نواب حشمت جاہ سے ملکر وہ بہت خوش ہوئے ہیں۔ اور اُنکی ساری گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ میں ان لوگوں سے اسکی شکایت نہیں کرونگی کہ میں خوش نہیں ہوں۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ میں اب خوش ہوں۔ کیونکہ جب میرا جی چاہے افضل کو دیکھ سکتی ہوں۔ اور آپا حسنی اور نواب حشمت جاہ بھی اچھے لوگ ہیں۔ اب پہلے کی طرح میں اُن سے خائف نہیں رہی تھی۔

صنوبر کا معاملہ مجھے اب غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اتنا سرسری نہیں ہے جتنا کہ پہلے

سمجھی تھی ورنہ اُس کی اتنی ہمت ہوتی کہ مانٹی کارلو کے جوئے خانہ میں اس بے تکلفی سے میرے کپڑے پہنے پھرتی۔ یہ غنیمت ہے کہ مجھے سرہمایوں فر سے زیادہ اُنس نہیں ہے ورنہ اُس کا اِس طرح نظر آنا میرے لئے پیام موت ہوتا۔ اب بھی میں محسوس کر رہی تھی کہ میری سخت توہین ہوئی ہے۔

خدا کا شکر بیگم اماں نے سدِباب کر دیا۔

مجھے خطرہ ہے کہ کہیں سرہمایوں فر میرے ان نئے عزیزوں کی کسی بات سے ناخوش ہو کر مجھے اور بھی طعنے نہ دیں۔ مگر میں تو اپنے آپ کو بالکل بے گناہ سمجھتی ہوں۔ شادی کے معاملہ میں مجھ سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا۔ میں نے تو بہت کوشش کی کہ اس خانہ بربادی سے میں بھی بچ جاؤں اور وہ بھی مگر وہ مُصر تھے اور ابا اور اماں بھی۔ اور جب یہ کار ہو گیا تو میں نے سرہمایوں فر کو خوش رکھنے میں کوتاہی نہیں کی۔ گو یہ امر میری مرضی کے خلاف تھا تاہم میں نے کوشش ضرور کی۔ اماں نے مجھے جو کچھ سمجھایا تھا۔ کہ اعلیٰ تربیت اور اونچے خاندان کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں میں نے اُن میں سے ایک کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ میں ایک مومی گڑیا کی اچھی نقل بن گئی تھی۔ اس سے زیادہ وہ مجھ سے اور کیا توقع رکھ سکتے تھے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اُن کی کوئی توقع پائمال نہیں کی گئی۔ اور اب جب کہ وہ تمام خوفناک مراحل طے ہو چکے ہیں اور میں کچھ آزادی سے کچھ سانس لے سکتی ہوں تو ان تمام باتوں کے بارے میں کیا سوچتی ہوں! میں ابھی پوری طرح نہیں جانتی اور اُن کے جان لینے میں اپنا دماغ کھپانا نہیں چاہتی۔ دُنیا کچھ اور ہی جگہ ہے۔ اب سے ایک مہینہ قبل اس کی نوعیت کچھ اور تھی۔ مگر اب جبکہ فصل آگئے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ کچھ نہ کچھ کمی پوری ہو گئی ہے۔

خوش؟ ہاں میں آج رات کو خوش ہوں اپنی توقعات کے خلاف خوش ہوں۔ میرے تو خواب و خیال میں بھی یہ خوشی نہیں تھی۔

نالس۔ ۲۴ مارچ سنہ

سر ہمایوں فر مجھے آج کیپٹیز لے گئے۔ اب اُن کا مزاج بدل گیا ہے اور مجھ سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہے ہیں میں دیکھتی ہوں نواب اور بیگم حشمت جاہ سے تعلقات قایم ہو جانے پر وہ بجید خوش ہیں۔ اور لوگ بھی خوش ہیں کیونکہ سر ہمایوں فر اپنی فیاضی کا سظاہرہ کرتے ہیں اور اُن کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ اس طرح یہ سب مطمئن ہیں۔

آپا حسنیٰ اور اُن کے شوہر کو کیٹلی کوٹھی قرض مل گئی ہے۔ کوٹھی خوشنما ہے اور ہمارا دن بڑا اچھا گزرا۔

آپا حسنیٰ نے افضل سے میرے اور سر ہمایوں فر کے بارے میں خوب پوچھ گچھ کی مگر شکر ہے کہ افضل نے اُنہیں صنوبر کا واقعہ نہیں بتایا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جان گئی ہیں کہ میں ناخوش ہوں اور معاملات ہموار کرنے کے لئے اماں کو پیرس آنا پڑا تھا میں نے اُن سے باتیں کرنے میں احتیاط سے کام لیا کہ جہاں تک ممکن ہو اُنہیں ناگوار حالات نہ معلوم ہوں اس لئے انہیں کچھ زیادہ علم نہ ہو سکا۔

پھر اُنہوں نے نہایت احتیاط سے ایک ایک بات جو انہوں نے سُنی تھی مجھے سنائی اور سر ہمایوں فر کی بے راہروی کی باتیں اس اہتمام سے سنانی شروع کیں کہ مجھے مجبوراً اُن کی طرف سے جواب دینا پڑا اور جہاں تک میرے بس میں تھا سر ہمایوں فر کو بچاتی رہی فی الحال چونکہ مجھے اُن سے کوئی شکایت نہیں ہے اس لئے میں نے بھی یہ کیا کہ اُن کی زندگی کا روشن رُخ اپنے سامنے رکھ لیا۔ بدقسمتی سے آپا حسنیٰ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میں کچھ جانتی ہی نہیں اور اُنہوں نے تہیہ کر لیا کہ میری آنکھیں کھول دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کسی مسز نعیم

کی کہانی مجھے سنائی۔

میں نے صاف صاف کہدیا کہ میں اس قسم کی باتیں سننی نہیں چاہتی۔

"آپ مجھ سے یہ باتیں آخر کیوں کہہ رہی ہیں؟" میں نے کہا "اب جبکہ میں ان کی بیوی بن چکی ہوں۔ شادی سے پہلے انہوں نے جو کچھ کیا میری ذات سے اسکو کوئی تعلق نہیں اور یہی بہتر ہے کہ وہ باتیں میرے علم میں نہ آئیں"

"میری پیاری چھوٹا آپا حسنی نے کہا، "تمہیں وہ سب کچھ جان لینا چاہیے جو کہ تمہیں اب تک نہیں معلوم تاکہ بعد میں تمہیں زیادہ پریشانی نہ ہو ورنہ پھر کبھی ایکا ایکی کوئی بات ظاہر ہوگی تو بہت شاق گذریگی"

"اگر آپ مجھے یہ تمام باتیں بتانی ہی چاہتی تھیں تو شادی سے پہلے بتانی چاہیے تھیں"

"میں ضرور بتاتی اگر مجھے اس کا موقع مل جاتا۔ میں تو اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ ایک لڑکی ایسے شخص سے شادی کرے جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہ جانتی ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب لڑکی کی شادی ایسے شخص سے کرنی ہو جس کی وہ پروا نہ کرتی ہو تو صرف یہی ایک طریقہ کارگر ہوتا ہے، مگر میں اس کے خلاف ہوں۔ تم اتنی چھوٹی نہیں تھیں کہ تمہاری پسند کو نظر انداز کر دیا جاتا"

میں خاموش رہی۔ غالباً وہ اس کی منتظر تھیں کہ میں کہوں "میں تو چاہتی تھی کہ میری شادی ہی نہ ہو" مگر میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ نہ کہوں۔ پھر وہ کہتی رہیں کہ سرہمایوں فریدالیسے ذلیل تھیٹروں میں جایا کرتے تھے اور اکثر تھیٹر انہیں کی امداد سے چلا کرتے تھے ان کا نام اکثر ان آوارہ عورتوں کے

ذکر کے ساتھ سننے میں آتا تھا جن کا تذکرہ تو سب کرتے ہیں مگر جانتا کوئی بھی نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ اب صرف ایک عورت ایسی ہے جس سے مجھے جلنا چاہیئے۔

میں نے پھر مخالفت کی اور انکار کیا کہ میں اس عورت کا نام معلوم کرنا نہیں چاہتی مگر آپا حسنیٰ نے کہا کہ "تمہیں اُس کا نام ضرور جاننا چاہیئے کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عورت آج کل یہاں آئی ہوئی ہے۔ اُس کا نام مسز نعیم ہے، مجھے یقین ہے کہ وہ بہت حسین عورت ہوگی۔ جبھی تو یہ باتیں ہیں۔ اس کا قد ذرا لمبا ہے، زیادہ نہیں۔ آنکھیں بڑی بڑی اور عجیب و غریب جنکا رنگ بعض دفعہ سبز کبھی بھورا اور کبھی خاکی نظر آتا ہے۔"

میں نے کچھ نہیں کہا لیکن انہیں کہانی سنانے سے بھی باز نہیں رکھا کیونکہ یہ بیان، مجھے ایک دم سے خیال آیا، اُس عورت پر راست آتا تھا جسے نالتس میں سر ہمایوں فرسے ملتے میں نے دیکھا تھا۔

"سوسائٹی کے لحاظ سے اُس کی کوئی وقعت نہیں ہے،" آپا حسنیٰ نے کہا۔ "اس کا شوہر کسی بینک میں منشی یا کچھ ایسا ہی ہے، اور نہ کسی اچھے خاندان سے اُس کا تعلق ہے مگر وہ بہت دلکش عورت ہے اور سر ہمایوں فر پر تو اُس کا کچھ ایسا دباؤ ہے کہ اس نے انہیں شادی کرنے پر بھی آمادہ کر لیا تھا۔"

"مگر وہ شادی کیسے کر لیتے جبکہ اس کا شوہر موجود تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اے میری پیاری چھمو! اس قسم کے لوگوں میں ایسے معاملات آسانی سے طے ہو جاتے ہیں۔ یہ اچھا ہوا کہ تمہیں یہ واقعہ اب بھی معلوم ہو گیا اور تم آئندہ کیلئے

تیار رہ سکتی ہو۔"

"بس اب اسے ختم کیجئے میں اور کچھ نہیں سننا چاہتی۔ نہایت ہیبتناک باتیں ہیں" میں نے کہا۔ مگر آپا حسنیٰ نہ مانیں۔

"اس واقعہ کا جاننا تمہارے لئے ازبس ضروری تھا کیونکہ دیر سویر جھگڑے ضرور پڑینگے اور اسی عورت کی وجہ سے۔" اُنہوں نے نہایت اطمینان سے کہا۔

میرا دل بیٹھ گیا۔

"اچھا تو مجھے اس پر تو مجبور نہ کیجئے کہ قبل از مرگ واویلا مچا دوں۔" میں نے زور دیکر کہا۔

"نہیں پیاری۔ تم میری بات تو پہلے پوری سن لو سر ہمایوں فر نے اس سے چھٹکارہ پانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے، کیونکہ وہ ایک ایسی شادی کرنا چاہتے تھے جس سے اُنہیں سوسائٹی میں جگہ مل جائے۔ اس میں وہ کامیاب ہو گئے۔ اُنہوں نے تم سے شادی کر لی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ عورت اس طرح علیحدہ کر دینے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ جائے گی۔ یہ ہے وہ اصل بات سمجھیں تم؟ تمہیں اب معلوم ہو گیا ہے کہ کس بات کا خطرہ ہے اور اب تم پہلے ہی سے اسکے مقابلہ کے لئے مُصلح رہو۔"

کیا میں مقابلہ کے لئے تیار تھی؟ مجھے اس میں شبہ تھا۔ مجھے اس میں بھی احتمال تھا کہ میں نے خطرے کی نوعیت کو بھی سمجھ لیا یا نہیں؟ حالانکہ آپا حسنیٰ نے بڑی محبت سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میری شادی ایک نہایت خبیث النفس انسان کے ساتھ ہوئی ہے۔ میں نے ارادہ

کر لیا کہ اُنہوں نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے اس پر کامل یقین نہیں کرونگی گو وہ اتنا سرسری معاملہ بھی نہیں تھا کہ بیکار و بے نتیجہ کہہ کر اُسے قطعی نظر انداز کر دیا جائے۔

مسز نعیم کے اثر سے مجھ پر کیا مصیبت آ سکتی ہے؟ کیا پہلے سے بھی زیادہ وہ اب اُس عورت سے شادی کرنے کے خواہشمند ہو جائیں گے؟ میں تو نہیں سمجھ سکتی کہ وہ اب بقدر کیوں اُس کی آرزو کریں گے۔ بہر حال میں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ یہ بات میرے لئے خطرناک ثابت ہوگی۔ اگر سر ہمایوں مجھے چھوڑ کر بھاگ جائیں تو یقیناً مجھے کوئی صدمہ نہ ہوگا اور سو باتوں کی ایک بات تو یہ ہو کہ میں اندازہ ہی نہیں کر سکتی کہ وہ مجھ سے موجودہ بدسلوکی سے زیادہ اور کیا بدسلوکی کرینگے؟

یہ سوچکر میں نے آپا حسنیٰ سے کہا "میں تو سمجھتی ہوں کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے"

اور پھر فوراً ہی اُن کی ایک سہیلی کا ذکر چھیڑ کر پوچھا کہ اُن کے بارے میں جو افواہیں سُننے میں آرہی ہیں وہ کہاں تک دُرست ہیں؟ اس طرح یہ سلسلہ گفتگو ختم ہوا۔

یہ آپا حسنیٰ کی بدترین کمزوری ہے۔ وہ بہت دلچسپ آدمی ہیں مگر اپنے ملنے جُلنے والیوں کی ذرا سی بات کو افسانہ بنا دیتی ہیں اور پھر اُن کی عدم موجودگی میں ایسی ایسی باتیں اُن کے بارے میں سُناتی ہیں کہ نہ دھری جائیں نہ اٹھائی جائیں۔ اِسلئے اُن کے مُخاطب کو فکر ہوتی ہے کہ اس کے جانے کے بعد خدا جانے کس قسم کی باتیں خود اس کے بارے میں اوروں سے بیان کی جائیں گی۔

مسز نعیم کی کہانی سنانے کے پانچ منٹ بعد سر ہمایوں فراور نواب حشمت جاہ کمرے میں آئے اور آپا حسنیٰ سر ہمایوں فر سے اتنی اچھی طرح پیش آئیں کہ گویا اُنکی

بہت اچھی دوست تھیں۔

ان باتوں نے میرے لطف میں کھنڈت نہیں ڈالی اور میں نے آج کے دن کا خوب لطف اٹھایا میرا اور فضل کا وقت بڑے مزے کا گذرا۔ ہم نے جو ابھی کھیلا مگر دونوں ہارے۔ مجھے اس ہارنے کی پروا نہ ہوئی کیونکہ میں مسرتوں میں منہمک تھی۔

کھانے کے بعد سر ہمایوں فر آیا حسنی اور نواب حشمت جاہ سب ایک ساتھ تھے، اس طرح میں اور فضل تنہا رہ گئے تھے۔ ہم نے اپنی موجودہ حالت پر زیادہ رائے زنی نہیں کی۔ بلکہ ایام گذشتہ کی خوشگوار باتیں کرتے رہے ہم دونوں پر رقت سی طاری ہونے لگی بلکہ رو بھی پڑے بچارے فضل کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور میرے آنسو تو روکنے بہت مشکل تھے۔

پھر ہم نے نواب سلطان کے ہاں چائے پی اور نواب حشمت جاہ کچھ اور لوگوں سے ملے اور سر ہمایوں فر اور مجھ سے انہیں متعارف کیا۔ یہ لوگ بہت ہی اچھے تھے اور اپنے مزاج کے مطابق لوگوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ سب مہربانی اور تپاک سے پیش آئے اور اس سے جی بہت خوش ہوا میں دن بھر ہنستی اور بولتی رہی پھر ہم واپس ہوئے تو فضل اور نواب حشمت جاہ اسٹیشن تک ہمیں پہونچانے آئے۔ فضل نے مجھ سے کہا۔ "مجھے اس پر ناز ہے کہ تم میری قریبی عزیزہ ہو۔ اس سال یہاں تم حسین ترین عورت ہو ہر شخص کی یہی رائے ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔"

جب ہم ریل میں بیٹھ گئے تو میں نے دیکھا کہ سر ہمایوں فر بھی توصیفی جذبے سے

مغلوب تھے۔ انہوں نے پھر مجھے اُسی نظر سے دیکھنا شروع کیا جس طرح کہ ابتدائی ایام میں دیکھا کرتے تھے۔ اور مجھ سے انہوں نے کہا، "آج میں اپنی بیوی پر نازاں ہوں"۔

اُن کے توصیفی جملے مجھے اُسی قدر ناگوار گذر رہے تھے۔ جس قدر افضل کی تعریفیں مجھے خوشگوار معلوم ہو رہی تھیں میں نے جلدی سے جواب دیا کہ "میں ان تمام اچھی باتوں کی مستحق نہیں ہوں" مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ "مجھے تمہارے اعزا سے ملکر بے حد خوشی ہوئی اور مجھے امید ہے کہ تم نے انہیں یہ سمجھنے کا موقع نہ دیا ہوگا کہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔"

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں" انہوں نے کہا، "کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ تمہاری خوشنودی کے لئے میں اُس سے گریز کروں۔ تمہاری خوشی کے لئے میں بڑے سے بڑے ایثار سے کام لینے کے لئے تیار رہوں۔"

"میں خوش ہوں" میں نے کہا "میں نے آج کا دن خوشی میں گذارا اور مجھے بڑی مسرت ہے کہ میرے عزیزوں کے ساتھ آپ کا وقت اچھی طرح گزرا۔"

مگر وہ اب بھی مطمئن نہیں تھے۔

"تم اُن سے یہی کہوگی نا کہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی تم خواہش کرو اور فوراً مہیا نہ کردی جاتی ہو"؟

میں نے توقف کیا۔ اس کے یہ معنی تھے کہ میری ساری تاہل کی زندگی جیسی بھی میں نے گزاری اس کے خلاف اقرار کروں میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خاموش رہوں۔ کیونکہ میرا جواب انہیں خوش نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ بہت مہربان ہیں" میں نے بڑی مشکل سے کہا اور کھڑکی سے باہر

مُنہ نکال لیا حُسنِ اتفاق سے مجھے کونے میں کھڑکی کے پاس جگہ مل گئی تھی۔ گاڑی خوب بھری ہوئی تھی اور میں نے اسے بہت غنیمت سمجھا کیونکہ میں رازدارانہ گفتگو کرنے سے گھبرا رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ نالنس پہونچکر کہیں اس قسم کی گفتگو وہ پھر نہ شروع کردیں۔" جس چیز کی مجھے ضرورت ہوتی ہے آپ مہیا کردیتے ہیں بلکہ میری خواہشات سے بھی زیادہ۔"

شاید انہوں نے میرے لہجہ سے تاڑ لیا کہ میں فی الحقیقت اتنی شکرگذار نہیں ہوں جتنا کہ میرے الفاظ مجھے ظاہر کر رہے تھے۔ انہوں نے کچھ پریشان ہوکر کہا" یہی وہ چیزیں جو اُس ملازمہ نے تمہاری چرائیں، میں اُن سے بہتر تمہیں لادونگا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُنہوں نے ایک ناگوار سلسلہ گفتگو کا آغاز کردیا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ صنوبر کا خیال بھی مجھے آئے شاید انہوں نے بھی کچھ محسوس کیا مگر میں سمجھتی ہوں کہ وہ بھی بہت گھبرائے ہوئے ہیں کہ کہیں یہ بات نہ پھیل جائے۔ اسی وجہ سے وہ خاموش نہ رہ سکے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں کچھ نہ بولی تو پھر انہوں نے کہا" تم بھی مجھ سے اتفاق کرتی ہونا کہ اس چوری کا چرچہ نہ کیا جائے اور نہ اس عورت کو ڈرایا دھمکایا جائے کہ پولیس کے حوالے کردیا جائے گا؟"

معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھول گئے کہ پہلے مجھ سے کیا کہہ چکے ہیں۔ اُنہوں نے تو مجھ سے کہا تھا کہ جُگنی والوں نے چیزیں چرائی ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید فضل نے سرہمایوں فر سے ذکر کیا ہو کہ صنوبر جو کپڑے پہنے ہوئے تھی وہ پہچان لئے گئے تھے کہ میرے ہیں۔

" میں ان تمام باتوں کو بھول جانا چاہتی ہوں اور اُس عورت کو بھی" میں نے

عُجلت سے کہا۔

نائس پہونچنے تک پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اسٹیشن سے ہم نے گاڑی کی اور یہاں پہونچ گئے۔ جب میں کھانا کھانے کے لئے کمرۂ طعام میں آئی تو وہ مجھے کھڑکی کے قریب لے گئے اور آہستہ سے بولے تاکہ ملازمین نہ سُن لیں" میں نے ایک نئے جوڑے کے لئے کہہ دیا ہے۔ نائس کی بہترین دُکان کا ایک آدمی کل ناپ لینے آئے گا۔ اور جیسا تم چاہو اس سے کہہ کر سلوا لینا"

یہ اُن کی فیاضی کا یقیناً ایک ثبوت ہے مگر چونکہ مجھے کپڑوں کا شوق نہیں ہے اس لئے میں نہیں جانتی کہ کس طرح اظہارِ ممنونیت کروں؟ اس کے علاوہ مجھے وہ خیال بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھے یہ نئی چیزیں کیوں دلوائی جا رہی ہیں؟ لیکن میں یہ باتیں اُن سے کیسے کہتی؟ اور کل مجھے ڈھیر ساری چیزیں خریدنی پڑیں گی جن سے میں انسان سے گڑیا بن جاؤں گی۔ بعین اسی طرح جس طرح کہ میرے سامنے اس وقت اور عورتیں پھر رہی ہیں اور جن کے رنگے ہوئے چہرے اور گڑیوں کے سے ملبوسات دیکھ کر مجھے نفرت آ رہی ہے۔

کھانے کے دوران میں سرہمایوں فر بہت اچھی طرح پیش آتے رہے اور اس کے بعد مجھے جوئے خانہ لے گئے اور کچھ روپے بھی مجھے کھیلنے کے لئے دیئے۔ غالباً وہ بھول گئے ہیں کہ میرے پاس پہلے کی بھی ایک معقول رقم محفوظ ہے۔ لیکن آج میں ہاری اور یہ اچھا ہوا کہ میرے پاس پہلے کی رقم جمع ہے۔

میرے عزیزدل سے ملکر سرہمایوں فر بالکل ہی نئے آدمی بن گئے ہیں۔ یہ

امر نہایت تعجب خیز ہے۔ مجھی سے بار بار التفات کر رہے تھے اور خوش اخلاقی سے پیش آ رہے تھے۔ آج ایک دفعہ بھی ایسا نہ ہوا کہ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر خود کہیں چلے گئے ہوں۔

افضل اور آپا حسنیٰ کے آنے نے میری زندگی میں ایک نیا باب کھول دیا ہے۔

نائس-۲۵ مارچ سنہ

آج کا دن واقعات کے اعتبار سے نہایت پرہم گن تھا۔

کینز سے سب کے سب یہاں آئے ہوئے تھے۔ اور ہم تماشہ دیکھنے گئے۔ جیا بھی وہیں آئی۔

میں شروع شروع میں بہت شرماتی رہی کیونکہ ایک نہایت شوخ جوڑا پہنے ہوئے تھی۔ آسمانی رنگ کا، جس پر مخمل کا جال بنا ہوا تھا ایک بہت بڑی سیاہ ٹوپی صبح کو نیا دکاندار لے آیا تھا۔ سر ہمایوں فر نے اسقدر اصرار کیا کہ مجھے مجبوراً یہ ٹوپی پہننی پڑی۔ گو مجھے یقین تھا کہ اسے پہنکر میں مضحکہ خیز نظر آؤنگی۔ یہ ٹوپی کم از کم ایک گز بڑی تو ضرور ہوگی، اور پھر ایک طرف کو جھکا کر اوڑھی جاتی ہے۔ اس طرح ایک طرف سے تو آنکھ آڑ میں آکر میں گویا نظر ہی نہ آتی ہونگی۔ اسکے اوپر خدا جانے کتنے ہلکے نیلے رنگ کے شتر مرغ کے پر لگے ہوتے ہیں۔ استر آسمانی رنگ کا ہے۔ یوں یہ میرے لباس کے رنگ سے میل کھاتی تھی۔ جب میں نے اپنے کپڑے پہن لئے اور ٹوپی پہن کر تیار ہو گئی تو آئینہ میں خود کو دیکھکر گھبرا گئی۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے بجائے دو گز کی گڑیا کھڑی ہے۔ مگر جب سر ہمایوں فر نے مجھے دیکھا تو میری زیب و زینت کی بہت تعریف کی اور کہا کہ "اب تم نے اپنے حُسن کی صحیح قدر کی ہے اور تمہیں روزانہ ایسا ہی لباس پہننا چاہئے،، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ انکی مرضی یہ ہے کہ انکی بیوی کی صورت سے بھی دولت کا اندازہ ہونا چاہئے۔ افسوس کہ ہم میں اختلاف کی یہ ایک اور صورت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ میں تو معمولی سیدھے سادھے کپڑوں میں زیادہ خوش رہتی ہوں۔ اور میری سادگی کو دیکھ کر وہ

ایک دفعہ کہہ بھی چکے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کسی دُکان کی ملازمہ ہے"!

جب ہم تماشہ گاہ میں پہنچے تو مجھے بہت بُرا معلوم ہوا کہ بقول فضل کے "سنسنی" پھیل گئی۔ اور سب کی نظریں مجھ پر لگ گئیں۔ حالانکہ وہاں مجھ سے بھی زیادہ کپڑے لادے ہوئے کم ازکم پچاس اور عورتیں بھی تھیں، یہاں آپا حسنیٰ، فضل اور نواب حشمت جاہ سے ملے اور نواب حشمت جاہ نے کہا "مجھے تم "حشمت" کہا کرو"۔ مگر میرے اور سر ہمایوں فر کے ساتھ پیش آنے میں فرق تھا، جو جیسے جیسے وقت گذرتا گیا واضح ہوتا گیا۔

تھوڑی دیر بعد آپا حسنیٰ نے مجھ سے کہا کہ صنوبر کا قصہ پھیل گیا ہے اور ہر شخص سر ہمایوں فر سے متنفر ہے"۔ مجھے اسکا بہت افسوس ہوا کہ یہ راز کھل گیا اور جب مجھے فضل سے بات کرنیکا موقع ملا تو میں نے انہیں بات پھیلانے پر آڑے ہاتھوں لیا۔ مگر انہوں نے کہا "میں نے کسی سے اسکا ذکر نہیں کیا"۔ اب تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود صنوبر نے یہ حرکت کی ہے۔ ایسی باتوں کا چرچہ مجھے بہت اکھرتا ہے اور مجھے تو سر ہمایوں فر پر ترس آنے لگا ہیں ان کے لئے جو کچھ کر سکتی ہوں کر رہی ہوں۔ ان کے ساتھ آتی جاتی ہوں، جو وہ پہننے کو کہتے ہیں پہنتی ہوں اور چونکہ وہ خود بھی بہت احتیاط کرنے لگے ہیں اور مجھے بھی کافی آزادی ملی ہوئی ہے اسلئے مجھے یقین ہے کہ یہ بدنامی دو ایک دن میں دب جائے گی۔

مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ میرا لباس دیکھ کر فضل بہت خوش ہوئے میں نے محسوس کیا کہ سب مرد یکساں ہوتے ہیں۔ شاید انہوں نے دیکھ لیا کہ انکی تعریف مجھے اچھی معلوم نہیں ہوئی۔ خصوصاً ان کا یہ کہنا کہ میں اتنی حسین پہلے

کبھی نظر نہیں آئی تھی۔

میں نے انکی طرف حقارت آمیز نظروں سے دیکھا۔

"توشاید تم بھی گڑیوں کو پسند کرتے ہو؟" میں نے نفرت سے کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اگر کوئی خوش لباس عورت نظر آتی ہے تو میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"خوش لباس سے تمہارا مطلب یہ ہو کہ کپڑوں کی بھرمار ہو؟" میں نے ذرا سختی سے کہا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ لباس مناسب ہونا چاہیے۔ اگر تم فردوس نگر میں ایسا لباس پہنو تو نامناسب نظر آئیگا۔ مگر یہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"مگر افضل کیا یہ بہتر نہیں معلوم ہوتا کہ سیدھے سادے کپڑے ہوں۔ خصوصاً ایسے مقام میں جہاں اور عورتیں محض اس لئے آتی ہیں۔ کہ اپنی ثروت کی نمائش کریں۔"

"اس کا دارومدار اب اس پر ہے کہ تم سادگی کس کو کہتی ہو۔ میں تمہارے اس بناؤ سنگھار کو سادہ کہتا ہوں۔ مگر تم پر، اس خوبصورت سڈول بدن پر، تمہارے حسین چہرے پر، تم جو لباس بھی پہنو پھب جاتا ہے۔"

"مجھے تو بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں اس کی عادت جلدی ہی ہو جائیگی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لباس تم پر ناموزوں نہیں معلوم ہوتا اور یہ صرف میرا ہی خیال نہیں ہے بلکہ یہاں کے سب

مردوں کا منہ تمہاری تعریفوں میں سو کہا جاتا ہے۔ گو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان لوگوں کے وہ خیالات بھی سُنے جائیں جو وہ سرہمایوں فر کے متعلق رکھتے ہیں۔ وہ دوسری کہانی ہے جسکو اگر اختصار سے بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ انہیں خوب زدو کوب کیا جائے"

"خیر اُن کا ذکر مت کرو"

"چھمو! تم اس کے ساتھ کبھی نہیں نبھا سکتیں۔ وہ تم سے کم مرتبہ ہے اور وہ کبھی تمہارے معیار پر نہیں پہونچ سکتا۔ میں ایسے اکثر آدمیوں سے مل چکا ہوں جو خاندانی حیثیت سے ہمایوں فر سے بہتر نہیں تھے مگر وہ لوگ دل کے اتنے اچھے تھے کہ انہوں نے اپنی قدر کو پہچانا اور اس سطح سے کبھی اُبھرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ اپنے سے بہتر اور بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش کی۔ مگر ہمایوں فر کا جو طرزِ عمل تمہارے ساتھ ہے اُس سے اسکی اصلیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حشمت جاہ بھی اسکا نام سُنکر برہم ہو جاتے ہیں"

"وہ اب میرے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ ان کا اس طرح ذکر کیا جاتے" میں نے کہا۔ "تم اور آپا حسنیٰ یہاں ہو تو میں بہت خوش ہوں۔ کاش تم لوگ بجائے کینیز کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہوتے تو میں تم سے اور بھی زیادہ مل سکتی"

"تم مجھ سے جسقدر چاہو مل سکتی ہو" افضل نے محبت سے کہا۔ "میں روزانہ یہاں ہو جایا کروں گا"

"میں سوچ رہی ہوں کہ تم مجھے صبح کو اپنے ساتھ ٹہلنے بھی لیچلو گے یا نہیں" میں

نے کہا "یہاں مناظرِ قدرت بہت لطیف ہیں"، افضل کے چہرے پر اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟" انہوں نے کہا "اگر ایسا ہو تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ لوگ اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگیں!"

"ہائیں کیا تم میرے ماموں زاد بھائی نہیں ہو؟"

"مگر اس سے تو افواہیں نہیں رک سکتیں۔ ماموں زاد اور چچا زاد اور خالہ زاد اور سینکڑوں قسم کے بھائی ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ رشتہ بہت اچھا ہے۔ مگر ہر لحاظ سے اچھا نہیں ہے۔"

"فضول باتوں سے کیا حاصل!" میں نے بےچین ہو کر کہا "اگر تم مجھے اپنے ساتھ سحر گشت یا کہیں اور نہیں لیجانا چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتی لیکن اگر تمہارے ذہن میں کوئی کم عقلی کی بات ہے تو اُسے ذہن سے نکال دو کیونکہ یہاں اس کا کوئی موقع نہیں ہے۔"

"نہیں تو اس کا سب سے زیادہ موقع اور اندیشہ ہے" افضل نے اصرار سے کہا "ہمارے چاروں طرف بے شمار لوگ تھے مگر اُن سب کی نظریں اُوپر لگی ہوئی تھیں۔ ایک شخص ہوائی جہاز کے کمالات دکھا رہا تھا اور سب اس کے دیکھنے میں محو تھے اس لئے انسانوں کے سمندر میں ہوتے ہوئے بھی ہم ایسے تھے جیسے کسی صحرا میں تن تنہا کھڑے ہوں۔" تم یہ نتیجہ تو نہیں نکال سکتیں۔ سمجھو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ کہیں لیجانا نہیں چاہتا میں جس بات

سے گھبرا رہا ہوں یہ ہے کہ سب کا خیال تمہارے بارے میں یہ ہے۔ کہ مسز ہمایوں فر میں اور تم میں کشیدگی و کبیدگی ہے۔ تم خوبصورت ہو اور ایسی صورت میں اگر لوگ تمہیں میرے ساتھ اکثر دیکھیں گے تو طرح طرح کے قیاسات کریں گے اور پھر لوگوں کی زبان کس لئے پکڑی ہے۔"

میں نے افضل کے بیان کو بیوقوفی پر محمول کیا اور کچھ ناراض سی ہو کر خاموش ہو رہی۔

پھر وہ میرے قریب آئے اور سرگوشی کے لہجے میں کہنے لگے:-

"دیکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس وقت فوراً اپنی گفتگو ختم کر دینی چاہیے اور چلا جانا چاہیے۔ موقع اسی کا ہے۔ میں تم سے ملتا رہنا چاہتا ہوں اور ضرور ملوں گا۔ مگر اس کے لئے ذرا احتیاط کی ضرورت ہے، اور عقلمندی کی تم سیدھی سادی لڑکی ہو۔ تمہیں ان باتوں کا احساس نہیں ہے۔ لیکن تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو۔"

اس پر ایکا ایکی میں نے محسوس کیا کہ افضل نے جو کچھ کہا تھا سچ تھا۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہمیں اس نظر سے دیکھ رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے خدا جانے کیا کیا کہنا شروع کر دینگے۔

اب میں نئی نئی باتیں بہت جلدی سیکھ رہی ہوں اور آج سہ پہر کو میں نے ایک نیا سبق سیکھا۔

چنانچہ میں افضل سے علیحدہ ہو گئی اور کسی اور سے باتیں کرنے لگی۔ ایک بات میں نے اور سیکھی۔ وہ یہ کہ جو لباس میں پہنے ہوئے تھی اسکا اثر یہ ہوا کہ میں بھی اسی لب و لہجہ میں گفتگو کرنے لگی جو اس طبقہ کے لئے مخصوص ہے۔ یہ آپا حسنیٰ اور افضل کے

ملنے والے تھے اور اچھے لوگ تھے۔ اُن سب کا لب و لہجہ ایک سا تھا۔ غیر ذمہ دارانہ اور بناوٹی کچھ عجیب مضحکہ خیز مگر میں بھی انہی کی طرح باتیں کرنے لگی اور اس میں لُطف بھی خوب آیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میرے گرد خاصے بہت سارے آدمی جمع ہو گئے تھے اور ان میں سے دو کو دیکھا کہ مجھے غور سے دیکھ رہے ہیں، ایک افضل تھے اور دوسرے سر ہمایوں فر ان، دونوں کی نظروں میں ایک ہی سا جذبہ تھا۔ اور میں نے سوچا کہ اسقدر دلچسپ بننے میں میں نے غلطی کی تھی۔

نواب حشمت جاہ کو کسی مُسِن عزیزہ کو رخصت کرنا تھا اس لئے وہ آپا حُسنی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ سر ہمایوں فر نے جنکا مزاج کچھ بگڑ رہا تھا غالباً اسوجہ سے کہ انہیں علم ہو گیا تھا کہ ہر شخص انہیں بُری نظر سے دیکھتا ہے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور آپا حُسنی کو اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے انہوں اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس طرح افضل کو موقع مل گیا جس کے شاید وہ منتظر ہی تھے اور انہوں نے سر ہمایوں فر سے کہا کہ وہ خود مجھے ہوٹل تک پہنچا دینگے، سر ہمایوں فر نے غالباً اسے پسند نہ کیا۔ مگر افضل نے کچھ اور کہا سُنا نہیں اور مجھے اپنے ساتھ لیچلے۔ اس سے پہلے کہ سر ہمایوں فر اقرار یا انکار کریں افضل مجھے باہر لے آئے۔

یہاں ہم ایک گاڑی میں سوار ہو کر پہنچے۔ میں تھک گئی تھی مگر آج کا دن اچھی طرح گذر رہا تھا۔ اسلئے میں خوش تھی۔ میں افضل سے بھی بات کرنی نہیں چاہتی تھی۔ اور جب میں ہوٹل پہنچ گئی تو میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔

"میں تمہیں اوپر تک پہونچاؤ نگا" افضل نے کہا۔

"نہیں۔ اگر تم اسوقت نہ آؤ تو اچھا ہے۔ میں بہت تھکی ہوئی ہوں اور تم سے بات بھی نہیں کر سکوں گی"

وہ ہنسے اور کہنے لگے "خیر اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں"

وہ میرے ساتھ ساتھ اس کمرے میں آئے اور میں بیٹھ کر اپنی ٹوپی کے پن تلاش کرنے لگی تاکہ انہیں نکال کر ٹوپی اتار سکوں۔ افضل میرے قریب آئے اور بغیر مجھ سے کچھ کہے سنے پن تلاش کر کر کے نکالنے لگے اور سب کے سب بہت صفائی سے نکال لئے۔

"شکریہ افضل" میں نے کہا "تم بہت ہوشیار ہو اور خادمہ کا کام اچھی طرح انجام دے سکتے ہو"

"ہاں" انہوں نے کہا "مجھے ملازم رکھ لو"

"اچھا۔ جب میں ایک کوئی اور ملازمہ رکھونگی تو تمہیں نہ بھولوں گی" میں نے ہنس کر کہا۔ مگر فوراً ہی اس جملہ کی ناگواری محسوس کی کیونکہ اس سے مجھے صنوبر کا سارا قصہ یاد آگیا۔ اور ان تمام چیزوں کا جو اس نے چرائی تھیں۔

افضل کی پیشانی پر بل پڑ گئے "کیا تمہیں معلوم ہے" انہوں نے کہا "کہ آج سر جہانگیر نے ہمایوں فر کو خوب آڑے ہاتھوں لیا"

"سر جہانگیر کون؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔

"تم بھی کس قدر بچہ ہو۔ سر جہانگیر تو گویا ہر اس شخص کے لئے جو کچھ حیثیت رکھتا ہے

نقاد کا حکم رکھتے ہیں اور انکی ہر بات مستند مانی جاتی ہے۔ ان کا ایک لفظ بھی بڑے سے بڑے واعظ کے سینکڑوں پند و نصائح سے زیادہ وقیع ہوتا ہے۔"

"اور انہوں نے مسز ہمایوں فر سے کہا کیا؟"

"انہوں نے کیا نہیں کیا؛ یہ ضرور ہے کہ کسی نے سُنا تو نہیں مگر خود انکی اور تمہارے شوہر کی نظروں سے بآسانی معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کیا کہا ہوگا۔ میں تم سے شرط لگاتا ہوں چھمو کہ وہ پھر کبھی آئندہ تمہاری توہین نہیں کرینگے۔ اور اگر کرینگے تو لات مار کر اچھی سوسائٹی سے نکال دیئے جائیں گے۔"

میں اپنے گھٹنے پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ اور کانپ بھی رہی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اس پر خوش ہوں یا افسوس کروں کہ میری طرف لوگوں کا کسقدر خیال لگا ہوا ہے۔ ایک طرف تو یہ کہ مجھے یقین تھا کہ مجھے ان تمام ذلتوں اور جلاپوں سے واسطہ آئندہ نہیں پڑیگا جن سے کہ پیرس میں اور ابتدا میں یہاں بھی پڑ چکا تھا۔ مگر دوسری طرف یہ کہ میرا ہی ذکر ہر ایک کی زبان پر تھا اور طرح طرح کی افواہیں اڑ رہی تھی۔

شادی بھی کسقدر عجیب چیز نکلی۔ اپنے ایام جہالت میں شادی کا مفہوم میرے نزدیک یہ تھا کہ فضل کے ساتھ ایسے دن گزرینگے جنمیں انہیں مجھ سے جدا ہونا نہیں پڑے گا اور اب فضل ہی مجھے یہ تمام باتیں بتا رہے تھے فضل اُسی قدر مہربان اور اچھے تھے جیسے کہ پہلے تھے۔ مگر اب جبکہ اسقدر فرق ہوگیا۔ دُنیا ہی بدل گئی اور مجھے بہت کچھ معلوم ہوگیا کہ زندگی کسے کہتے ہیں اور دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

"مجھے افسوس ہے"؛ میں نے ہلکی آواز میں کہا۔

"خیر اسے جانے دو۔ اس کے بارے میں زیادہ مت سوچو"!

وہ میری کرسی کی پشت پر کہنیاں ٹیکے کھڑے تھے' انہیں اپنے قریب پاکر مجھے کس قدر سکونِ خاطر میسر تھا! مگر پھر بھی ——

ہم خاموش تھے۔ پھر میں نے اپنے لمبے دستانے کے بٹن کھولنے شروع کئے۔ افضل نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میرے بائیں ہاتھ کے بٹن کھول دیئے پھر ایک دم سے میرے ہاتھ کو اُٹھا کر چوم لیا۔

اُن کے لب جل رہے تھے اور میں کانپ رہی تھی۔

"نہیں نہیں"! میں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا" انہوں نے کہا۔ وہ اب بھی میرا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ اور اُن کا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔ ایک نامعلوم جذبے نے مجھے انکی طرف پلٹ کر دیکھنے کے لئے مجبور کیا اور میرا دایاں ہاتھ بھی غیر ارادی طور پر وہاں پہنچ گیا جہاں بایاں تھا۔ مگر مجھے فوراً ہی محسوس ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے' میں اپنے نفس سے لڑ رہی تھی۔ کچھ خوف سے اور کچھ غصہ سے۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ تو بہتر ہے" میں نے کہا۔

میری آواز کمزور اور ہلکی تھی۔ میرے ہاتھ پر انکی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔

"کیوں؟"

میں فوراً ہی جواب نہ دے سکی۔

انکے چلے جانیکے سینکڑوں اسباب میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ اور

ان میں جو سب سے واضح تھا اُسے میں اپنی زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔

"میں کیوں چلا جاؤں؟" انہوں نے گرمجوشی سے کہا۔

میں نے کوشش کی کہ اپنا ہاتھ کھینچ لوں مگر مجھے معلوم ہوا کہ جیسے میری ساری طاقت سلب ہو گئی ہے۔ میری حالت ایک تنکے کی سی تھی ایک پر کی طرح جس میں قوتِ مدافعت نہ ہو۔

اس کے بعد پھر وہ بولے اور انکا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ آواز شکستہ تھی اور جذبات سے مغلوب مگر اس میں کچھ ایسی بات تھی کہ سیدھی دل میں اُترتی چلی جاتی تھی اور مجھے، میرے عزائم کو شکست دے رہی تھی۔ اور مجبور کر رہی تھی کہ میں انہیں انکی مرضی کے مطابق اپنے پاس ٹھہرنے دوں مگر میں پھر بھی سمجھ رہی تھی کہ مجھے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اس کی جرأت بھی نہیں کرنی چاہیے۔

"میں کیوں یہاں نہیں ٹھہروں؟ کیا میں وہی تمہارا افضل نہیں ہوں۔ چھمّو؟"

میں چاہتی تھی کہ اُن پر خفا ہوں کہ وہ اس لہجہ میں گفتگو کیوں کر رہے ہیں جس سے مجھ میں وہ احساس بیدار ہو رہا ہے جو مجھے یوں محسوس کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ وہ مرد تھے، وہ مجھ سے بہت زیادہ جانتے تھے انہیں یہ بھی ضرور معلوم ہو گا کہ وہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ وہ ان اصولوں کو کس طرح محو کر رہے ہیں جنہیں سختی سے قایم رکھنا چاہیے اور مجھے وہ تمام چیزیں بھلا رہے ہیں جنہیں مجھے یاد رکھنا چاہیے۔

ایک لمحہ کے لئے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں کانپتا رہا اور یہی کچھ کم نہ تھا کہ میں نے اپنی انگلیوں کو اُن کے ہاتھ کو محبت سے گرفت میں لینے سے باز رکھا۔ اس کے بعد ہی میں نے اپنے دل پر قابو پا لیا اور ہٹنے کی کوشش کی۔

"افضل کو دیکھنا چاہئے کہ میں تھکی ہوئی ہوں۔ اور مجھ پر سب سے بڑی مہربانی وہ یہی کر سکتے ہیں کہ مجھے آرام کرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیں کیونکہ طعام شب کے بعد مجھے پھر کہیں باہر جانا پڑے گا۔ اور اگر بغیر تکان اتارے میں کہیں جاؤنگی تو پھر میری خوبصورتی کی وہ ساکھ قائم نہیں رہیگی جس کے معترف خود افضل بھی ہیں۔" میں نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تم میری موجودگی میں آرام نہیں کر سکتیں؟ لاؤ میں تمہاری چیزیں اتروانے میں امداد کروں۔ ان تمام چیزوں کو پہنے ہوئے تم آرام نہیں کر سکتیں۔ تم اپنے معمولی کپڑے پہن کر جسقدر سست بننا چاہو بن سکتی ہو۔"

"نہیں۔ میں انہیں نہیں اتار سکتی۔ پیٹھ پر سے سب جکڑی ہوئی ہیں۔"۔

"لاؤ تو میں انہیں کھول دوں۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ میں ملازمہ کی خدمات اچھی طرح انجام دے سکتا ہوں۔"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اتنا سمجھدار نہیں ہوں؟"

"نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ مگر کوئی اندر آجاتے۔ اور تم کو اس حالت میں دیکھے تو کیا کہے؟"

"بہر حال کسی نہ کسی کو تو یہ کرنا ہی پڑیگا۔ کیا ابھی تم نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ آجکل کوئی ملازمہ نہیں ہے۔"

"ہاں۔ مگر جب میں گھنٹی بجاتی ہوں تو یہاں کی خادمہ آجاتی ہے۔"

"خیر تو اسی کو گھنٹی بجا کر بلا لو۔ کچھ ہی کرو مگر مجھے یہاں سے مت نکالو۔"

"مگر افضل یہ بہتر ہوگا کہ تم سر ہماؤں فرکی واپسی سے پہلے چلے جاؤ۔"

"وہ کچھ نہیں کہیں گے، میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ آج وہ ایک بھیڑ سے بھی زیادہ غریب ہونگے!"

"مگر میں یہ چاہتی ہوں کہ تم چلے جاؤ!"

"کیا! اس تمام گفتگو کے بعد کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جایا کروں؟"

مجھے یقین تھا کہ افضل اس گفتگو کا حوالہ ضرور دیں گے۔ مگر میں اس کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ سچ یہ ہے کہ میں ان سے یہ کسی طرح نہیں کہہ سکتی تھی۔ کہ میں خود اپنے آپ سے یکایک خائف ہو گئی تھی۔ ان سے بھی ڈرنے لگی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ اگر میں انسے ربط ضبط بڑھاؤنگی تو مجھ سے بیوقوفیاں ہونگی، ان پر اسقدر اعتماد کرونگی جسقدر کہ مجھے نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان سے راز کی باتیں بھی کہدونگی کہ میں خوش نہیں ہوں اور تنہائی محسوس کرتی ہوں۔

تنہائی! ہاں میں شدت سے تنہائی محسوس کر رہی تھی۔ اور اتفاق سے اس تنہائی کو افضل کی موجودگی میں اور بھی زیادہ محسوس کرتی ہوں بہ نسبت اس وقت کے جبکہ میں اکیلی ہوتی ہوں۔ تا ہم جذبات سے مغلوب ہوتے جا رہے تھے اور اسی کے بڑھ جانیکا مجھے خطرہ تھا۔ اسوقت کا خیال بھی مجھے آ رہا تھا جب میں رو پڑتی تھی تو افضل میرے آنسو پونچھ کر کہا کرتے تھے "بیوقوف مت بنو!"

مجھے افضل پر غصہ آنے لگا کہ وہ معاملہ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے یا دانستہ انجان بن رہے ہیں۔

میں نے بےچین ہو کر اپنا پاؤں زمین پر مارا اور کوشش کی کہ اپنا ہاتھ چھڑالوں اور

سیدھی ہو بیٹھوں۔ مگر انہوں نے میرا ہاتھ نہ چھوڑا اور میرے ہاتھ کے ساتھ کھینچ کر میرے آگے آ کھڑے ہوئے۔

"کیا تم نے خود مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ سیر گشت کے لئے چلا کرنا؟" انہوں نے ہنسکر مجھ سے پوچھا۔

"ہاں کہا تھا مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس طرح آ کر مجھے ستانا!"

"کیا تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے صرف اس حیثیت سے ملا کروں کہ جب تم بیگم حشمت جاہ کو بلایا کرو تو میں بھی اُن کے ساتھ آ جایا کروں؟"

"نادانی کی باتیں نہ کرو۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ میں درحقیقت اِس وقت تنہائی چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو مجھے ایک بوسہ دو اور میں فوراً چلا جاؤں گا۔"

وہ میرے بالکل قریب تھے۔ ایک لمحہ کے لئے تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ان کا مطالبہ پورا کر دوں۔ بلکہ خود بھی اس گرمجوشی کا جواب دوں مگر دوسرے ہی لمحہ میں اُچھل پڑی اور قہقہہ لگا کر بولی تم نہایت لغو بات کہہ رہے ہو فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے زیادہ نہ ستاؤ۔"

مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور میری مرضی کے خلاف میرے لب چوم لئے۔ ہاں میری خلاف مرضی گو میں نے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ میں جنبش بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں مفلوج ہو گئی ہوں۔ اور اس پر ستم یہ کہ ظاہر یہ ہوتا تھا کہ میں اپنی اس گرفتاری سے جان بوجھ کر چھٹکارا حاصل کرنا نہیں چاہتی۔

ایک دم سے میں نے اپنے آپ کو چھڑایا۔ اتنی شدت سے کہ میں زمین پر گرتے گرتے سنبھلی۔

"کیسے تم نے ۔۔۔؟" میں نے چیخ کو دباتے ہوئے کہا! "تمہیں اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

"تم سے محبت کرنیکا کوئی حق حاصل نہیں؟ کیوں نہیں؟ مجھ سے زیادہ اور کون مستحق ہے؟ چھمو کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں تم سے محبت کروں؟ تم اسقدر تنہا، اسدرجہ مجبور نظر آتی ہو کہ تمہیں دیکھ کر میرا دل خون ہو جاتا ہے۔"

میں صرف اپنے پہلے ہی الفاظ دہرا سکی۔

"تمہیں کوئی حق نہیں۔ کوئی حق نہیں۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے تمہیں اس کا شبہ بھی ہو۔"

"میں تمہیں شہید سمجھتا ہوں چھمو۔ اس سے کم نہیں۔ اوروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے تمہاری قربانی کی گئی ہے۔"

"بیہودہ باتیں مت کرو۔ میں شہید وہید نہیں ہوں اور اگر ہوں بھی تو کوئی وجہ نہیں کہ تم مجھ سے اس طرح پیش آؤ کہ گویا میں حرمت و عصمت بھی نہیں رکھتی۔"

"چھمو تم ایسی باتیں کس طرح کہہ سکتی ہو۔"

"میں اسلئے کہتی ہوں کہ یہ سچی باتیں ہیں۔ تمہیں اتنے حالات ضرور معلوم ہیں کہ میرے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔"

میرے آنسو نکل پڑے اور میں نے صوفے میں منہ چھپا لیا۔ افضل نرم سا اور معافی کے خواستگار تھے۔

اچھتو! خدا کے لئے اس رونے دھونے کو بند کرو۔ اس سے میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں وحشی درندہ ہوں" انہوں نے کہا۔ "میرا یہ ہرگز مقصد نہیں تھا کہ تمہیں رُلاؤں۔ اور اس میں رونے کی بات ہی کونسی ہے؟ تم مجھ سے اسلئے خفا کیوں ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ تم کو اس طرح ذلت و پستی میں دیکھ کر دیوانہ ہو جاتا ہوں؟"

میں ایک دم سے اُٹھ بیٹھی اور آنکھیں خشک کر کے بولی "میں خفا ہوں اسلئے کہ تم اسبات کا لحاظ نہیں رکھتے کہ میرے ساتھ اب تمہیں کس طرح پیش آنا چاہیئے۔"

"چلو ہٹاؤ اس جھگڑے کو چھتو پیاری"

"اور مجھے پیاری مت کہو۔ تم مجھے پہلے اس طرح مخاطب نہیں کیا کرتے تھے۔"

ایک منٹ تک وہ کچھ نہ بولے۔ میں بیٹھی رو رہی تھی۔ پھر انہوں نے اپنا ایک ہاتھ سوفے کے ایک سرے پر رکھ کر آہستہ سے پوچھا "تو کیا میں چلا جاؤں؟"

میں نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔ پھر میں نے نظر اُٹھا کر انکی طرف دیکھا تو بہت افسردہ، مہربان اور خوش رو بالکل وہی پہلے سے فضل نظر آئے۔ میں نے جو انکی طرف دیکھا تو وہ پلٹ کر جانے لگے۔

شاید یہ بھی انکی ایک چال تھی اور درحقیقت وہ جانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر اس طرح مُنہ پھیر کر جانا مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔

"فضل مت جاؤ۔ اس طرح مت جاؤ!" میں نے کہا۔

وہ خاموشی سے واپس آ گئے۔ آہستہ آہستہ اس طرح کہ میں خوف زدہ نہ ہوں اور میرے برابر سوفے پر آ بیٹھے۔ میرا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دوسرے سے میں اپنی

آنکھیں ملتی رہی۔ اور جب ہم اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، دونوں خاموش، تو میں نے ایک آواز سُنی اور میں نے اس طرف دیکھا تو سرہمایوں فر سامنے کھڑے ہماری طرف گھُور رہے تھے۔

میرے مُنہ سے صرف ایک گھُٹی ہوئی چیخ نکلی۔ اور فضل اُچھل پڑے۔

سرہمایوں فر ہنسے مگرانکی پیشانی پر اور بھی زیادہ بل پڑ گئے۔

"تو اس طرح آپ میری مہمان نوازی سے فائدہ اٹھاتے ہیں" انہوں نے فضل سے کہا۔

مگراس سے پہلے کہ فضل کوئی جواب دیں میں ان دونوں کے بیچ میں آگئی اور میں نے جلدی سے کہا "فضل میرے ماموں زاد بھائی ہیں، انہوں نے کیا فائدہ اٹھایا؟"

سرہمایوں فر نے میری طرف تیوری چڑھا کر دیکھا اور پھر مجھے ایک طرف ہٹا دیا۔

فضل بولے "میں چھمّو کو آپ کی رضامندی سے یہاں لیکر آیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ لہٰذا آپ کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں آپ کی مہمان نوازی سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ میں نے اور کچھ نہیں کیا"

میں اسی فکر اور پریشانی میں تھی کہ سرہمایوں فر نے کیا کیا سنا اور دیکھا ہے۔ اتفاق سے اسی حالت پریشانی میں میری نظر آئینہ پر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ فضل سے اُلجھنے اور اور صوفے میں مُنہ چھپا کر رونے میں میرے بال بہت پریشان ہو گئے تھے۔ اس طرح اگر سرہمایوں فر نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا اور کچھ بھی نہیں سنا تھا تو میرے بالوں ہی سے وہ سمجھ سکتے تھے کہ ہم دونوں کم از کم الگ تھلگ نچلے نہیں بیٹھے تھے۔

اس کے علاوہ میری سُرخ آنکھیں تھیں اور گیلا رومال!

ہم سب عجیب کشمکش میں کھڑے تھے۔ میں نے یہ دیکھکر کہ سرہمایوں فرخود تذبذب کی حالت میں ہیں ہمکو کس طرح اور کس لہجہ میں مخاطب کیں یہ میں نے یہ طے کرلیا کہ ایسی کوئی بات ان کے علم میں نہیں آئی ہے جسے ناگوار کہا جائے۔ پھر یہ جانتے ہوئے کہ افضل سے یہ کتنا قریبی رشتہ ہے۔ انہوں نے اگر کچھ دیکھ بھی لیا تھا تو انہیں اسپر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے تھا کہ افضل نے میرا منہ کیوں چوما؟ کیونکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ جب انکی طرح کوئی آزاد مزاج ہو تو اُسے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی بیوی پر اسقدر سخت گیر ہو۔ بیونچکے میں نے ہی خاموشی کو توڑا۔

"افضل" میں نے کہا، اور اپنا ہاتھ انکی طرف بڑھادیا "تم نے بڑی مہربانی کی کہ مجھے گھر تک پہنچا دیا۔ بہت بہت شکریہ۔ آپا حسنی سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں انہیں تماشہ کے بارے میں خط لکھوں گی' خدا حافظ"

اس کے بعد میرے دل میں خدا جانے کیا سمائی کہ میں نے اپنا مُنہ افضل کی طرف بڑھا دیا۔ تاکہ وہ مجھے الوداعی بوسہ دیں۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ مگر میں نے سوچا کہ اس مظاہرہ سے سرہمایوں فر پر ظاہر ہو جائیگا کہ ہم دونوں میں بیحد خلوص ہے۔ اور افضل نے بھی دانشمندی سے سمجھ لیا اور میرے رخسارے پر ایک ہلکا سا بوسہ ثبت کرکے رخصت ہو گئے۔ مگر وہ بھی خوفزدہ نظر آتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ٹھٹک کر مجھے پریشانی سے دیکھا۔ مگر میں اس وقت آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال ٹھیک کر رہی تھی۔ اور آئینہ میں ان کا عکس دیکھکر میں نے مطمئن انداز سے سر کو جنبش دی۔

مگر میرے دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ خصوصاً جب میں نے سرہمایوں فر کے قدموں کی

واز بالکل اپنے قریب سنی اور جب پلٹ کر انکی طرف دیکھا تو وہ میرے پاس کھڑے تھے۔ اور چہرے سے شیطنت ٹپک رہی تھی۔ رنگ سُرخ تھا۔ اور پیشانی پر ایک نیلی موٹی سی رگ اُبھری ہوئی تھی جس سے وہ اور بھی زیادہ خوفناک نظر آرہے تھے۔

وہ میرا راستہ روکے کھڑے تھے اس طرح کہ میں باہر نہیں جاسکتی تھی۔ اس لئے میں سوفے کے پاس جاکر اپنی ٹوپی اور دستانے اٹھانے لگی۔

"میری نئی ملازمہ کب آئیگی" میں نے پوچھا۔ محض اسلئے کہ کوئی بات کیجائے۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں نے تمہاری اماں سے کہدیا تھا کہ تمہارے پاس آج کل کوئی ملازمہ نہیں ہے۔"

انہوں نے کچھ بھینچ کر باتیں کیں اور میں نے دیکھا کہ حسنِ اتفاق سے میں نے ملازمہ کا ذکر اچھا چھیڑا۔ کیونکہ یہ انکی ایک دُکھتی ہوئی رگ تھی۔

"خیر اس کا تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ فردوس نگر میں بھی بعض دفعہ بغیر کسی ملازمہ کے میں اپنا کام کرلیتی تھی۔ میری بوڑھی ددا اگر بیمار پڑجاتی تھی تو میں کسی اور ملازمہ سے کام نہیں لیتی تھی۔"

میری بناوٹی ہمت نے زیادہ ساتھ نہ دیا۔ جب میں نے دروازے کا رُخ کیا تو ہاتھ پاؤں پھولنے لگے اور میرے ہاتھ سے ٹوپی گر پڑی۔

مسٹر ہمایوں فر نے ٹوپی اٹھا کر دیتے ہوئے کہا۔ "تو اپنے عزیزوں کو آپنے اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اظہارِ محبت کیا کریں؟"

انکے لہجہ میں زیادہ سختی نہیں تھی اور وہ کچھ کھسیانے ہو رہے تھے۔

"نہیں میں کسی کو اظہارِ محبت کرنے نہیں دیتی"! میں نے کہا۔

"تم نے انہیں پیار کرنے دیا"!

"تو پھر کیا ہوا؟ وہ میرے بھائی ہوتے ہیں"!

"میں اس بے تکلفی کو پسند نہیں کرتا"!

میں نیچے دیکھنے لگی اور کچھ نہ بولی مگر میرے چہرے کی حالت ہی بہت کچھ کہے دے رہی تھی کیونکہ انہوں نے پھر فوراً ہی کہا۔

"ایک عورت اور خصوصاً حسین عورت زیادہ محتاط نہیں رہ سکتی میں سمجھتا ہوں کہ بیگم بلند اختر کی صاحبزادی ان عورتوں میں سے نہیں ہیں جو خود کو مردوں جتنا آزاد سمجھتی ہیں"!

"ہاں، میں کبھی ایسا خیال دل میں نہیں لا سکتی"!

شاید وہ اپنی گفتگو کو اس طرح جاری نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ انہوں نے میری ٹوپی کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اسکا ایک پر بھی کھینچ کر نکال دیا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے کافی پریشانی اٹھانی پڑی ہے بالخصوص ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے آپ کو تمہارا دوست ظاہر کرتے ہیں،" انہوں نے بالآخر مجھے گھورتے ہوئے غصہ سے کہا۔

مگر مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آج چونکہ میں نے ایک نیا طریقہ مقابلہ کا اختیار کیا تھا۔ اس لئے وہ بھی زیادہ لحاظ کر رہے تھے۔ اور گو انہیں بہت غصہ آ رہا تھا تاہم اپنے مزاج کو انہوں نے بے قابو نہیں ہونے دیا۔

"اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے،" میں نے نرمی سے کہا۔

"ہاں نہیں، یہ تو میں بھی نہیں کہہ رہا۔ مگر جتنا زیادہ کہ میں تمہارا خیال رکھتا ہوں اس کے مقابلہ میں یہ سمجھا جانا کہ میں تمہارے ساتھ بدسلوکی کرتا ہوں، اس سے مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ۔ کہ۔۔۔"

"یہ ایسی کوئی بات نہیں جیسے آپ تعجب کریں" میں نے کہا۔

"میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنے ماموں زاد بھائی کو پھر کبھی یہاں نہیں بلاؤ گی۔"

میرے دماغ میں ایک دم سے خون کھولنے لگا اور میں نے سوچ لیا کہ اب کی دفعہ پوری طرح مقابلہ کر کے باپ ہی کاٹ دوں۔

"میں اس کا وعدہ نہیں کر سکتی کہ اپنے دوستوں سے کبھی نہیں ملونگی" میں نے رک رک کر کہا۔

"میں نے تو یہ نہیں کہا۔ مگر جوان مردوں سے اس طرح ملنا۔ تنہائی میں۔"

"آپ اسکو میرے جذبۂ پسندیدگی پر چھوڑ سکتے ہیں۔"

میری ہمت بڑھتی جا رہی تھی۔ سر ہمایوں فر نے میری طرف دیکھا اور دوسرا پیرایہ اختیار کیا۔ وہ مجسم اخلاق بن گئے اور لگے خوشامد کی باتیں کرنے۔

"اگر تم اسقدر حسین نہ ہوتیں چھمو تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔ مگر چونکہ تم ہو اور ہر شخص کی زبان پر تمہارا ہی ذکر ہے تو اکثر نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ تمہاری ایک ایک بات دیکھی جائیگی اور اسپر رائے زنی کیجائیگی۔ آج میں اپنی بیوی پر بڑا نازاں تھا اور اسوقت کا خیال کر رہا تھا جبکہ میری بیوی مہمانوں کا خیر مقدم کر رہی ہوگی۔ ایسے مہمانوں کا جنمیں شاہی خاندان کے افراد بھی شامل ہونگے۔ لندن کے ایک بڑے عالیشان محل ہیں اور میں جانتا ہوں

کہ وہ ایک شہزادی کی طرح اپنے فرائض انجام دے گی۔"

وہ یہ خوشامدانہ باتیں کہتے جاتے تھے اور میرے قریب آتے جاتے تھے، مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے گویا مجھے کھا جانیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ میری ٹوپی کا ایک ایک پر انہوں نے دورانِ گفتگو میں اپنے دانتوں سے نوچ ڈالا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ان کے سارے نقلی دانت اور سونیکے پترے بھی نظر آرہے تھے۔ انکی اس وقت کی حالت میں کیا بیان کروں؟ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک وحشی درندہ ہے جو اپنے شکار پر جھپٹنا ہی چاہتا ہے۔

میرا سانس پھول رہا تھا اور اُن سے بچتی ہوئی میں تیزی سے دروازہ کی طرف چلی "اگر تم اپنے عزیزوں کو پیار کرسکتی ہو" انہوں نے جلدی سے کہا اور میرے پیچھے جھپٹے "تو تم اپنے شوہر کو بھی پیار کرسکتی ہو"

مگر مجھے اب آزادی کی ہوا لگ گئی تھی۔ اور مجھ میں پہلے سے زیادہ ہمت آگئی تھی۔ "اگر ہم درحقیقت میاں بیوی ہوتے" میں نے کہا، ایک ایسی خشک اور بھاری آواز میں کہ میری آواز ہی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ "تو اور بات تھی مگر ہم نہیں ہیں۔ میں تمہاری بیوی کبھی نہیں رہی ہوں اور تم میرے شوہر کبھی نہیں رہے ہو"

"تمہارا کیا مطلب ہے؟"

وہ یہ سُنکر صاعقہ زدہ سے رہ گئے تھے اور انکی آنکھیں فرطِ استعجاب سے نکل پڑی تھیں۔ مگر اب میں اس قدر مشتعل ہوچکی تھی کہ مجھے رُکنا مشکل تھا اور عرصہ سے میرے دل میں جو کچھ تھا۔ میں نے سب کچھ کہہ ڈالا۔

"اگر چہ میں کسی کی شادی کیوں ہوتی ہے۔ خدا سے برکتیں کیوں مانگی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے وعدے وعید کیے جاتے ہیں۔ جب شادی کی وقعت وہ ہو جو آپکی نظروں میں ہے؟"

وہ بھونچکے ہو گئے اور عجیب بات یہ تھی کہ وہ اسقدر بھونچکے ہوئے تھے کہ گویا میں نے کوئی بہت خوفناک یا نہایت نازیبا بات کہی تھی۔

"تمہارا کیا مطلب ہے؟"

اُنہوں نے پھر وہی جملہ ہکلا کر کہا۔ غالباً اس وجہ سے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک اطاعت گذار فرمانبردار لڑکی جس سے انہوں نے شادی کی تھی ایک دم سے ایسی عورت کیسے بن گئی جو خود بھی سوچ سکتی ہے اور اپنے بچاؤ میں بول سکتی ہے۔" اب تمہیں کس بات کی شکایت ہے؟"

"کسی بات کی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میں شکایت نہیں کرتی۔ آپ جانتے ہیں کہ آپنے ابھی کہا تھا کہ آپ میرے شوہر ہیں اور آپ نے اس طرح باتیں کیں گویا آپ کو وہ حقوق حاصل ہیں۔ جو اور مردوں کو حاصل نہیں ہیں۔"

اُنہوں نے مجھے بُری طرح گھورا اور ان کا چہرہ اور بھی سرخ ہو گیا۔

"غالباً تم اس سے انکار تو نہیں کر سکتیں؟"

"ہاں میں اس سے انکار کرتی ہوں"

وہ آگے بڑھے اور ایک کُرسی کی پشت سے سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔

"تمہارے دل میں کچھ عجیب وغریب خیالات جمع ہو گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ

کسی نے تمہارے کان بھرے ہیں" انہوں نے مشتبہ انداز سے کہا "تم ایسی تو نہیں تھیں۔ یہ لہجہ تو تم نے اسوقت اختیار نہیں کیا تھا جب ہماری نئی نئی شادی ہوئی تھی"

"جی نہیں۔ میں اس قدر متعجب تھی کہ مجھے سوچنے کا بھی وقت نہیں ملا تھا۔ میں اُس بھیڑ کی طرح تھی جو پکڑ کر باندھ دی جاتی ہے کہ اُسے حلال کر دیا جائیگا۔ اور آپنے میری معصومیت پر ظلم کیا سرہمایوں فر"

جب میں نے ان کا نام لیا تو انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ عموماً میں اُنہیں کسی خاص لفظ سے مخاطب نہیں کرتی تھی اور ان کا نام تو میں نے کبھی لیا ہی نہیں تھا۔ اُنہوں نے خوفناکی سے میری طرف گھورا اور پھر کرسی کی پشت پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ سخت چوٹ لگی ہو گی۔

"یہ تمہاری ——— ماں نے سکھایا ہے یا اس تمہارے ——— بھائی نے" اُنہوں نے دانت پیس کر کہا۔ میں وہ الفاظ نہیں لکھ سکتی جو انہوں نے کہے۔

میں نے اپنا سر ہلا کر کہا: "نہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں سکھایا بلکہ میرے ——— شوہر نے۔" میں نے بھی غصہ میں وہی صفات اُن سے وابستہ کیں جن سے اُنہوں نے اماں اور فضل کو متصف کیا تھا۔ میں کہنے کو تو کہہ گئی مگر بعد میں بہت ڈری کیونکہ یہ الفاظ ایک خاتون کے شایان شاں نہیں تھے ان سے سرہمایوں فر کو سکتہ سا ہو گیا۔ انہوں نے دیدے پھاڑ کر میری طرف دیکھا گویا پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔

"ک ک ——— کیا بات ہے، جو تم اس طرح مجھ سے باتیں کر رہی ہو؟" انہوں نے بڑی مشکل سے ہکلاتے ہوئے کہا۔ "اگر انہی لو ۔ لو ۔ لوگوں نے تمہیں نہیں بہکایا تو

اور کیا بات ہوسکتی ہے؟ اور اسکا ک.... ک..... کیا مطلب ہے، کہ ابھی تم مجھے اپنا شوہر کہتی ہو اور پھر یہ بھی کہتی ہو کہ میں تمہارا شوہر نہیں ہوں؟"

مجھے جواب دینے سے پہلے ذرا سوچنا پڑا کیونکہ واقعی میں نے یہ غلطی کی تھی۔ ذرا سے توقف کے بعد میں نے کہا،" جب آپ نے مجھ سے یہ کہا کہ میں اپنے دوستوں سے بھی نہ ملوں۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ مجھ سے ناجائز مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ ہوسکتا تھا کہ اگر کوئی ناگوار صورتِ حالات ہوتی تو آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے۔ مگر بصورتِ موجودہ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو اسکا کوئی حق نہیں ہے"۔

"اچھا اچھا تو؟"

"اس طرح میں سمجھتی ہوں کہ میں بھی آپکے احکام کی تعمیل کرنے سے معذور ہوں کیونکہ میرے اور آپ کے حالات میں اختلاف ہے"

"کیسا اختلاف؟"

"یعنی اگر آپ صرف ایک بیوی پر اکتفا کر سکتے"

انہوں نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا اور غصہ میں بھنّا کر اول فول بکنے لگے۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اُن کے ہاتھوں میں اپنی ٹوپی چھوڑ کر دروازہ میں جلدی سے نکلتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ کر پہنچ گئی۔ میں جانتی تھی کہ اب وہ میرے پیچھے پیچھے یہاں آنے کی ہمت نہ کرینگے۔

اس کے بعد میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ کھانا بھی میں نے ان کے ساتھ نہیں کھایا اور کہلوا بھیجا کہ میرے سر میں درد ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ میرا سر

پھٹتا جا رہا ہے۔ اور میں بمشکل تمام اپنا روزنامچہ لکھ رہی ہوں۔

آہ! اب کیا ہونے والا ہے؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک نیا راستہ میرے سامنے اور کھل گیا ہے اور مجھے یہ بالکل نہیں معلوم کہ یہ کہاں جائیگا۔

نالس ۲۸ مارچ سنہ

دو دن یونہی گذر گئے ہیں اپنے روزنامچہ میں کچھ بھی نہ لکھ سکی، اب مجھے اتنے کام تھے اور سوچنے کی اتنی باتیں تھیں کہ ایک لفظ لکھنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ پرسوں کے دن کی ابتدا اچھی طرح ہوئی کیونکہ سرہمایوں فرجن سے مجھے آنکھیں ملاتے ہوئے بھی لحاظ آرہا تھا صبح مجھ سے بہت خندہ پیشانی سے ملے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے گذشتہ شام کے واقعات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ انہوں نے خاص طور سے مجھ سے پوچھا کہ آج سہ پہر کو کنیز چلتے وقت تم کیا پہنو گی،، ؟ اور جب میں نے بتایا کہ پھر وہی لباس پہنونگی جو اُس دن پہنا تھا، ہلکے نیلے رنگ کا جسکی اس قدر تعریف کی گئی تھی، تو انہوں نے کہا کہ ”میری مرضی تو یہ ہے کہ تم کچھ اور پہنو“

مجھے یہ بجد فضول خرچی معلوم ہوتی تھی مگر میں نے اقرار کر لیا اور جب سہ پہر کا وقت ہوا تو میں نے ایک اور جوڑا پہن لیا جو میں اپنے ساتھ لندن سے لائی تھی اور جس کی قیمت مجھے یقین ہے کہ سرہمایوں فرجن ہی نے ادا کی ہو گی۔ یہ سفید کشمیرے کا تھا۔ سفید ریشم کے بڑے بڑے پھول اُس پر بنے ہوئے تھے اور چوڑی چوڑی بیلیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ایک اور بہت بڑی ٹوپی پہنی جس کا رنگ سیاہ تھا اور اُس میں صرف ایک بڑا سا شتر مرغ کا پر لگا ہوا تھا۔ ایک سفید ریشم کی ہلکی سی چھتری میرے ہاتھ میں تھی میں نے اسے پہن کر محسوس کرنا شروع کیا کہ ملبوسات کا شوق عورتوں میں کس طرح بڑھ جاتا ہے اور اس پر کیوں فضول خرچی کرنے لگتی ہیں۔ میں خود ایک قسم کی مسرت محسوس کر رہی تھی یہ دیکھکر کہ محض تبدیلِ لباس کی وجہ سے میں کس

طرح یکایک ایک نیلی گڑیا سے سفید گڑیا بن گئی تھی۔ میں یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر دادا اور گل چمن اور میرے پرانے ہمسائے مجھے اس لباس میں دیکھیں تو کیا کیا کہیں گی؟ سچ مچ میں عین مین ایک گڑیا بنی ہوئی ہوں اور کٹھ پتلی کی طرح مجھ پر کپڑے لاد دیئے گئے ہیں تاکہ قیمتی کپڑوں کی اچھی طرح نمائش ہو سکے۔

مجھے دیکھکر سر ہمایوں فر کی باچھیں کھل گئیں اور "اسٹائیل" میں ترقی کرنے پر میری تعریف کی۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ عورت کی خوبی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ روزانہ کم از کم تین جوڑے بدلے۔ میں اپنے ذہن میں شوہر اسے سمجھتی ہوں جو مجھے سیدھے سادے کپڑے پہننے دے تاکہ میں آسانی سے بھاگ دوڑ سکوں اور جب وہ کپڑے میلے ہو جائیں تو دھلنے ڈالدوں۔

ہم افضل، نواب اور بیگم حشمت جاہ سے ملے۔ میرا وقت خوب گذرا کیونکہ جب سب کے سب ٹینس کھیلنے لگے تو میں اور افضل ایک طرف کو ہو لئے اور ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ افضل بہت نرم دلی اور تپاک سے پیش آئے اور کہا کہ "سر ہمایوں فر نے تو تمہارے ساتھ کوئی بیجا سختی تو نہیں کی"؟ اور جب میں نے ان سے کہا کہ کوئی بات نہیں ہوئی اور میں نے انسے اقرار کیا تھا کہ اپنے دوستوں سے ضرور ملوں گی تو افضل نے کہا "شاباش"! اور یہ بھی کہا کہ اب معاملات ہموار ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ میں اپنی زندگی اپنی حسب مرضی آرام و آسایش سے گذار سکوں گی۔ میرا دل بہت ہی خوش تھا اور جب آپا حسنی نے آکر مجھے چلنے کے لئے کہا تو ان کا کہنا ناگوار گذرا خصوصاً جب انہوں نے کہا "افضل تم چھو سے زیادہ پینگ نہ بڑھاؤ"۔ افضل کو

انکی بات بُری معلوم ہوئی کیونکہ انکی تیوری پر بل پڑ گئے مگر آپا حسنیٰ بھلا کب چوکنے والی تھیں۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لیکر چلدیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ بیکار باتیں کرینگی۔ اور جتنی بھی افواہیں اڑ رہی ہیں سب کی تفصیل مجھے زبردستی سننی پڑے گی یہ مصیبت یہ ہے کہ آپا حسنیٰ کی باتیں طول طویل اس قدر ہوتی ہیں کہ بہت دیر میں ختم ہوتی ہیں۔ یہاں کے ہر شخص کے بارے میں اُن کو کچھ نہ کچھ کہنا ہوتا ہے اور "ایک بڑے مزے کی بات" اور "ایک بڑی اچھی کہانی" کہہ کہکر وہ ناک میں دم کر دیتی ہیں۔

مگر مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ ایک اس سے بھی بدتر سلسلۂ گفتگو کا آغاز کرنے والی ہیں۔ کیونکہ موضوع سخن مشتمل تھا سر ہمایوں فر، فضل اور مجھ پر۔

"میری پیاری چھمّو!" انہوں نے کہا "میں تمہیں ایک ذرا سا مشورہ دینا چاہتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم اس پر عمل کر کے اپنی عقلمندی کا ثبوت دو گی۔ تم نے اپنے حُسن اور عمدہ لباسوں سے یہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے۔ سر ہمایوں فر تمہاری تعریفیں کرتے کرتے تھکے جاتے ہیں اور اگر تم ذرا سی چالاکی سے کام لو تو پھر سر ہمایوں فر کو اپنی مُٹھی میں کر لو گی۔"

میں نے تیوری چڑھائی۔ مجھے چالاکی کے نام ہی سے نفرت ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جھوٹ بولا جائے اور جھوٹ ظاہر کیا جائے۔

"ہاں میں جانتی ہوں وہ خوش ہیں" میں نے کہا۔

"اور کوئی اور ناخوش ہے۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں سے ایسی باتیں کہتے لحاظ آتا ہے مگر کیا کیا جائے۔ تم نے مسز نعیم کا نام تو سنا ہی ہوگا!"

ان کے منہ سے اس بے تکلفی سے مسز نعیم کا نام سنکر مجھے افسوس ہوا۔ لیکن میں نے ضبط کر کے کہا " ہاں سُنا ہے "۔

" اچھا تو وہ آج کل مانٹی کارلو میں ٹھہری ہوئی ہے اور سر ہمایوں فر روزانہ اُس کے پاس جایا کرتے ہیں "۔

" آپا حسنیٰ! خدا کے لئے مجھ سے ان باتوں کا ذکر مت کرو۔ جب تک سر ہمایوں فر مجھے اس طرح آزاد اور خود مختار زندگی گذارنے میں حائل نہ ہوں گے میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تم جانتی ہو کہ میری شادی کیسی شادی ہے اور مجھے اُن کی طرف سے اور بھی متنفر کرنے کی کوشش تمہیں نہیں کرنی چاہئے' وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں میں نہیں چاہتی کہ مجھے اُس کا علم ہو اور جب تک میں خود کچھ نہ دیکھوں میں ایسی باتیں سننی نہیں چاہتی "۔

" ہاں چھمو پیاری۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہوتا اگر اِسی طرح معاملات قایم رہیں۔ مگر تم موقع کی نزاکت کو محسوس نہیں کر رہیں۔ یہ عورت صرف بہت حسین ہی نہیں ہے بلکہ بہت چالاک اور ضدی بھی ہے۔ اُس نے طے کر لیا ہے کہ اسے سر ہمایوں فر کی بیوی بننا ہے اور اس میں اسے کامیابی کی توقع بھی ہے، چونکہ سر ہمایوں فر کو تم نے مجبور کر کے آزادی حاصل کی ہے اسلئے اس طرزِ عمل میں انہیں اپنی ذلت نظر آتی ہے۔ کیا تم خود نہیں سمجھ سکتیں کہ وہ ایسی صورت میں کیا سوچتے ہوں گے "؟

مجھے تو اس میں کوئی بات نظر نہ آتی تھی چنانچہ میں نے کہا " میں نہیں سمجھ سکتی "۔
انہوں نے آہ سرد کھینچی اور اوپر کو دیکھنے لگیں گویا کسی ضدی بچہ سے باتیں کر رہی تھیں۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارے شوہر جیسا آدمی اس پر ہمیشہ ہمیشہ مطمئن رہے گا کہ جو تمہارے جی میں آئے کرتی رہو اور منہ سے کبھی لفظ اُف بھی نہ نکالے"؟

میں کچھ بےچین سی ہوئی اور تیزی سے بولی "اگر وہ مطمئن نہ ہونگے تو میں اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی۔ جو سلوک کہ میرے ساتھ پیرس میں کیا گیا تھا وہ اب یہاں نہیں ہو رہا ہے میں اُسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔ ابا اور اماں بھی سے بھی گوارا نہیں کرسکتے۔ اس کے علاوہ ۔ آہ! میں برداشت نہیں کرسکتی۔ نہیں کرسکتی"

آپا حسنی نہایت نرمی سے مجھے سمجھا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں ڈال لیا اور کہنے لگیں "تمہیں تھوڑی بہت چشم پوشی بھی کرنی پڑے گی اور درگذر سے بھی کام لینا پڑیگا ورنہ خدا نہ کرے اس کا انجام غمناک ہوگا۔ سنو یہ ہوسکتا ہے کہ جب سرہمایوں فر نے تم سے شادی کی تھی تو ان کو تم سے بہت زیادہ محبت نہیں تھی اور غالبًا بالکل بھی نہیں تھی۔ مگر اب وہ تم سے روز بروز زیادہ محبت کرتے جاتے ہیں"

میں نے غصہ سے انکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں یہ کب چاہتی ہوں۔ میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتی۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں" میں نے تیزی سے کہا۔

"تم کبھی اُن سے محبت نہیں کرسکتیں، یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔ لیکن یہ تو تم کرسکتی ہو کہ اگر وہ اپنی کتاب زندگی کا ایک نیا ورق الٹیں تو ان کے ساتھ نبھا دو"۔

"نہیں۔ نہیں۔ تم انہیں نہیں جانتی ہو۔ ایک ایسے شخص کو جس نے مجھ سے یہ سلوک کیا ہو"

"میری جان، تمہیں اس قدر سخت گیر نہ ہونا چاہئے کچھ رعایت سے بھی کام لینا چاہیئے۔ جینا بھی کچھ ہے اِس سے فائدہ نہ اٹھانے میں تو کوئی عقلمندی نہیں ہے"۔

"لیکن اگر وہ بھی مطمئن ہوں اور میں بھی۔"

"بدبختی سے تم دونوں میں سے ایک بھی مطمئن نہیں ہے"۔

آپا حسنیٰ بیکار باتیں زیادہ کرتیں ہیں۔ مُنہ دیکھے کی محبت جتاتی ہیں۔ حقیقتاً انہیں مجھ سے زیادہ ہمدردی نہیں ہے۔ اپنی بات کے آگے وہ کسی اور کی چلنے ہی نہیں دیتیں۔

"تو پھر تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا

یہی کہ اگر سرہمایوں فر کو خوش کرنیکی کوشش تم نہیں کروگی تو کوئی اور کریگا"۔

"ہاں۔ یہ مجھے بھی معلوم ہے۔ اور کوئی اور اُن کو خوش کرتا رہے گا۔ سمجھیں آپا حسنیٰ۔ سرہمایوں فر صرف ایک سے تو مطمئن ہو ہی نہیں سکتے"۔

"مگر کچھ عرصہ کے لئے تو یہ ممکن ہے میں تو کہتی ہوں کہ عقلمندی اِس میں ہے کہ تم ہی نرم پڑ جاؤ۔ اگر تم اُن کی لغزشوں کو معاف کردو تو معاملات ابھی سے ٹھیک ہو جائیں گے"۔

"میں یہ نہیں کرسکتی۔ ہرگز نہیں۔ آہ آپا حسنیٰ میں انہیں پسند ہی نہیں کرتی"۔

"میری پیاری بچی! اس کی تو توقع تم سے کوئی رکھتا ہی نہیں۔ لیکن تم ان کے ساتھ گذارہ تو کرسکتی ہو۔ یہ اُن کے لئے بہتر ہوگا اور تمہارے لئے تو بہت ہی اچھا ہوگا"۔

"تم اس معاملہ میں کیوں دخل دیتی ہو آپا حسنیٰ جب وہ اور میں اس طرزِ عمل میں بھی مطمئن ہیں؟"

"یہ باتیں زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رہ سکتیں"۔ اُنہوں نے جلدی سے جواب دیا

سرہمایوں فر تمہاری شکایتیں کرتے ہیں اور پھر مانٹی کارلو میں وہ عورت موجود ہے۔ اب یا تو وہ ہوگی یا تم۔ اس کا اعتراف کرنا بہت ہی نازیبا بلکہ نفرت انگیز ہے۔ لیکن جبتک تم کچھ ایثار نہیں کروگی اور نرمی اور مہربانی سے پیش نہ آوگی تو کوئی ایسی ویسی بات ہوجائیگی اور پھر اس عورت کی دلی آرزو پوری ہوجائیگی خدانخواستہ۔"

"وہ کیسے؟" میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

آپا حسنیٰ نے کچھ توقف کیا۔

"سرہمایوں فر تم سے پیچھا چھڑانیکا بہانہ تلاش کریں گے۔"

میرا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"وہ یہ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ میں نے کوئی غلطی ہی نہیں کی ہو۔"

آپا حسنیٰ نے میری طرف مطمئن نظروں سے دیکھکر کہا "میری پیاری بچی! تم اتنی خوبصورت ہو کہ تنہا نہیں چھوڑی جاسکتیں۔ جب تمہارے شوہر کو تم سے اظہار محبت کرنے کی اجازت نہ ہوگی تو پھر کوئی اور تم سے محبت کرے گا اور دیر سویر تمہارے شوہر کو معقول عذر مل ہی جائیگا۔"

مجھے ان کی باتوں پر بہت ہی غصہ آیا۔

"یہ حد درجہ شرمناک ہے کہ مجھ پر شبہ کرتی ہو کہ میں کوئی ایسی حرکت کروں گی جس کی وجہ سے میرا شوہر مجھ سے پیچھا چھڑالیگا" میں نے چیخ کر کہا۔ "اور تم سب کے سب ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہو۔ پہلے مجھ سے یہ کہا گیا کہ انہوں نے شادی اس لئے کی تھی کہ اس طرح انہیں سوسائٹی میں جگہ مل جائے گی۔ اچھا تو اگر وہ میرے ساتھ بدسلوکی

کریں گے تو سوسائٹی سے پھر نکال دیئے جائیں گے۔"

مجھے تو اِس کا اس قدر یقین نہیں ہے۔ جب ایک دفعہ کوئی سوسائٹی میں داخل ہو گیا تو جب تک اُس کے پاس دولت ہے وہ نہیں نکالا جا سکتا۔" آپا حسنیٰ نے کہا۔ ان باتوں کو وہ خوب جانتی ہیں۔" اور پھر تمہارا تو ایک زبردست رقیب ہے۔ مسز نعیم تمہارے خلاف سر ہمایوں فر کو بھڑکاتی رہتی ہے۔"

"مگر میں نے کیا کیا ہے جو وہ بھڑکاتی ہے اور وہ بھڑک اٹھیں گے؟" میں نے کہا

"ایک ایسے شخص کے لئے جو ہر بات میں خود مختار رہا ہو اور اپنی مرضی کے مطابق کاربند رہا ہو یہ خیال دیوانہ کر دینے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسب مرضی رہنے سہنے میں مجبور و معذور ہے۔ چھمو میری بات مانو لئیے تم سے عشق ہی عشق ہے۔ مسز نعیم سے نجات حاصل کرنے میں تم اس عشق سے فائدہ اٹھاؤ۔ اِسے ایک شرط بنا کر پیش کر دو۔ موقع اب ہے جبکہ تمہارے حُسن کی دھوپ چڑھ رہی ہے۔ اب جبکہ تم سوسائٹی میں کامیاب ترین خاتون ہو جو تم چاہو گی ہو جائیگا۔"

"میں نہیں چاہتی۔ آہ ذرا ٹھرو ٹھرو۔ مجھے عجلت سے اسپر مجبور نہ کرو کہ۔ کہ۔" میری زبان اٹک رہی تھی حالانکہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں مگر آپا حسنیٰ تو آج تُلی ہوئی تھیں اور وہ بول اٹھیں "فضل کو تمہیں چھوڑنا پڑیگا۔"

"میں نہیں چھوڑوں گی۔" میں نے بھی فوراً جواب دیا۔

"تمہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ خود غرض ہے اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر کے اسے افسوس بھی نہ ہوگا چند ہفتوں کی مسرت کے لئے تم کیوں بدنامی مول لیتی ہو۔ جدائی

اب نہ ہوگی تو تھوڑے دنوں بعد ہوگی۔"

یہ ہی قدر سخت الفاظ تھے جس قدر کہ احمقانہ غریب افضل کو بھی میرے ساتھ سانا۔ میں نے اُن کی اور کوئی بات نہیں سنی فوراً ان کے پاس سے اُٹھ گئی اور کسی اور سے باتوں میں لگ گئی۔

مگر اس گفتگو نے میرا آج کا دن خراب کردیا کیونکہ افضل اور سر ہمایوں فر کے خیالات نے میرا دماغ پراگندہ کردیا۔ اور جب میں نائس واپس آگئی تو میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ ان تازہ پریشانیوں سے نجات ملی۔ یہاں پہونچکر مجھے معلوم ہوا کہ میری نئی ملازمہ آگئی تھی اور اُس کے آنے سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوئی۔ وہ ایک اچھی خاموش عورت ہے صنوبر سے یکسر جُدا۔

اس کا نام نرگس ہے۔

کل سہ پہر کو سر ہمایوں فر سے میری بڑے زور کی جھڑپ ہوئی نواب حشمت جاہ کے دوستوں میں سے کسی کے ہاں ہمارا بلاوا تھا۔ مگر ایک تو میں گذشتہ دنوں کی تھکن ابتک نہ اتار سکی تھی اور دوسرے یہ کہ کچھ بارش ہورہی تھی اسلئے میں نے سر ہمایوں سے گھر ہی رہ کر آرام کرنے کی اجازت چاہی اُنہوں نے اسے منظور کرلیا اور میں اپنا گلابی لبادہ پہنکر اپنے کمرے میں ایک سوفے پر دراز ہوگئی۔ نرگس کو میں نے رخصت کردیا اور کچھ اُونگ سی آچلی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا جب میں نے اندر آنے کو کہا تو سر ہمایوں فر اندر آگئے۔

میں ایک دم اچھل کر سیدھی ہو بیٹھی مگر انہوں نے کہا "لیٹی رہو" اور ایک کرسی

سوفے کے قریب اٹھا لائے۔ پھر مجھ سے بڑی مہربانی سے پوچھا "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم ابتک جیسی زندگی گذارتے رہے ہیں اس سے بہتر گذاریں؟"

میں اُن کے کہنے سے لیٹ گئی تھی مگر یہ سوال سُنکر پھر اُٹھ بیٹھی۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور میں نے بڑی مشکل سے کہا "اگر آپ کوئی مشورہ دیں تو میں اُس پر ضرور عمل کرونگی۔ اگر میرے بچپن اور بیوقوفی سے آپ کو تکلیف پہونچی ہے تو مجھے معاف کیجئے کیونکہ میں تو دیہات کی زندگی کی عادی تھی اور شہری رسم ورواج سے قطعًا ناآشنا"۔

"ہاں" انہوں نے کہا "مجھے اس کا احساس ہے مگر مجھے تو تعجب ہوتا ہے۔ یہ دیکھکر کہ تم نے اتنے جلدی سوسائٹی کی راہ ورسم سے کیسے واقفیت حاصل کرلی۔ تم تو بالکل اسی رنگ میں رنگ گئیں"۔

"جی نہیں۔ ابھی تو مجھ میں بہت خامیاں ہیں"۔ میں نے کہا۔

مگر وہ کچھ آج میری تعریف ہی کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔

"نہیں بالکل نہیں۔ میں نے تو اور کوئی عورت یہاں ایسی دیکھی نہیں جو تم سے بہتر نظر آئی ہو۔ تم بہت دلکش معلوم ہوتی ہو۔ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ کچھ غلط فہمیاں رُونما ہوگئیں اور ہم میں کشیدگی وکبیدگی رہی"۔

میرے دل میں پھر پریشانی پیدا ہوئی کیونکہ اب چند روز آزادی کے بسر کرنے کے بعد پھر طرز زندگی بدلنا مجھے گوارا نہ تھا۔ میں اس قسم کے خیالات دل میں لانے نہیں چاہتی تھی مگر اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ میں افضل سے اکثر ملتی رہی تھی، جن کی طرف میرا دل کھنچا جاتا ہے اور جب میں بچہ سی تھی تو یہی سوچا کرتی تھی کہ افضل سے میری شادی ہوجائیگی۔

اس لئے اب سرہمایوں فرکا لال لال چہرہ، نقلی دانت اور تامڑا سا سر مجھے بہت ہی بُرا معلوم ہوتا تھا۔ اور مجھے اُن سے اور بھی زیادہ نفرت ہوگئی تھی۔

میں نے اپنا سر جھکا لیا اور کچھ نہ بولی۔

"تم میرا مطلب سمجھ گئیں؟ شاید میں نے شروع شروع میں .... تم سے بے پرواہی کی اور تمہیں اس سے صدمہ پہونچا اور غالباً یہ خیال بھی گذرا ہوگا کہ میں اپنی خوبصورت بیوی کی جتنی کہ چاہیئے اتنی قدر نہیں کر رہا۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ واقعہ اس کے برعکس تھا۔ میں اس روز سے تمہاری تعریف کرتا ہوں جبکہ میں نے پہلی دفعہ تمہیں دیکھا تھا۔ تمہیں غالباً یاد ہوگا، جب تم ایک جوتی چھوڑ کر زینہ پر دوڑی چلی جا رہی تھیں۔"

وہ یہ کہکر ہنسنے لگے اور میں نے بھی ہنسنے کی کوشش کی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ کی طرف جو انہوں نے اشارہ کیا اور اس کے جو نتائج برآمد ہوئے انہیں یاد کر کے بجائے ہنسنے کے مجھے رونا آنے لگا۔

"جی ہاں مجھے یاد ہے"، میں نے بھاری اور گھُٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"بھلا جب میں نے تمہیں سیدھے سادے کپڑوں میں اور بغیر ایک جوتی کے دیکھکر تمہاری تعریف کی تو تم اندازہ لگا سکتی ہو جب تم اتنے قیمتی اور عمدہ لباسوں میں نظر آؤ گی تو میں تمہاری تعریف کس قدر کرونگا؟"، انہوں نے کہا۔ "میں نے دیکھا کہ تم ایک قیمتی ہیرا ہو اور میں نے اس ہیرے کی ذیب و زینت بڑھانے کے لئے حتی الوسع کوشش کی۔ شاید تم بھی اس کا اقرار کرو گی؟"

"آپ نے بڑی فیاضی سے کام لیا"، میں نے اسی گھُٹی ہوئی آواز مین کہا۔ اور

اس انتشار میں بیوقوفوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور محسوس کر رہی تھی کہ کوئی میرے دل میں چٹکیاں لے رہا ہے۔

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ تمام آسائشیں جو میں نے تمہارے لئے فراہم کردی تھیں بڑی حد تک اُن عدم موجودگیوں کی تلافی کر دیتی ہیں جو مجبوراً بسلسلہ کاروبار عمل میں آئیں اور جنہیں شاید تم نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا"

میں خاموش رہی۔ اگر واقعی کاروباری مصروفیات ہوتیں تو مجھے اعتراض نہ ہوتا مگر میں جانتی تھی کہ وہ غیر حاضریاں اور مصروفیات کچھ اور قسم کی تھیں۔ اس کے باوجود بھی میں ان واقعات کو چھیڑ کر انہیں مطعون نہیں کرنا چاہتی تھی جو اماں نے اُن کے ساتھ طے کر دیئے تھے اور میں سمجھتی تھی کہ آئندہ کیلئے بھی انکا سدباب ہو گیا۔

"میں یقین کرتا ہوں" انہوں نے میرے قریب اپنا منہ لاتے ہوئے کہا "کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہو گا"

اُنہیں اسقدر اپنے قریب دیکھکر میں خوف سے کانپنے لگی اور اس خیال سے کہ وہ میری حالت نہ دیکھ لیں میں اٹھکر میز کی طرف چلی تاکہ اپنی سونگھنے کی شیشی وہاں سے اٹھانے کا بہانہ کروں۔ سر ہمایوں فر بھی کھڑے ہو گئے اور ان کے چہرے پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے۔

"میں نے غالباً یہ تو آپ پر ظاہر نہیں کیا کہ انتقام لینا چاہتی ہوں" میں نے میز کا سہارا لیتے ہوئے کہا اور کچھ اس قدر گھبرا کر کہا کہ شاید اُنہیں اور بھی غصہ آیا ہو۔ کیا کرتی مجبور تھی "آپنے اماں سے جو فیصلہ کیا اس سے میں بھی مطمئن ہوں اور آپ کی

شکرگذار ہوں کہ آپ اسقدر مہربانی سے اس پر قایم رہے۔"

انہوں نے غصہ سے میری طرف گھور کر دیکھا اور ایسی آواز میں بولے کہ جس سے انتہائی خفگی کا اظہار ہوتا تھا۔

"کیسا فیصلہ؟" انہوں نے گرج کر اور جس کرسی پر بیٹھے سے اُسے فرش پر زور سے گھسیٹ کر کہا۔

میں نے ایک لمبا سانس لیا جس کی آواز ایک سُبکی کی سی تھی۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کہوں۔ مباحثہ میں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ رہی معافی جس کے وہ خواستگار رہتے تو اس کے خیال ہی سے مجھے نفرت ہوتی تھی۔ ان باتوں کے جانتے ہوتے جو میرے علم میں تھیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ مسز نعیم مانٹی کارلو میں ٹھری ہوئی ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ لوگ اس کے اور سر ہمایوں فر کے بارے میں کس قسم کی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔

"میرا مطلب یہ ہے" میں نے جلدی سے کہا "کہ اب ہم جس طرح زندگی گذار رہے ہیں اسی کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب ۔۔" میں ذرا رُکی اور جب انہوں نے میری طرف گھور کر دیکھا تو میں نے بمشکل کہا۔ "جب آپ۔ اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذار رہے ہیں تو سیدھی سی بات ہے کہ مجھے بھی اپنی حسب مرضی زندگی گذارنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ بھی اسے مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے لئے میں آپ کی شکر گذار ہوں۔"

میں نے بہت نرمی سے انہیں یہ بات سمجھائی تھی مگر وہ بھلا کب رام ہونیوالے تھے۔ وہ میری طرف بڑھے۔ چہرہ اسقدر سُرخ تھا اور پیشانی پر موٹی نیلی رگ اس قدر

اُبھری ہوئی تھی کہ وہ انسان ہی نہ معلوم ہوتے تھے۔

"لغویت"۔ انہوں نے کہا "یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے اور میں اسے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اپنی ہنسی اڑوانا نہیں چاہتا۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ فضل کے ساتھ پھرتی پھرو اور اس کے ساتھ اور نصف درجن اور جوان لفنگوں کے ساتھ دل بہلایا کرو۔ میں نے تمہارے خیالات کو خوب سوچ سمجھ لیا ہے میں نے وہ کیا ہے جو کوئی شخص نہیں کر سکتا اور جو تمہاری اماں نے کہا میں نے تسلیم کر لیا اور تمہاری جا و بیجا نازبرداری کی، مگر اب مجھ میں تاب نہیں ہے۔ تم میری بیوی ہو اور تمہیں مجھ سے وہ برتاؤ کرنا پڑے گا جو شوہر کے ساتھ کیا جاتا ہے"

میں ڈر کر پیچھے ہٹی۔ میں سچ مچ خوفزدہ تھی کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرے پیچھے ہٹنے سے انہیں اور بھی غصہ آیا اور وہ اپنے پاؤں پٹخنے لگے اور اول فول بکنے لگے۔ پھر میری کلائی پکڑ لی۔

"سنو"! انہوں نے کہا "میں اس بیہودگی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو کہ تم مجھ سے ڈر رہی ہو۔ میں کوئی ہوا نہیں ہوں، مجھے پیار کرو اور مجھ سے اقرار کرو کہ اپنی تمام حرکتوں پر تمہیں افسوس و ندامت ہے"

اُنہوں نے مجھے اپنی طرف گھسیٹ لیا اور جابرانہ طور پر میرا منہ چوما، میں پھر ڈر کر پیچھے ہٹی۔ یہ حرکت بھی اضطراری تھی مگر بدقسمتی سے انہوں نے اس کا سبب بھی سمجھ لیا اور غالباً اُن کا قیاس ٹھیک تھا۔

"تم مجھے پیار نہیں کرو گی" اُنہوں نے غصہ سے کہا، "کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟"

کیا اِسلئے کہ تم کسی اور کو پیار کرتی رہی ہو؟ کسی اور کو جسے مجھ سے زیادہ چاہتی ہو؟"

خوش قسمتی سے یہ فقرہ انہوں نے اسقدر سخت کہا تھا کہ مجھے ناراض ہو جانے کا موقع مل گیا اور میں نے اُن کے طاقتور بازوں میں سے تڑپ کر نکلنے کی کوشش کی۔

"میں کسی کو پیار نہیں کرتی" میں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کرتی بھی تو کیا آپ مجھے کچھ کہہ سکتے تھے؟ ایسی صورت میں کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے مسز نعیم کے متعلق؟"

یہ بات کہنے کی نہیں تھی مگر کہنی پڑی اور میں نے محسوس کیا کہ میری رگوں میں خون کھولنے لگا اور میرا چہرہ شرم سے تمتمانے لگا۔ میرے بچاؤ کی اور کوئی صورت ہی نہیں تھی اور مجھے معلوم تھا کہ اِسکا تذکرہ بہت موثر ہوگا۔

اثر فوراً ہوا، وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گئے اور مجھے گھورنے لگے غصہ سے نہیں بلکہ کھسیانے ہو کے۔

"تمہیں اس کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ اور تم سے کس نے کہا؟" انہوں نے خفیف ہو کر کہا "اُن پاجی رشتہ داروں نے جو کینسنز میں ٹھہرے ہوتے ہیں؟ یا شاید خود فضل نے؟"

"اس سے کیا مطلب کہ کس نے کہا جب آپ اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتے؟" میں نے کہا۔ "اگر آپ یہ کہدیں کہ یہ جھوٹ ہے تو پھر آپ جو کچھ کہیں میں ماننے کیلئے تیار ہوں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں زیادتی نہیں کرنی چاہتی۔ مگر انصاف دونوں طرف سے ہونا چاہئے۔"

مجھ میں ہمت عود کرتی جا رہی تھی کیونکہ میں نے دیکھا کہ میرے الفاظ نے اُن کا

غصّہ بہت کچھ ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ بے عقلی کی بات نہیں تھی۔ مرد عورتوں کی طرح نہیں ہوتے۔ مرد کو قائل کیا جا سکتا ہے اگر اس سے اصرار کیا جائے تو وہ معاملہ کی اہمیت پر بھی غور کرتا ہے اور اگر بات ماننے کی ہوتی ہے تو مان لیتا ہے۔ اب تک مجھے جتنے مردوں سے واسطہ پڑا ہے مجھے تو انکا یہی تجربہ ہے۔ ابا، افضل اور اب سرہمایوں فر کو بھی دیکھ لیا۔

وہ ایک کرسی پر اس زور سے بیٹھے کہ کرسی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی۔

"تو تم کیا چاہتی ہو؟" انہوں نے پست ہو کر کہا۔

میں تو یہی چاہتی تھی کہ جیسے اب زندگی گذر رہی ہے گذرتی رہے۔ یہ میں اُن سے کہہ چکی تھی اور اس پر وہ خفا بھی ہوئے تھے اس لئے میں نے کہا۔

"میں ایسا شوہر چاہتی ہوں جو میرے ساتھ بیوفائی نہ کرے۔"

اُنہوں نے اپنے کندھے ہلا کر کہا "تمہیں یہ کسی نے سکھایا ہے۔"

"جی نہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے تو کیا میرا مطالبہ ناجائز ہے؟"

"ہاں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم زیادتی کر رہی ہو۔ تم ابھی کم سن ہو اور ناتجربہ کار۔ تم نے دنیا کو اچھی طرح دیکھا نہیں ہے مرد اور عورت میں بہت فرق ہے۔ زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"جی ہاں۔ اس کا تو مجھے بھی یقین ہے" میں نے حاضر جوابی سے کہا۔

ان کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"لیکن میں پھر بھی اسکو سمجھ نہیں سکتا۔ عورتیں مردوں سے بہتر ہوتی ہیں اور کہا جاتا ہے

کہ وہ دوسری مٹی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ عورت خواہ کتنی ہی پارسا بنے عاشق پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

میرے دل میں ایک تیر سا لگا اور میں چور سی ہنکر رہ گئی۔ کیونکہ گو میری مرضی کے خلاف تھا، تاہم افضل نے مجھے بحیثیت ایک عاشق کے ایک دفعہ بوسہ دیا تھا۔ شاید میرا چہرہ پھر سرخ ہو گیا کیونکہ انکا غصہ پھر بھڑک اٹھا۔

"اب اچھی طرح سمجھ لو" انہوں نے کہا "کہ جس چیز پر تم لڑ جھگڑ رہی ہو میں اُسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ اگر تم شرائط نہیں لگاتیں تو میں سمجھتا کہ تمہیں اچھی طرح سکھایا پڑھایا گیا ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ شرائط لگائی جائیں گی تو پھر تمہیں بھی میری شرائط ماننی پڑینگی"۔

میں سمجھ رہی تھی کہ میرے چہرے سے خفگی ظاہر ہو رہی ہے گو میں کوشش کر رہی تھی کہ اس کا اظہار نہ ہو۔ حقیقتاً مجھے بہت غصہ آرہا تھا کہ وہ مجھ پر اس طرح الزام لگا رہے تھے، میری پریشانی دیکھکر انہوں نے ایک قہقہہ لگایا۔

"اگر میں مسز نیجم سے نہیں ملونگا" انہوں نے کہا "تو تم بھی افضل سے نہیں ملوگی۔ یہ خیال رہے"۔

میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس وجہ سے نہیں کہ میں نے اُن کے کہنے کا برا نہیں مانا، مجھے اسقدر غصہ آرہا تھا کہ میں اپنی زبان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ تو ایک کھرا معاملہ ہے" انہوں نے کہا "اگر میں اپنے دوستوں سے ملنا چھوڑ دونگا تو تمکو بھی اپنے دوستوں سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی"۔

"یہ تو ایک سی بات نہیں ہے" میں نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا

"لیکن میں تو کہتا ہوں کہ ایک ہی سی بات ہے تمہیں اسکا اقرار ہے کہ تم نے افضل کو پیار کیا۔"

"بیشک۔ وہ میرے قریبی عزیز ہیں۔ آپ نے خود بھی دیکھا تھا کہ میں نے انہیں پیار کیا تھا۔"

وہ اُٹھکر میرے قریب آئے۔

"تم نے انہیں اس لئے بوسہ دیا کہ وہ تمہارے قریبی عزیز ہیں؟" انہوں نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ بیشک۔"

"تو پھر تم مجھے پیار کیوں نہیں کرتیں یہ سمجھکر کہ میں تمہارا شوہر ہوں؟"

میں کانپ اُٹھی۔ میں ایسا نہ کرنے پر مجبور تھی۔ شاید اسوجہ سے کہ وہ بہت بدشکل تھے۔ سُرخ چہرہ اور خوفناک آنکھیں!

انہوں نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور اُسے سختی سے دبایا۔ میں نے انکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں۔ میں۔ میں پیار نہیں کرنا چاہتی، کسی کو بھی،" میں نے مشکل سے یہ الفاظ ادا کئے۔

"یہ جھوٹ ہے۔ میں نے تم سے ایک کھرا سودا کرنا چاہا تھا مگر تم اپنی باری پر اس سے بچ نکلنا چاہتی ہو۔ اچھا، اب پھر تم اس پر غور کر لو۔ کیا تم افضل کو چھوڑ دوگی، اپنے اس قیمتی عزیز کو جو تمہارے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا، اگر میں مسز نعیم سے

تعلقات منقطع کر لوں؟"

میں ایک دم سے رو پڑی۔ میں اُس چوہیا کی طرح تھی جو چوہے دان میں پھنس جاتی ہے۔ اور صرف اس کا احساس تھا کہ مجھے نفرت ہے سر ہمایوں فر سے، اپنے آپ سے، اپنی زندگی سے بھی۔

"کیا تم اُسے چھوڑ دو گی؟" سر ہمایوں فر نے پھر زور سے کہا۔

"آہ! ہاں۔ شاید مجھے یقین ہے" میں نے رو کر کہا۔ "میں ہر ایک کو چھوڑنے کے لئے آمادہ ہوں بشرطیکہ آپ مجھ سے اچھی طرح پیش آئیں"۔

مگر جب میں نے یہ الفاظ کہے تو میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ وہ اس شرط پر راضی نہ ہو جائیں۔ کیونکہ مجھے اُن سے دلی نفرت تھی۔ وہ اس قدر بد مذاق اور اسقدر وحشی تھے کہ اپنی غلط کاری کو اس بے حیائی سے پیش کر رہے تھے۔ میں کبھی اسے برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ میرے قریب بھی آئیں۔

ایک دفعہ مجھے کچھ اُمید ہوئی تھی کہ اپنے شوہر سے محبت کرنے لگونگی اور وہ مجھ سے محبت کرنے لگیں گے۔ اب میں محسوس کر رہی تھی کہ اولذکر تو قطعاً نا ممکن تھا اور ثانی الذکر کی مجھے مطلق آرزو نہیں تھی۔

میرے آنسوؤں سے سر ہمایوں کا دل نہیں پسیجا مگر وہ کچھ پریشان ضرور ہوئے اور کمرے میں ٹہلنے لگے۔ میں اُن کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی مگر اُن کے بڑبڑانے کی آواز میرے کان میں آ رہی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت ناراض ہیں، اس لئے میں خاموش رہی۔ رفتہ رفتہ میرے رونے کی آواز کم ہو گئی اور میں اپنی آنکھیں ملنے لگی۔ پھر

غیر متوقع طور پر میں نے انکا ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس کیا اور اس کے لئے چونکہ میں تیار نہیں تھی اس لئے میں کانپ اٹھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہی وہ پھر نئے سرے سے دُہرایا جائے۔

وہ اول فول بکتے رہے، گرجے اور طعنے دینے لگے۔

"تم نے اپنی اماں کا پڑھایا ہوا سبق اچھی طرح یاد نہیں کیا" انہوں نے طعن مارا۔ "جب کوئی فائدے کی صورت ہوتی ہو تو وہ ہمیشہ دلکشی سے پیش آتی ہیں مگر تمہارے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے تم میں اس وقت بھی شائستگی نہیں پیدا ہوئی جبکہ تمہارے سارے مستقبل کا دار و مدار اسی پر ہے۔ تم شاید یہ تو نہیں سمجھ سکتیں کہ میرے ساتھ اس قسم کا سلوک ساری عمر کیا جائیگا۔ گویا میں ایک کوڑھی ہوں اور تم اس شان سے زندگی بسر کرو جس طرح شہزادیاں بسر کرتی ہیں اور ایسے زیورات پہنو جو بڑی سے بڑی ملکہ کے لئے بھی زیب و زینت کا حکم رکھتے ہیں۔"

میں سیدھی ہو بیٹھی اور میرا دماغ چکر کھا رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے، بہت افسوس کہ آپ کو خوش کرنے کے لئے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے زیورات کا شوق نہیں ہے اور میں نے وہ موتی بھی کل رات کو اس لئے پہن لئے تھے کہ آپ نے کہا تھا۔ میں وہ بھی واپس دیدونگی۔"

"اگر تمہیں ان کی پرواہ نہیں ہے تو ضرور انہیں واپس کر دو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے کوئی نہ کوئی ایسا بھی مل جائیگا جو ان کی صحیح قدر دانی کرے گا" سرہمایوں فرنے کرختگی سے کہا۔ "مگر تم شاید جانتی ہوگی کہ ان کی قیمت دس ہزار پونڈ ہے اور ایسے موتی ہر کس و ناکس کے

پہننے میں نہیں آتے۔ جو عورتیں ہیروں کی چمک دمک پر جان دیتی ہیں ان کے لئے یہ موتی نازیبا ہیں۔"

میں اس قسم کی باتیں سُننی نہیں چاہتی تھی اسلئے میں نے دروازے کا رُخ کیا۔

"کہاں جارہی ہو تم؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں آپ کو موتی بھیجدونگی۔" میں نے کہا۔

"بھاڑ میں جھونکو اُن موتیوں کو۔ میں نے اپنی بیوی کے لئے وہ موتی خریدے تھے اور جب تک تم میری بیوی ہو وہ موتی تمہارے پاس رہیں گے اور تم انہیں پہنو گی۔ میری بیوی کیا تم سمجھ رہی ہو؟ ان شکایتوں سے کچھ حاصل نہیں کہ میں کسی اور عورت کو چاہتا ہوں اور تم میری طرف اس وقت تک مائل نہ ہو گی جب تک کہ میں اس سے تعلقات ترک نہ کرلوں۔ اور جب تک تم ایک اور چھیتے کے ساتھ دل بہلاؤ اور مجھے دور دور رکھو۔"

میں کوئی جواب نہ دے سکی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں پھر میرے دل کی کمزوری آنسوؤں کی صورت میں ظاہر نہ ہو جائے۔ میں نے اپنا سر جھکا لیا اور سوچنے لگی کہ میرے والدین نے ایسے اکھڑ انسان سے میرا دامنِ حیات کیسے وابستہ کو دیا۔ وہ تو تجربہ کار تھے اور اُنہوں نے دُنیا دیکھی تھی۔ پھر کیسے انہوں نے مجھے اس جہنم میں دیدہ و دانستہ جھونک دیا؟ یہ کیسے ممکن تھا کہ اُن سے محبت نہ ہوتے ہوئے بھی اظہار محبت کروں؟

چونکہ میں خاموش تھی اور کسی حد تک مطیع بھی نظر آرہی تھی اس لئے انہوں نے پھر کہنا شروع کیا۔

"تم اعلیٰ خاندان کی خواتین کا سب سے بڑا عیب یہی ہے کہ یہ بھول جاتی ہو کہ بالآخر

تم ہو عورت ہی۔ اگر تم لوگ اسی پر اکتفا کرو کہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تو پھر ایسی صورتیں کبھی پیدا نہوں کہ ادنیٰ خاندان کی عورتوں کو تم پر تفوّق حاصل ہو جائے۔"

میں کیا کہہ سکتی تھی؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ اس سے زیادہ کسی عورت کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جو کہ سرہمایوں فر میرے ساتھ کر رہے تھے؟ گویا مجھے سوائے اس کے اور کسی بات کا حق نہیں کہ رہنے کے لئے اچھا گھر ہو اور پہننے کے لئے عمدہ کپڑے۔

وہ اسی طرح بولتے رہے، تھوڑے سے توقّف کے بعد وہ پھر بولے۔ میری نظر نیچے قالین پر جمی ہوئی تھی اور وہ کمرے میں ٹہلتے پھر رہے تھے۔

"تم مسز نعیم پر ناک بھوؤں چڑھاتی ہو اور اپنے آپ کو اس سے ہزار گنا بہتر سمجھتی ہو۔ مگر تمہیں آخر فوقیت کس اعتبار سے ہے؟ میری دانست میں تو تم میں اور اس میں صرف فرق یہ ہے کہ تم اپنی طرف سے بغیر کچھ دیئے ہوئے سب کچھ حاصل کرنا چاہتی ہو اور اس میں یہ بات نہیں ہے۔"

پھر ایکا ایکی مجھ میں بات کرنے کی ہمت پیدا ہو گئی۔ میں واپس پلٹی اور سونے کے ایک سرے پر ہاتھ رکھکر بولی :۔

"میں اگر ہر چیز کے حاصل کرنے کی توقّع رکھتی ہوں تو مجھے کافی سزا مل تو جاتی ہے کہ مجھے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مجھ سے اس طرح بات بھی نہیں کی جاتی جس طرح کہ شریف خواتین سے گفتگو کیجاتی ہے۔ مگر میں خوب سمجھ سکتی ہوں کہ اسکی کوئی وجہ بھی ہے۔

میری آواز کمزور تھی۔ شکستہ اور خشک مگر میں نے جس طرح یہ بات انکی طرف دیکھکر

بھی اُس سے انپر میرا مطلب ظاہر ہو گیا ہو گا۔

"تو شاید تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں ذی عزت اور شریف و نجیب نہیں ہوں؟"
انہوں نے سختی سے کہا، "تو لو سنو! میں وہ آدمی ہوں جسے تمہارے اماں باوا نے تمہارے
لئے شوہر منتخب کیا"۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ انکی باتوں پر مجھے مطعون کرنا آپ کا شعار نہیں ہونا چاہیئے۔
اور یہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ انہوں نے آپ سے پہلے اس رشتہ کی خواہش ظاہر
نہیں کی تھی بلکہ آپ نے استدعا اُن سے پہلے کی تھی۔ مجھے تو بالکل ہی بھلا دیا گیا تھا اور رائے
لینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی تھی۔ آپ کو شکایت کا حق حاصل ہو سکتا ہے مگر مجھے آپ
سے بھی زیادہ استحقاق ہے کیونکہ اس معاملہ میں میری آواز بالکل دبادی گئی تھی"۔

میں نے غصہ سے یہ بات نہیں کہی۔ میں بے حد شکستہ خاطر اور مضمحل ہو رہی تھی۔ میں
بڑی مشکل سے سوفے کا سہارا لئے کھڑی تھی اور جب بول ہی تھی تو اپنی آواز سے اس کا بھی اندازہ
کر رہی تھی کہ میری تقریر کس قدر بے اثر ثابت ہو گی۔ رُک رُک کر اور کبھی سرگوشی کے لہجہ میں میں
نے بات پوری کی۔

اس طرح یہ طول طویل جھگڑا ختم ہوا اور میں کمرے سے روتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کسی
بات کا فیصلہ نہیں ہوا۔ کسی چیز کی صفائی نہیں ہوئی۔ بلکہ ہم دونوں کے لئے خلش و انتشار
کا اور سامان مہیا ہو گیا۔

میں اپنی خوابگاہ میں چلی آئی اور پلنگ پر پڑ کر رو رو کر اپنی جان ہلکان کرنے لگی۔
مجھے کچھ خیال سا گذرا کہ کوئی ایک گھنٹہ بعد شاید سر ہمایوں فر خوابگاہ کے دروازے

کے قریب آئے اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر واپس لوٹ گئے۔ لیکن اگر وہ آئے تھے تو انہوں نے کھانے کے وقت اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور مہربانی کا تو ذکر ہی کیا شاید اس خیال سے کہ میری آنکھیں روتے روتے لال ہوگئی ہیں۔ انہوں نے صرف اسقدر کہا کہ

"آج رات کو کہیں باہر جانیکی ضرورت نہیں۔"

اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ میں اُس وقت اتنی حسین نظر نہیں آرہی تھی کہ اُن کے قیمتی موتیوں اور ملبوسات کے لایق سمجھی جاتی۔ میں نے اسی کو بہت غنیمت سمجھا اور کہا کہ آج میرا گھر ہی میں رہنا بہتر ہے۔ کھانے کے بعد وہ باہر چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں چلی آئی میں اماں کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہی تھی مگر درد سے سر پھٹا جاتا تھا اس لئے ذرا لیٹ کر آرام کرنے لگی۔

تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تھی کیونکہ ایک دفعہ ہی میں چونک پڑی اور میں نے سُنا کہ دروازے کے قریب کوئی کانا پھوسی کر رہا ہے۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"کون ہے"؟

کسی نے جواب نہیں دیا مگر آواز ملتوی ہوگئی۔

میں پھر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے اسی حالت میں میز پر سے رومال اٹھانا چاہا مگر وہاں میز ندارد تھی اور میری چیخ نکل گئی جب کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

آنکھیں کھول کر جو دیکھتی ہوں تو افضل کھڑے ہیں اور میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں ہے۔

اُنہیں دیکھتے ہی میں مارے خوشی کے سب کچھ بھول گئی اور میرے مُنہ سے ایسی آواز نکلی کہ بیک وقت ہنسی بھی تھی اور آہ بھی۔ میں کچھ ایسی کھوئی سی گئی کہ مُنہ سے اور کوئی بات بھی

نکلی۔ میں نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رہنے دیا اور انہیں چومنے دیا۔

پھر میں نے ہاتھ کھینچ لینے کی کوشش کی۔

"افضل"! میں نے کہا "تم اندر کیسے آئے؟ تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تمہیں یہاں سے چلا جانا چاہیے۔"

"ہٹاؤ ان باتوں کو تمہیں یہاں تنہا اس طرح نہیں چھوڑ جا سکتا کہ تم رو رو کر اپنی آنکھیں پھوڑتی رہو۔"

"مگر تم نے یہاں اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔؟"

"اس بچاری نرگس نے مجھ سے کہا کہ تم اکیلی پڑی رو رہی ہو۔"

"نہیں تو میں تو نہیں رو رہی۔"

"خیر اس نے مجھ سے یہی کہا۔"

"میں اُسے نکال باہر کرونگی۔ میری ہی خادمہ اور میری ہی ٹوہ میں رہے۔"!

"اچھا اچھا۔ ذرا سنو تو سہی اور اس طرح خفا مت ہو میری بات پہلے سن لو۔"

"مگر تم ان عورتوں سے اتنے واقف نہیں ہو جتنی کہ میں۔ اُس نے تمہیں اندر آنے دیا۔ اس کا اُسے کیا حق تھا؟ پھر اس کے بعد وہ سر ہمایوں فر سے یہ سب باتیں کہیگی۔"

"اچھا اگر اس نے کہا بھی تو ایسی کونسی بات ہے جو کہدے گی؟"

میں اُٹھ بیٹھی۔

"تم سمجھتے نہیں ہو میں نے اُن سے وعدہ کر دیا ہے کہ تم سے نہیں ملونگی۔"

"کیا؟"

"کم از کم اُن کی یہی خواہش ہے۔ اور میں نے بھی ایک شرط پر وعدہ کر لیا ہے۔"

فضل بجائے ناراض ہونے کے میری باتوں میں دلچسپی لینے لگے۔

"واللہ!" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور وہ شرط کیا ہے۔؟"

"نہیں نہیں میں تمہیں نہیں بتاتی۔ یہ بہت نفرت انگیز اور ذلیل بات ہے۔"

"خیر۔ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی کہ وہ کس قدر وحشی ہے اور مجھے وہ بات بتانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔"

"نہیں فضل، میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ تم اسے سُنکر بگڑ جاؤ گے۔"

"مجھے تو اسکو دیکھکر ہی غصہ آتا ہے۔" فضل نے حقارت سے کہا۔ "مگر اس وقت اس کا ذکر مت کرو۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ بات کیاہے؟ میری پیاری ننھی سی چھمّو کیوں رو رو کر اپنا خون پانی ایک کر رہی ہے؟"

وہ مجھے اس طرح چمکار رہے تھے جیسے کوئی بچّہ کو بہلاتا ہے اور میں اُن کی اس بیوقوفی کی حرکت پر ہنسنے کی کوشش کرنے لگی۔

"فضل اسقدر بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ اب چھ برس کی بچی نہیں ہوں۔ ذرا سنجیدگی سے بات کرو اور مجھ سے اس طرح پیش آؤ جس طرح کہ ایک شادی شدہ عورت سے بات کی جاتی ہے۔"

"واللہ! مجھے تو اس خیال ہی سے نفرت ہے اور میں یہ کبھی دل میں سوچتا ہی نہیں۔ میں تو اب بھی تمہیں وہی پیاری پیاری گول آنکھوں والی ننھی سی لڑکی سمجھنا چاہتا ہوں جو فردوس نگر میں دوڑی دوڑی پھرتی تھی اور جب مالی باغ میں نہیں ہوتا تھا تو چپکے سے باغ

میں گھسکر آلو چرایا کرتی تھی۔"

ان الفاظ نے میری آنکھوں میں بچپن کا زمانہ پھرا دیا اور اس کی یاد سے دل بھر آیا۔

"دیکھو افضل۔ تمہیں یہاں سے چلا جانا چاہیے۔"

یہ کہکر میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور اپنے ہاتھ اونچے کر کے بال سنوارنے لگی کیونکہ وہ سب کھل گئے تھے۔

افضل نے میرے ہاتھ پکڑ لئے اور نیچے کھینچ لئے اور ان کے ساتھ میرے بال بھی کھل کر بکھر گئے۔ میں بھونچکّی سی ہو گئی گو ان کا میرے پاس ہونا مجھے پسند تھا۔ وہ ہمدرد تھے مہربان تھے اور میری خوشنودی کے خواہاں مگر مجھے اس وقت ان سے سختی برتنی تھی اور انہیں یہاں سے بھیجدینا تھا۔

اگر نرگس نے سرہمایوں فر سے کہدیا تو بڑی مصیبت ہو گی۔ اور اگر اس حالت میں وہ آجائے اور دیکھ لے کہ میرے بال بکھرے ہوئے ہیں اور افضل ہنس ہنسکر انہیں سنوارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو خدا جانے کیا سمجھے!

وہ میری اس ہیئت کذائی سے بہت خوش ہو رہے تھے اور جب میں اپنے بال سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی تو وہ قہقہے لگا رہے تھے، یہاں تک کہ مجھے ان کی طرف ناراضگی سے گھورنا پڑا۔

"ہاں میں چلا جاؤنگا۔ ابھی۔ مگر ذرا میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اکیلی اپنے بال کیسے ٹھیک کرتی ہو۔"

"میں گھنٹی بجا کر نرگس کو بلائے لیتی ہوں"، میں نے کہا۔

اور میں نے میز پر سے گھنٹی اٹھانے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

مگر انہوں نے میرا ہاتھ روک لیا۔

"تم یہ کیسے کر سکتی ہو؟" انہوں نے کہا۔

"کیسے؟ اس سے تمہارا مطلب کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ تاکہ تمہاری سپتا سنوں اور تمہیں تسلی تشفی دوں۔ نیز یہ کہ جب تک تم مجھ سے کُل واقعات بیان نہ کر دو میں نہیں چاہتا کہ نرگس یا کوئی اور یہاں آئے۔"

"تمہیں اس بات کا یقین کیسے ہے کہ نرگس سرہمایوں فر سے کچھ نہیں کہے گی؟ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی صنوبر کی طرح مجھ پر جاسوس مقرر کی گئی ہو۔"

"نہیں میرا تو یہ خیال نہیں ہے۔ ملازمہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو بد طینت ہوتی ہیں اور دوسری وہ جو جذباتی ہوتی ہیں۔ پہلی بد طینت تھی۔ یہ جذباتی ہے" انہوں نے جھک کر میرے کان میں کہا "اسے تم سے ہمدردی ہے اور تم پر اسے ترس آتا ہے۔ میں نے سے گانٹھ لیا ہے۔"

میں نے اس بیان کو پسند نہیں کیا۔ اور پھر مجھے وہ وعدہ یاد آگیا جو میں نے سرہمایوں فر سے کیا تھا یا کرنیوالی تھی کیونکہ ہماری خوفناک گفتگو کا کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہوا تھا اور شرائط کا قضیہ بھی ادھورا رہ گیا تھا۔

"بہرحال کچھ بھی ہو فضل۔ مگر میں تمہیں یہاں ٹھہرنے نہیں دے سکتی۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہاں آنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ آپا حسنیٰ بھی اگر ہوتیں تو یہی کہتیں

"آپا حسنی! انہیں اس سے کیا واسطہ؟ جب تک سر ہمایوں فرانہیں ہوٹلوں میں دعوتیں اور نواب حشمت جاہ کو جُوا کھیلنے کیلئے روپیہ دیتے رہیں گے وہ تمہیں سر ہمایوں فرسے بگاڑنے تھوڑی دینگی۔"

"تمہیں ایسی باتیں مُنہ سے نہیں نکالنی چاہئیں۔ اور میں جانتی ہوں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ لیکن میں اس پر بحث کرنی نہیں چاہتی بلکہ تمہیں یہاں سے نکالنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں۔ تم مجھے نہیں نکالو گی۔"

"ہاں میں نکالوں گی۔ کیوں افضل! تم بڑے اچھے ہو نا؟ اور جب میں تم سے کہونگی تو تم یہاں سے چلے جاؤ گے نا؟"

"بیشک میں چلا جاؤں گا بشرطیکہ کوئی معقول وجہ تم بتاؤ۔"

"میرا وعدہ جو میں نے سر ہمایوں فر سے کیا ہے۔"

وہ ہنسے۔

"اسے تو تم معقول وجہ نہیں کہہ سکتیں۔"

"ہاں میں تو کہتی ہوں، اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ مجھے اپنے وعدہ پر قایم رہنا ہے۔"

افضل نے میری طرف دیکھا۔ اور میں چاہ رہی تھی کہ وہ نہ دیکھیں کیونکہ انکی پیاری پیاری نیلی آنکھوں نے جن میں نرمی اور مہربانی اور آگ تھی، میرے ارادوں کو پگھلا دیا، بالکل موم کی طرح حالانکہ میں پتھر کا دل کر لینا چاہتی تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ وعدہ میں ایک شرط بھی ہے۔ وہ شرط کیا ہے؟"

میرے بدن میں کپکپی پڑ گئی۔ سر ہمایوں فر کیساتھ جو کچھ گذری تھی اُس کا دُہرانا مجھ سے ناممکن تھا۔ مگر فضل پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ اور وہ باتیں اُن سے کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اُنہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے اس سے زیادہ مت پوچھو۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ میری خواہش یہ ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس پر میرا دل دُکھتا ہے مگر تمہیں یہاں نہیں روک سکتی۔"

"اچھا تو وہ شرط بتاؤ جس پر کہ مجھے یہاں سے نکالا جا رہا ہے۔ میرے کان میں کہدو۔" اُنہوں نے یہ کہکر اپنا کان میرے مُنہ کے قریب کر دیا اور وہ اس قدر خوبصورت نظر آئے کہ ایک دفعہ تو میرے دل میں آہی گیا کہ انہیں اپنے بازوؤں میں لیکر پیشانی کو چوم لوں۔ عین اُس مقام پہ جہاں اُن کے چند بال مانگ سے بھٹک کر چھلے بنائے ہوئے تھے۔

بجائے اس خیال پر عمل کرنیکے میں نے نیکی سے کام لیا۔

"تم کس قدر مجھے پریشان کر رہے ہو" میں نے تیزی سے کہا "یہ تم کیوں نہیں مان لیتے کہ میرے پاس جو کچھ عذر ہے وہ اسی قدر اہم ہے؟"

"عورتوں کے ساتھ میں اسقدر زود اعتماد نہیں بن سکتا!"

یہ الفاظ مجھے ناگوار گذرے۔

"میں اس طرح کی باتیں نہیں سُننی چاہتی کہ گویا میں بھی صرف عورت ہی ہوں "اور بس۔" میں نے کہا۔" اس قسم کی گفتگو میں آج بہت سُن چکی ہوں۔"

میری آواز کانپ رہی تھی۔ فضل مہربان اور نرم دل نظر آئے مگر اسکے ساتھ احمق بھی۔

"تو کیا اس کے نالائق شوہر نے اسے عورت کہا؟" انہوں نے بڑی محبت سے کہا۔

"افضل بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ تمہیں یہاں سے چلا جانا چاہیے۔"

"نہیں تم خائف نہو۔ تم سوچتی ہوگی کہ مسز ہمایوں فرد واپس آجائینگے تو یہاں مجھے دیکھ لیں گے تو تم مطمئن رہو کہ وہ ابھی واپس نہیں آئیں گے۔"

انہوں نے یہ بات کچھ اس وثوق سے کہی کہ مجھے ایک طرح کی کریدنی سی لگ گئی۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

انہوں نے کچھ توقف کیا اور بولے۔

"ایسی باتیں تم سے کہتے ہوئے نفرت ہوتی ہے مگر چونکہ تمہیں جاننا چاہیے اسلئے کہتا ہوں۔ جب میں مانٹی کارلو سے یہاں آیا تو وہ اسٹیشن پر تھے اور وہاں انہیں کوئی مل گیا تھا۔"

"کیا؟ کون مل گیا تھا؟"

انہوں نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا "اور وہ اُس عورت کے ساتھ چلے گئے۔"

عورت! میں نے اپنے دل میں کہا۔ اور میں نے بمشکل تمام اپنے آنسو روکے۔ تو یہ ہوا انجام اُس سب سمجھوتے کا! یہ سچ ہے کہ کوئی فیصلہ تو ہوا نہیں تھا۔ مگر ان کا یہ کہنا کہ میں مسز نعیم کو چھوڑ دونگا محض ایک لغو خیال تھا۔ اتنے جھگڑے کے چند ہی گھنٹے بعد وہ اُس سے ملے اور اس کے ساتھ چلے بھی گئے!

افضل نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ محبت سے رکھا۔

"چلو چھوڑو اب تم اس خیال کو۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس لئے اس سے متاثر ہونا بیکار

ہے۔ مگر ہاں ایسے شخص سے وعدے کرنا اور پھر اُن پر قایم رہنا چنداں ضروری نہیں۔"

میں نے کچھ نہ کہا اور حقیقت تو یہ تھی کہ میں بھی یہی سوچ رہی تھی مگر اس کا اقرار کرنا مجھے مناسب نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ مجھے افسوس تھا تو اس بات کہ مجھے وہ سُننا پڑا جو افضل نے کہا۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں دیکھا کہ ایک اطمینان کی جھلک سی پیدا ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے یہ اور بھی دشوار ہو گیا کہ اپنی پریشانیوں اور شکایتوں کو چھپاؤں۔

اُنھوں نے اپنی بات پر ابتدا میں تو کوئی زور نہیں دیا اور میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ اور میرا یہ حال کہ بدقت اپنے ہاتھ کو روکے ہوئے تھی کہ کہیں گرمجوشی سے اُن کے ہاتھ کو گرفت میں نہ لے لے۔ انھوں نے کچھ دیر تک تو میری طرف دیکھا بھی نہیں یہاں تک کہ میں نے جب چپکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو انھوں نے مجھے دیکھا۔ میں چاہ رہی تھی کہ اُن پر یہ ظاہر نہ ہونے دوں کہ اُن سے ڈر رہی ہوں مگر مجھے اب اُن سے اور بھی زیادہ ڈر لگ رہا تھا۔ وہ غالباً یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب چونکہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ سر ہمایوں آن فرا بھی واپس نہیں آئیں گے تو میرا خوف بالکل دور ہو گیا ہو گا۔

"میں اپنے بال سنوار لوں۔" میں نے کہا اس بہانہ سے اٹھی۔ افضل نے پھر مجھے کھینچ کر بٹھانا چاہا۔ میں مبہوت کھڑی تھی اور اس وقت میں افضل سے نہیں ڈر رہی تھی جتنی کہ خود اپنے آپ سے۔

"بیٹھ جاؤ۔" اُنھوں نے بے تکلفی سے کہا۔

جو طرزِ گفتگو وہ اختیار کر رہے تھے اسے دیکھتے ہوئے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی سختی برتوں۔

"نہیں میں نہیں بیٹھوں گی اور تمہیں یہاں سے نکلنا پڑے گا۔"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤنگا۔"

"یہ کیا حماقت ہے۔ تمہیں جانا پڑے گا!"

وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور مجھے ...... اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے میری ٹھوڑی اُٹھا کر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر دیکھا۔ اس انداز سے کہ اگر میرے وہی آزادی کے دن ہوتے تو شاید خود کو جنت میں سمجھتی۔ مگر اب میں کانپ اٹھی اور اُن سے نگاہیں چُرا کر بچنے کی کوشش کرنے لگی۔

"مجھے چھوڑ دو" میں نے ہانپ کر کہا۔

"نہیں نہیں۔ میں نہیں چھوڑونگا۔ میں نہیں چھوڑ سکتا۔ چھمو تمہیں مجھ سے محبت ہے نا۔ ہے نا؟"

میں نے انکار میں اپنا سر ہلایا۔ اور انکی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے تڑپتی رہی۔

"نہیں، نہیں، نہیں، مجھے تم سے محبت نہیں ہے!"

میں نے کہا۔ "مجھے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ تم میری محبت کے قابل نہیں ہو!"

"ننھی چھمو۔ یہ مت کہو۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے فرائض میں مخل ہونگا۔ اور تمہارے وعدے پورے نہ ہونے دونگا؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ اگر تمہیں کسی اور طریقے سے خوشی حاصل ہو سکتی ہے تو میں تمہیں خواہ مخواہ محبت کرنے پر مجبور کرونگا؟"

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں اس کا حق نہیں ہے کہ اس طرح مجھ سے گفتگو کرو۔ ہرگز نہیں" میں نے کہا۔ "مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ تم سے نفرت کروں۔ ایسی نفرت کرنے لگوں جیسی کہ مجھے اُن سے ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ!"

"چھمو۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تمہیں اس سے محبت نہیں ہے۔ مجھ سے ہے، مجھے یہاں سے نکال دینے میں کونسی عقلمندی ہے؟ اپنے ہی دل سے لڑتی ہو؟ اگر تمہاری شادی ایسے آدمی سے ہوتی جس کی تمہیں محبت نہ سہی کم ازکم عزت ہی دل میں ہوتی تو اور بات تھی۔ مگر تم جانتی ہو اچھی طرح جس طرح کہ میں جانتا ہوں کہ وہ جانور ہے وحشی درندہ۔ اُس سے وعدہ کرنا اور پابند ہونا حماقت ہے۔ آؤ چھمو، ننھی چھمو۔ تم مجھ پر اعتماد کرو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں خوش کر سکتا ہوں؟"

"نہیں، نہیں، نہیں، میں تمہاری ایک بھی نہیں سنونگی۔"

"تم ضرور سنوگی۔ ڈرو مت۔ سرد مہری ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو میں بھی سمجھتا ہوں۔ چھمو مجھے تم سے محبت ہے۔ عشق ہے۔ تمہیں دیکھکر میرے جسم میں تھرتھری پڑ جاتی ہے۔ دن بھر تمہارا ہی خیال رہتا ہے اور رات کو خواب میں بھی تمہیں کو دیکھتا ہوں۔ چھمو مجھے یہاں سے مت نکالو۔ تم مجھے ناخوش نہیں کروگی، ہے نا؟"

میرے دل میں جو محبت اُبھر رہی تھی اور فضل کیلئے جو مجھ میں کمزوریاں موجود تھیں اُنکے باوجود بھی مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ وہ میرے احساسات کو یوں اکسائیں اور اُن سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں میں اسوقت شکستہ خاطر تھی۔ دل غم سے دبا جارہا تھا اور معلوم ہو رہا تھا کہ دُنیا میں میرا کوئی نہیں ہے اور وہ تھے کہ مجھ سے ایسی باتیں کر کرکے مجھے گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ آہ! یہ بھی مجھ سے نہوتا تھا کہ اُن سے سختی سے پیش آؤں اور انہیں نکالدوں، اس طرح کہ غصہ سے میری آنکھیں نکلی پڑتی ہوں اور بپھری ہوئی شیرنی بن جاؤں۔ میں صرف یہ کر سکی کہ اُن سے علٰحدہ ہونے کی کوشش کرتی رہی اور اپنا چہرہ دوسری طرف پھیرے رکھا، اس خوف

کہ کہیں وہ زبردستی میرے لبوں سے اپنے لب نہ ملا دیں۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ چلے جاؤ۔"

میں صرف یہ ہی کہہ سکی۔ اور کچھ اس طرح کہ میرا کہنا بجائے ایک شادی شدہ عورت کی جائز خفگی کے ایک تھکی ہوئی بچی کی شکایت معلوم ہوا۔ مگر شاید یہی طریقہ زیادہ مناسب تھا کیونکہ انہیں اس کا احساس ہوا کہ وہ کس قدر مجبور و مضمحل ہستی سے اُلجھ رہے ہیں اور انہوں نے شاید یہ بھی محسوس کیا کہ میں جو کچھ کہہ رہی تھی وہ میرے دل کی صدا تھی۔ اگر میں خفگی کا اظہار کرتی تو وہ سمجھ لیتے کہ نقلی اور بناوٹی ہے اور وہ میری ہنسی اُڑاتے۔ اور خدا جانے پھر کیا کیا کہتے اور کیا کیا ہوتا۔

وہ ذرا ڈھیلے پڑے ہی تھے کہ میں اپنا پیچھا چھڑا کر بھاگی اور جب دروازے پر پہونچ گئی تو پلٹ کر "خدا حافظ" کہا اور جلدی سے دوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی اور پلنگ پر پڑ کر خوب روئی۔

نرگس مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آئی افضل کو اندر آنے دینے پر میں اس پر خفا نہیں ہوئی۔ جو مجھ سے اچھی طرح پیش آئے میں اُس پر خفا نہیں ہو سکتی۔ جب اُس نے میرا سر گوندھا اور عقلمند عورتوں کی طرح یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اُسے میرے رونے کا حال معلوم ہو گیا ہے تو مجھ پر اس کی شرافت کا بڑا اثر ہوا۔

میں نے سوچا تھا کہ یوں افضل کو اندر آنے دینے پر میں اُس سے کچھ تو کہوں اور جتاؤں کہ مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ مگر نہ معلوم کیوں میں اُس سے اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کر سکی۔

میری آنکھیں روتے روتے اس قدر دُکھ رہی تھیں کہ پڑھ لکھ نہیں سکتی تھی اسلئے ایک دن اور بھی روزنامچہ نہ لکھ سکی۔

آج مجھے ایک بڑی خوشی ہوئی جس میں غم کا شائبہ بھی نہیں تھا اس لئے آج میری طبیعت بحال ہے۔

دن کی ابتدا، کچھ بُری ہوئی۔

جب میں ناشتہ کیلئے اُن سے ملی تو سر ہمایوں فر نے پیشانی پر موٹے موٹے بل ڈالکر میرا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے جیب میں سے ایک خط نکال کر ہلایا۔

"تمہارے خاندان والے میرا پیچھا نہیں چھوڑ ینگے۔ انہوں نے اپنے قانونی مُشیر کو پھر چڑھاکر بھیجا ہے ادھر ہی معاملات طے کرنے کیلئے"

"اچھا!" میں نے بے توجہی سے کہا اور اس سے بہتر الفاظ میری سمجھ میں بھی نہیں آئے۔ انہیں معلوم ہی تھا کہ مجھے معاملات کے طے کرنے یا نہ کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اسلئے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کہ یہ بھی میرا ہی قصور ہے بیکار ہوتی۔

اس خبر سے میں تو اس خوشی میں رہی کہ مسٹر سیلم سے ملنا ہو جائیگا۔ میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ کیونکہ پہلے سر ہمایوں فر سے اور پھر افضل سے اس قدر ناگواری پیدا ہو چکی تھی کہ ناقابل بیان اب جبکہ ان باتوں کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ایک ایسے آدمی سے ملنا ہوگا جو فی الحقیقت دوست اور ہمدرد ہے تو مجھے جتنی بھی خوشی ہوتی کم تھی۔

سر ہمایوں فر میز کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر مجھے بگڑتے ہوئے تیوروں سے دیکھا۔

"میں اس معاہدے پر دستخط نہیں کرونگا" انہوں نے کہا۔

کیونکہ وہ مجھ سے جواب کی توقع رکھتے تھے اس لئے میں سوچنے لگی اور یکایک مجھے یاد آیا میں بالکل ہی بھول گئی تھی، کہ وہ کاغذ تو میں پیرس میں جلا چکی تھی۔

میں نے انہیں وہ واقعہ یاد دلایا اور کہا۔ "وہ قصہ تو ختم ہو چکا"!

"نہیں وہ اب بھی مطمئن نہیں ہوئے ہیں۔ یا کم از کم وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مطمئن نہیں ہوئے ہیں بسیلم نقلیں لیکر آرہا ہے اُسے یہ یقین دلانے کیلئے ایک ملاقات اور ہو گی کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہا ہے"!

"خیر تو آج آپ انہیں پورا پورا یقین دلا کر اس قصہ کا باب ہی کاٹ دینگے نا" میں نے کہا۔

وہ ہنسے اور حقارت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر بولے۔

"ہاں، میرا خیال تو یہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے" انہوں نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور میری طرف نظر جما کر دیکھا کہ میں کیا اثر لیتی ہوں۔ "کل ہی ایک اور دستاویز مرتب کی ہے"!

"اچھا کیا"! میں نے کہا، میں ان باتوں سے تنگ آگئی تھی۔ کاغذات۔ دستاویزیں اور روپیہ روپیہ روپیہ، اور سوچ رہی تھی کہ ایکے یہ مصیبت تمام ہو جائیگی۔

وہ پھر ہنسے۔ اور بولے۔

"ہاں مجھے معلوم ہے کہ تمہیں روپے کی پروا نہیں ہے جبتک کہ اور لوگ موجود ہیں جنکو اس کی پروا ہے۔ ان اور لوگوں کا حق مجھ پر میری بیوی سے بھی زیادہ ہے جو کھلم کھلا ظاہر کرتی ہے کہ مجھ سے اُسے نفرت ہے۔ غالباً تم بھی اس کی تائید کرو گی"!

میں نے دیکھا کہ گفتگو اہم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جواب دینے سے پہلے کچھ دیر سوچتی رہی۔

"روپے پیسے کے معاملات سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ یہ معاملات میرے بجائے اور لوگ طے کرتے تھے۔ اس لئے مجھے اس سلسلہ میں کوئی واقفیت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو

یہ خیال ہے کہ آپ میری مالی امداد نہیں کریں گے محض اس لئے کہ ہمارا نبھاؤ اچھی طرح نہیں ہوا تو میں آپ کی رائے سے اتفاق نہیں کرسکتی۔"

انہوں نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ اب تک میں نے ان کی باتوں سے اس قدر اتفاق کیا تھا کہ انہیں شاید یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ مجھ میں اختلاف کی ہمت ہی نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے تو وہ بھی پریشان سے ہوئے لیکن پھر ہنس پڑے۔ انکی ہنسی بہت ہی کرخت اور ناگوار ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں طنز بھرا ہوا ہے۔ پھر وہ بولے۔

"امداد کا تو کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں نے تمہارے نام" انہوں نے پھر حقارت کی نظر سے مجھے دیکھا۔ "تین سو سالانہ کی امداد لکھ دی ہے۔ کافی ہے نا۔؟"

میرے خیال میں یہ رقم ٹھیک تھی اور میں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ اس پر وہ کچھ مایوس نظر آئے۔

"اگر تم ذرا مجھ سے گھلی ملی رہتیں تو کم از کم پچاس ہزار کی رقم تمہارے نام ہوتی"

میں کچھ نہ بولی کیونکہ اگر بولتی بھی تو ان سے سچ سچ کہدینا پڑتا کہ اتنی بڑی آمدنی کی دیکھ بھال اور درد سری میرے بس کی نہیں تھی۔ انہوں نے میری طرف گھورتے ہوئے کہا:۔

"وہ عورت جو میرے مزاج کو پہچانے گی اور مجھ سے محبت کرے گی۔ یہ رقم اسکی حصہ میں آئے گی"

میں نیچے دیکھنے لگی۔ وہ نہیں سمجھے کہ میں کیا سوچ رہی ہوں اور اپنی دانست میں خوش ہو کر بولے:۔

"یہ فائدہ ہوتا ہے جب ایک عورت صرف عورت ہی کی حد تک رہتی ہو۔ سمجھیں تم۔؟"

مجھے ان باتوں سے نفرت ہو رہی تھی۔ انہیں پورا پورا اختیار ہے کہ جو اُن کے جی میں آئے اپنی دولت کے ساتھ کریں مگر اس کا انہیں کیا حق ہے کہ مجھ سے اس قسم کی باتیں کریں؟ میں نے اوپر نظریں اٹھائیں اور میرا مُنہ سُرخ ہو رہا تھا۔

"میں اس کے بارے میں اور کچھ دیکھنا اور سُننا نہیں چاہتی"، میں نے کچھ تکبّر سے کہا۔ "یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے کہ اپنی دولت کا جو جی چاہے مصرف تلاش کریں اور شاید آپ وہی کرینگے جو آپ مناسب خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ کہ آپ ہر وقت ان باتوں کو سُنا سُنا کر مجھے کچوکے دیتے رہیں اور پھر اور عورتوں کا ذکر بار بار نکالیں۔ جو آپ کی خوشی ہو کیجئے جس کے نام آپ روپیہ کرنا چاہیں کر دیجئے مگر ان باتوں کو اپنے ہی تک رہنے دیجئے۔ مجھے سنانے سے کیا فائدہ؟"

"اچھا، ٹھیک ہے" انہوں نے بڑبڑا کر کہا۔ "میں تمہیں سُنانے کیلئے نہیں کہہ رہا مگر چونکہ تمہارے عزیز مجھے روپے پیسے کے معاملہ میں ہمیشہ پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اور میں اُن سے اس سلسلے میں بات ہی کرنی نہیں چاہتا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تمہارے کان میں یہ بات ڈالدوں تاکہ وہ آیندہ کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دیں"۔

میں نے ان کے اس کہنے کو پکڑا۔

"بہت اچھا" میں نے کہا "میں مسٹر سیلکم سے خود بات کرونگی"۔

"اس کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں"۔

"کیوں نہیں؟ میں ان سے صاف صاف کہدونگی کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے اور کیسی دستاویز مرتب کی ہے۔ اور مجھے اس دستاویز پر کوئی اعتراض نہیں ہے ابا سے

بھی وہ کہدیں کہ خط لکھ لکھ کر وہ آپ کو پریشان نہ کریں ۔"

سرہمایوں فرپیچھے جھک کر بیٹھ گئے اور بھویں چڑھا کر مجھے دیکھنے لگے اور شاید یہ سوچنے لگے کہ کیا میں واقعی کر دنگی بھی وہی جو کہہ رہی ہوں ؟

پھر انہوں نے کھسیانے پن سے کہا " اگر تم اس وکیل سے ملوگی تو وہ تمہیں بھڑ کائے گا کہ تمہارے نام جو رقم لکھی گئی ہے وہ کافی نہیں ہے ۔"

" جی ہاں ۔ میں یہ سمجھتی ہوں ۔ وہ کہیں گے تو وہی نا جو میرے عزیزوں کی رائے ہے ؟ وہ میرے اور میرے عزیزوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کرنیکی کوشش کرینگے ۔

—— اچھا تو میں اس کے لئے تیار ہوں ۔ میں اُن سے ملونگی اور انہیں خاموش کر دونگی ۔ جب انہیں میری رائے معلوم ہو جائے گی تو وہ ابا اور اماں کو بھی بتا دینگے ۔ اور جب وہ دیکھینگے کہ میں مطمئن ہوں تو بالاخر انہیں بھی چپکا ہونا پڑے گا ۔"

" پھونکو انہیں ۔ وہ کبھی نہ مانینگے ۔ میں انہیں خوب جانتا ہوں ۔"

" ہاں ۔ میں بھی انہیں جانتی ہوں ۔ مگر انہیں خاموش ہونا پڑے گا ۔ انہیں شرم آتی ہوگی کہ مجھے اس ہد ڑے کو بیچا دیا اور اب وہ مجھے زیادہ نہیں ستائیں گے ۔"

میری ہمت ٹوٹ گئی ۔ اس شخص کے ہاتھ مجھے بیچا گیا اور وہ میری اس طرح ہنسی اُڑا رہا تھا ۔ میرے علم میں یہ بات زبردستی لائی گئی کہ ایک عورت کے لئے وہ کیا کیا کر رہا ہے ۔ میں جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی ۔ اور دروازے کی طرف چلی مگر وہ بھی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اسی بھونڈے پن سے چلے جو کہ اُن کی خصوصیت ہے اور آ کر میرا راستہ روک لیا ۔

"اگر تم ٹھیک رہتیں تو تمہیں شکایت نہ پیدا ہوتی کہ میں نے تمہارے ساتھ کمینہ سلوک کیا۔" انہوں نے غرا کر کہا۔

"ہمیں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں!" میں نے کہا۔ اور دروازے کو کھو کر اُن سے بھڑتی ہوئی نکل گئی۔

میں کچھ دیر تک روتی رہی۔ اس پر نہیں کہ انہوں نے کیا کہا تھا بلکہ اُس بیحیائی پر جس سے کہ انہوں نے اپنی حرکتوں کا مجھ سے اقرار کیا تھا۔ پھر میں نے ان سب بیہودہ خیالات کو اپنے دل سے نکالدیا۔ اور سوچنے لگی کہ آج ہی مسٹر سلیم سے ضرور ملونگی۔

میں کھڑکی میں سے باہر دیکھتی رہی اور تھوڑی دیر بعد مسٹر سلیم آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نے نرگس سے کہدیا کہ وہ مسٹر سلیم کو دیکھتی رہے کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں سر ہمایوں فر اُنہیں بغیر ملے ہی چلتا نہ کردیں۔

پھر میں نے اپنا ایک عمدہ جوڑا نکالا اور اُن سے ملنے کیلئے تیار ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد نرگس نے آکر اطلاع کی کہ مسٹر سلیم آ گئے ہیں۔ میں اُن سے ملنے دوڑی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ہلا ڈالا اور انہیں دیکھکر مسکرائی۔ میں انہیں دیکھکر اس قدر خوش ہوئی کہ منہ سے بات بھی نہ نکل سکی۔

وہ اسی قدر سنجیدہ و متین نظر آرہے تھے۔ وہی بجس چہرہ اور سیاہ سوٹ۔

"مزاج شریف۔ بیگم ہمایوں فر" انہوں نے کہا اور ہاتھ ملایا اس سنجیدگی کے ساتھ کہ میں اپنے اظہارِ مسرت کو بیوقوفی کی حرکت سمجھنے لگی۔

"کیا آپ مجھ سے ملکر خوش نہیں ہوتے؟" میں نے پوچھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور میں اُن کے سامنے بیٹھ گئی اور اُن کے چہرہ کو غور سے دیکھنے لگی۔

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ باوجود اُس سخت ترین سنجیدگی کے بھی ایک مسکراہٹ ان کے چہرہ پر آئی اور انکی آنکھوں میں وہی پہلی سی مہربانی کی جھلک نظر آئی۔

"ہاں کیوں نہیں؟" اور پھر وہی متانت چھا گئی۔ "گو میں تم سے اچھے حالات میں نہیں مل رہا"

"تو کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ آپ سر ہمایوں فر سے ان ذلیل کاغذات پر دستخط نہیں کرا سکے؟" میں نے کہا

"انہیں دستخط کر دینے چاہئیں۔ یہ بڑی بدنامی کی بات ہے کہ وہ نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم انپر زور ڈالیں تو وہ صحیح عمل کر سکیں گے" انہوں نے کہا۔

"تو میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ ایسی کوئی بات نہ کیجئے" میں نے جلدی سے کہا۔

اُنہوں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ گو یا میں ایک بچّہ ہوں۔

"اچھا" انہوں نے کہا "ہم اس کارروائی کو دیکھ لینگے۔ تم پریشان نہو"

میں نفرت سے ہنسی۔

"مسٹر سلیم! آپ میرے بارے میں اس قدر محتاط اور مہربان نہ ہوں۔ میں ان نرمیوں اور مہربانیوں کی عادی نہیں ہوں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ آج صبح سر ہمایوں فر

نے مجھ سے صاف صاف کہدیا کہ اُنہوں نے بچاس ہزار ایک اور عورت کے نام کر دیئے ہیں، مسز نعیم کے نام اور تین سو سالانہ میرے نام۔"

"ہاں، مجھے معلوم ہے۔ یہ وحشیانہ حرکت ہے۔ لیکن یہ دستاویز بدلنی پڑیگی۔ ہم اُن سے بدلوا کر رہیں گے۔" مسٹر سیلم نے خفگی سے کہا۔

"میری التجا یہ ہے کہ آپ اس کی کوشش نہ کریں میں بالکل مطمئن ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں اس قدر مصیبت میں ہوں اور اس قدر۔ اس قدر متنفر ہوں اس روپیہ سے جس کی خاطر کہ مجھے فروخت کیا گیا ہے۔"

خاموش! خاموش!"

"ہاں جو کچھ سوچتی ہوں آپ سے تو کہہ سکتی ہوں۔ میں تو سمجھتی ہوں، مسٹر سیلم، کہ آپ ہی دُنیا میں صرف ایک آدمی ہیں جس سے اپنے دل کی بات کہہ سکتی ہوں۔ اس تمام جھگڑے سے مجھے اس قدر صدمہ پہونچا ہے کہ میں اس کے متعلق اب کچھ سننا بھی پسند نہیں کرتی اور یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ سر ہمایوں فر کو مجبور کیا جائے۔"

"یہ تو تم بھی یقیناً دیکھ رہی ہوگی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک نہیں ہے۔ تم نے کوئی قصور نہیں کیا اور پھر بھی وہ اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتے اور ان مطالبات کی تکمیل بھی نہیں کرتے جنہیں وہ پہلے صحیح تسلیم کر چکے ہیں۔"

"خیر اس کا بھی مضائقہ نہیں۔ ان کو مجبور کرنے سے یہی بہتر ہے کہ اُن سے کچھ نہ کہا جائے۔ میں اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔"

"لیکن تمہارے ابا اصرار کرینگے اور برحق اصرار کرینگے۔ کہو کر رہے ہے۔"

"نہیں اُنہیں اصرار نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے اب تک گڑیا سمجھا گیا مگر اب میں اپنی مرضی کے مطابق عمل کرونگی، اس معاملات طے کرنے کے قصہ کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ کچھ بھی ہو، سر ہمایوں فرا بھی تو بہت عرصے تک جیتے رہیں گے۔ وہ ایسے بڈھے نہیں ہیں، مجھے یقین ہے کہ اپنی عمر کے ختم ہونے سے پہلے وہ خود راہِ راست پر آجائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ میں حریص و خود پرست نہیں ہوں جیسا کہ وہ اب مجھے سمجھتے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کچھ کریں میں اسے ترجیح دیتی ہوں کہ مجھے وہ جو جی چاہے سمجھیں۔"

"خیر۔ اب ہم اس کے متعلق گفتگو نہیں کریں گے، افسوس کہ یہ باتیں سب تمہارے علم میں لائی گئیں۔"

"اچھا تو ہم کچھ اور خوشگوار باتیں کرینگے، مجھے آج بیحد خوشی تھی کہ آپ سے ملونگی۔"

"تمہاری مہربانی ہے کہ اس طرح کہتی ہو۔ تاہم۔ مجھے یہ سنکر افسوس بھی ہوا۔"

وہ میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے لیکن اُنہوں نے سر اٹھا کر صرف ایک نظر مجھے اپنی عجیب غریب آنکھوں سے دیکھا جو کبھی تو اس قدر سخت ہو جاتی تھیں اور کبھی اس قدر نرم۔ اور پھر وہ نیچے دیکھنے لگے۔

"کیوں آپ کو افسوس کیوں ہوا؟" میں نے پوچھا۔

انہوں نے اپنی پیشانی پر اس قدر بل ڈالے کہ میں نے سمجھا کہ کوئی بہت ہی خوفناک بات کہنے والے ہیں مگر انہوں نے رُک رُک کر کہا:۔

"میں تو سمجھتا ہوں کہ تم ایک خشک وکیل کو دیکھکر کبھی اس قدر خوش نہ ہوتیں اگر تم

اتنی ہی مسرور ہوتیں جتنی کہ تم مسرور ہونے کی مستحق ہو۔"

ایک غم کی ہچکی میرے لبوں تک آکر رہ گئی۔ پھر میں نے کہا۔

"آپ میرے لئے ایک خشک وکیل نہیں ہیں، مسٹر سلیم آپ میرے لئے بہترین اور قابل اعتماد دوست ہیں۔ آپ جب میرے نزدیک ہوتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں آپ جو کچھ کہیں گے وہ سب سے اچھا مشورہ ہوگا اور اگر آپ کچھ بھی نہ بولیں تو کم از کم میں یہ کر سکتی ہوں کہ آپ سے بیدھڑک ہر بات کہدوں، اس وجہ سے کہ آپ کی ہمدردی اور نیک نیتی میرے شامل حال ہے۔"

اُنہوں نے ایک نظر مجھے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" اُنہوں نے کہا۔

"آپ نہیں جانتے کہ مجھے ایک ایسے دوست کی کس قدر ضرورت ہے جس پر پورا پورا بھروسہ کر سکوں۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ جنہیں میرا دوست ہونا چاہیئے اس لایق نہیں۔ مگر آپ پر اعتماد کُلی کر سکتی ہوں۔"

"میری آرزو تو یہ ہے کچھ اور لوگ بھی ہوتے جو تمہاری امداد کرتے، ایسے وقت میں بیگم ہمایوں فر۔"

اُن کے الفاظ خشک تھے اور لہجہ بے نیازانہ۔ اُن کی ہر بات بے احتیاط ٹپکتی تھی۔ مگر میں محسوس کر رہی تھی کہ اُن کی موجودگی میں مجھے محتاط رہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان پر کامل بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔

"آپ ابھی تو نہیں جا رہے نا؟ اور پھر بھی آپ مجھ سے ملیں گے؟" میں نے اُن سے پوچھا

"میں یہاں چند روز اور ٹھہرونگا۔ کچھ اور کام ہیں، بہت ناگوار، مگر تم سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔

"پھر تو آپ سے میں دوبارہ مل سکوں گی؟"

میرے لہجہ میں کوئی ایسی بات تھی کہ اُن کے دل کو لگی کیونکہ انہوں نے پھر میری طرف ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور ان کے چہرہ پر تکلیف کی ایک جھلک سی پیدا ہوئی پھر خفگی کے آثار نمایاں ہوتے۔

"ایک ایسے شخص کے ساتھ جو تمہارے لئے اجنبی کی سی حیثیت رکھتا ہو تمہارا اس طرح گفتگو کرنا بیحد تکلیف دہ ہے"۔ انہوں نے کہا، "کیا تمہارے دوست تم سے مہربانی سے پیش نہیں آتے؟ یہاں آج کل کچھ آئے ہوئے ہیں رہیں نا؟ نواب اور بیگم حشمت جاہ اور مسٹر فضل؟"

جب انہوں نے فضل کا نام لیا تو میرے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور جب یہ خیال آیا کہ کہیں انہیں میرے اور فضل کے واقعات کا علم تو نہیں ہو گیا تو حیا سے میرا چہرہ تمتمانے لگا۔

"جی ہاں۔ فضل اور بیگم حشمت جاہ میرے قریبی عزیز ہیں"۔

"کبھی کبھی تم اُن سے ملتی ہو گی؟"

میرے چہرے کا رنگ پھر بدلنے لگا۔ کیونکہ مجھے کچھ یقین سا ہو چلا تھا کہ انہوں نے کچھ معلوم کر لیا ہے۔

"جی ہاں۔ تقریباً روزانہ ہی اُن سے ملنا ہوتا ہے"۔ میں نے گھبرا کر کہا۔

"انہیں تمہارے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ یا اُن میں اتنی ہمت نہیں ہے؟"
انہوں نے اپنی آواز ہلکی کر کے کہا اور میں نے اپنا سر جھکا لیا۔

"آپا حسنیٰ میں تو اتنی ہمت نہیں ہے اور فضل"———— انکا نام آتے ہی میرے چہرے پہ پھر سرخی آنے لگی۔ "اگر وہ کوشش بھی کریں تو بیکار ہے"

مسٹر سلیم نے مجھ پر پہلی دفعہ نظر جمائی اور اس طرح کہ میرے دل کا حال لفظ بہ لفظ پڑھ رہے تھے، میں نے دوسری طرف اپنا منہ پھیر لیا، اس خوف سے کہ اگر آنکھوں سے آنکھیں مل گئیں تو وہ سب کچھ سمجھ لیں گے۔

مگر انہوں نے کچھ اور ہی بات کہی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم نے یہاں کی سوسائٹی میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے۔ بیگم ہمایوں فر۔ ہر شخص تمہاری تعریفیں کرتا ہے۔ کیا اس سے تمہیں خوشی ہوتی ہے؟"

میں ہنس پڑی۔

"نہیں، بالکل نہیں" میں نے کہا "آپ کو تو یاد ہوگا کہ جب آپنے پہلے پہل مجھے دیکھا تھا تو میں کیسی نظر آتی تھی؟"

"ہاں مجھے یاد ہے"

"دیوانہ وار دوڑنا۔ لباس کیسا ہی ہو۔ اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ دل بہلانا"

"ہاں جیسے جنگلی گلاب"

انکی بیحد سنجیدگی کے باوجود بھی یہ الفاظ اُن کے منہ سے نکل گئے ان کے منہ کو پہلے کبھی ایسی باتیں نہیں سنی تھیں۔ مگر اسکے کہتے ہی اُن کا رنگ سرخ پڑ گیا اور شاید

میرا خیال ہے کہ میرا بھی۔

"اچھا تو میں اسی قسم کی زندگی پسند کرتی ہوں کہ جس طرح چاہوں اپنا وقت گذاروں۔ اپنی مرضی کے کپڑے پہنوں اور یہ خیال دلنشین ہو کہ میرے ساتھ رہنے والے مجھ سے محبت کرتے ہیں اچھے اچھے لباسوں اور قیمتی زیورات پر جب یہ لوگ مجھے مبارکباد دیتے ہیں تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ جو بات میں پسند کرتی ہوں اُس سے یہ باتیں کس قدر مختلف ہیں"

اُنہوں نے بے کہے اپنا سر ہلایا اور اور میں اُن کے چہرے کے ہر خط و خال میں رحم اور ہمدردی کی جھلک دیکھ رہی تھی۔ میں انہیں اور بھی زیادہ دلچسپ پا رہی تھی۔ کیونکہ وہ اس قدر کم بات کرتے تھے اور وہ بھی اس قدر محتاط الفاظ میں۔

میں نے اپنی کرسی میز کے قریب کر لی جس کی دوسری طرف وہ بیٹھے تھے اور جھک کر مخلصانہ طور پر اُن سے پوچھا۔

"آپ مجھے یہ بتائیے کہ اگر واقعات ناقابل برداشت حد تک پہنچ جائیں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

وہ چونک پڑے۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ابتک جو کچھ ہوا ہے اُسے دیکھتے ہوئے مجھے اس کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے کہ جب وہ حالت آئے گی جس کی مجھے سہار نہ ہو سکے گی تو میں کیا کرونگی؟ یہاں سے چلا جانا تو مشکل ہوگا؟"

اُنھوں نے میری طرف غور سے دیکھا۔

"تم بُری صلاح دینے والوں کی بات نہ مانوگی؟" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

مجھ پر پھر حیا کا غلبہ ہوا۔

"مجھے اُمید ہے کہ ہرگز نہیں مانونگی" میں نے کہا "بہرحال مجھے آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے۔ اگر میں یہاں سے جانا چاہوں۔ بالفرض ابا کے پاس تو مجھے کیا کرنا چاہئیے؟"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ بغیر سسرالیوں کی اجازت یا اطلاع کے؟"

"جی ہاں وہ مجھے روپیہ پیسہ کبھی نہیں دیتے۔ صرف کچھ کھیلنے کے لئے دیا تھا وہ بھی میں نے اس بہانے سے ان سے لے لیا تھا اس میں سے بھی اب میرے پاس کچھ زیادہ باقی نہیں ہے اور وہ بھی انہوں نے واپس مانگا تھا۔ شاید وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں کلیتاً انکی دست نگر بن کر رہوں۔"

"اسکی تمہیں ضرورت نہیں کہ انکی محتاج رہو۔ تمہیں جتنے روپیہ کی ضرورت ہے مجھ سے لیلو اور جس طرح چاہو خرچ کرنا۔"

انہوں نے اپنا بٹوا نکالا، اور کچھ نوٹ گننے شروع کر دیئے۔

"لیکن میں آپ سے لینا پسند نہیں کرتی" میں نے کہا "خدا جانے مجھے کتنی جلدی انہیں خرچ کرنا پڑے اور کتنی دیر میں انکی ادائیگی ہو سکے گی۔"

"اسکا تصفیہ میں نواب بلند اختر سے کرلونگا۔"

میں نے اپنا سر ہلایا۔

"ابا کے پاس نقد روپیہ کبھی ہوتا ہی نہیں۔"

مسٹر ڈیلم مُسکرائے۔

"اس تمام اقرار و اعتماد کے باوجود بھی کیا تم مجھ پر اتنا بھروسہ نہیں کر سکتیں کہ مجھ سے روپیہ لیکر رکھ لو اور اس فکر میں دماغ سوزی نہ کرو کہ روپیہ کس نے دیا تھا۔ اور اس کی ادائیگی کب اور کیسے ہوگی؟"

میں نے انکی طرف نظر جما کر دیکھا میں تو سمجھتی ہوں کہ دُنیا میں اور کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس پر میں بھروسہ کر سکوں مگر مسٹر سیکم پر پورا پورا اعتماد کر سکتی ہوں میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"جی ہاں میں آپ پر بھروسہ کر سکتی ہوں۔ لائیے مجھے دیجئے" میں نے کہا۔

اُنہوں نے مجھے بیس اشرفیاں دیں اور میں نے اُنہیں اپنے رومال میں باندھ کر رکھ لیا۔ پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اُچھل کر کھڑی ہو گئی اور دامن ضبط میرے ہاتھ سے یک لخت چھوٹ گیا۔

"کیا آپ جا رہے ہیں؟ کیا آپ جا رہے ہیں؟ مجھے یہ تو بتائیے کہ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ آپ یہاں کب تک ٹھہرینگے؟" میں نے ہانپ کر کہا۔

اُنہوں نے مجھے اس قدر ترحم اور مہربانی آمیز سنجیدگی سے دیکھا کہ مجھے اپنی حالت پر پہلے سے بھی زیادہ افسوس ہونے لگا۔ مجھے شرم بھی آئی کہ میں نے انکی آنکھ میں یہ جذبہ پیدا کیا جب کہ وہ مجھ سے اسقدر خلوص سے پیش آ رہے تھے۔

اُنہوں نے مجھے اپنے ہوٹل کا نام بتایا اور کہا کہ اگر کوئی ضرورت آ پڑے تو انہیں اس پتہ سے خط لکھدوں کیونکہ وہاں ابھی کچھ دنوں اور وہ ٹھہرنے والے تھے۔ پھر انہوں نے

رخصت چاہی اور جانے کو ہوئے تو میں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اُنہوں نے اسے اس طرح سے لیا گویا میں ملکہ تھی۔

"آپ مجھے اپنی مہربانیوں اور توجہات سے شرمندہ کرتے ہیں مسٹر سلیم"، میں نے کہا۔ "میں تو جھوٹی اور بناوٹی خوش اخلاقی کے علاوہ اور کسی طرز عمل کی خوگر نہیں ہوں"!

ایک بار پھر اُنکے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے مگر انہوں نے صرف اس قدر کہا:۔

"مجھے یہ سُنکر افسوس ہوا، بیگم ہمایوں فر!"

"آپ جس طرح مجھ سے پیش آتے ہیں۔ اس سے میرے بہت سے زخم مُندمل ہو جاتے ہیں"۔ میں نے جلدی سے جواب دیا۔

پھر میں نے انکی پیشانی پر ایک رگ پھولتی ہوئی دیکھی مگر یہ تبدیلی شریفانہ اور بجا غصہ کی بنا پر تھی نہ کہ خودغرضی کی وجہ سے پھر انہوں نے کہا۔

"بیگم ہمایوں فر! بہتر یہ ہے کہ میں اور کچھ نہ کہوں۔ میں یہاں صرف نواب بلند اختر کے کام پر آیا ہوں اور میں اپنے پیشہ ہی کا طرز عمل رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تم کچھ جاننا ہی پسند کرتی ہو تو لو سُنو کہ جب میں ہوٹل پر پہنچ جاؤنگا تو میں —— ایسی ایسی باتیں کہونگا جو کسی خاتون کے سننے کے لایق نہیں ہونگی"!

اور کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے کمرے میں سے چلے گئے۔

مگر آہ! مجھے کس قدر تقویت ہوتی ہے اس خیال سے کہ وہ میرے دوست ہیں، خواہ میرے لئے کچھ بھی نہ کر سکیں۔ لیکن یہی خیال کیا کم ہے کہ جہاں مجھے مردوں کے سلسلہ

میں اتنی مایوسیوں سے واسطہ پڑ چکا ہو وہاں ایک مرد ایسا بھی ہے۔ ذی عزت۔ بے غرض اور مہربان۔ اس سے مجھے اپنے اس خیال میں شبہ ہوتا ہے کہ دُنیا بھیانک اور بری ہے۔

باقی سارے دن میں خوش وخُرم رہی اور سر ہمایوں فراس نمایاں تبدیلی پر بہت متعجب ہوئے ہونگے۔ بغیر یہ جانے ہوئے کہ اس کا کیا سبب ہے۔

مگر وہ جس طرح مسٹر سلیم کا تذکرہ کرتے ہیں مجھے سُنکر اُن سے اور بھی نفرت ہوتی ہے۔ انہیں "وہ وکیل" کہنا! حالانکہ وہ اُن سے ہزار گنا شائستہ مزاج اور نیک سیرت ہیں۔

نائس: ۱۵ر اپریل ۵۳ء

میں بیمار رہی اور اُس دن سے اب تک جو کچھ ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواب کی باتیں ہیں، مجھے کیلنڈر دیکھنا پڑا کہ آج کیا تاریخ ہے۔ اور اب تک میری زندگی کے کتنے دن گذر گئے۔

تو اُس دن مارچ کی انتیس ۲۹ تھی۔

اس دن صبح کو مجھے اس کا سان گمان بھی نہیں تھا کہ شام تک کیا کیا ہو جائیگا۔

دن کی ابتدا اس خوش کُن خیال سے ہوئی کہ اگر وقت پڑے تو کم از کم ایک دوست ایسا ضرور ہے جس کے پاس میں جا سکتی ہوں۔ غالباً یہی خیال تھا کہ میں روزانہ سے زیادہ بشاش نظر آرہی تھی، چنانچہ جب میں سر ہمایوں فر سے ملی تو بجائے سرخ آنکھوں اور مظلوم نظر آنے کے، جیسی کہ ایک دن پہلے تھی، مسکرا رہی تھی۔ اور طبیعت خوش خوش تھی۔

مسٹر سلیم کے آنے کے بعد سے وہ بہت برگشتہ مزاج ہو گئے تھے اور بات بات پر مجھے میرے عزیزوں کے طعنے دینے لگتے تھے اور ایسی جلی کٹی باتیں کرتے تھے کہ مجھے بجید ناگوار گذرتی تھیں، مگر میں ان باتوں کی عادی ہو گئی تھی، یہانتک کہ دستاویز کا ذکر اور میرے اعزا کی ناکامی کا تذکرہ بھی مجھے کچھ کہنے سننے پر آمادہ نہ کرتا تھا۔

یہ طے ہوا تھا کہ ہم منٹون جا کر سر ہمایوں فر کے چند دوستوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہونگے، اس لئے ہم گیارہ بجے ہوٹل سے روانہ ہو گئے تھے، میں ایک سیدھا سادہ جوڑا پہنے ہوئے تھی اور سر ہمایوں فر مجھ پر بگڑ رہے تھے کہ کوئی قیمتی جوڑا کیوں نہیں پہنا، صبح کا وقت بہت تنگ تھا اس لئے عمدہ جوڑا پہننے اور آرائش کا وقت نہیں تہا اور کچھ یہ بھی بات تھی کہ میں ان کے حکم ماننے کے لئے آمادہ نہیں تھی، اب جبکہ انہوں نے مجھے گویا

قطعاً نظر انداز کر دیا تھا اور بغیر سمجھوتا کئے اپنے افعال و اعمال میں پوری پوری آزادی سے کام لے رہے تھے میرا بھی انکے احکام پر عمل کرنے کے لئے جی نہ مانتا تھا۔ لیکن اس سے پیشتر کہ ہم منٹون پہونچیں سر ہمایوں فر کی خفگی دُور ہوتی گئی یہاں تک کہ نہایت تپاک سے پیش آنے لگے۔ یہ سفر ہم نے ایک بڑی سی موٹر میں طے کیا جو انہوں نے مجھے بعد میں بتایا کہ خود انہوں نے خریدی تھی راستہ میں ایک گل فروش کی دوکان سے رنگ برنگ کے گلاب کے پھولوں کا ایک گچھا لیا جو انہوں نے اصرار سے میرے لباس میں لگوایا۔ جب میں نے کہا کہ لگاؤں کس چیز سے؟ میرے پاس تو کوئی پن نہیں ہے۔ تو انہوں نے ایک جوہری کے ہاں سے ایک بہت بڑا سیفٹی پن خریدا جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور بیچ میں زمرد تھا۔ اس سے یہ پھول لگائے گئے۔

جب ہم منٹون پہونچے تو ان کے دوست ایک ہوٹل میں جمع تھے۔ وہ لوگ انہی جیسے تھے ... اور مجھ سے زیادہ تپاک سے پیش نہیں آئے۔ مرد تو عین بین سر ہمایوں فر کا بھائی تھا اور اس کی بیوی ایک دراز قد بیباک عورت تھی، شوہر سے بھی لمبی۔ جوانی میں خوبصورت ہوگی۔ اب تو اپنی بڑھی ہوئی عمر کا عیب بڑھے ہوئے فیشن سے چھپاتی تھی۔

ہم سب نے ملکر کھانا کھایا۔ اور بہت سے شرفا بھی وہاں جمع تھے اور وہیں آپا حسنی اور اُن کے شوہر بھی ملے۔ یہاں بھی مجھے بدنصیبی سے مداحین کا خاصہ بڑا حلقہ مل گیا اور سر ہمایوں فر نے بھی یہ دیکھکر کہ لوگ میری تعریفیں کر رہے ہیں کمال مہربانی اور توجہ کا اظہار کرنا شروع کیا۔ مگر میں مجبور تھی کہ گرمجوشی سے اُن کی وقتی محبت کا جواب

نہیں دے سکتی تھی۔ یہاں سارا دن مشکل سے کٹا کیونکہ ٹینس کا ایک میچ تھا اور وہ ہمیں دیکھنا پڑا۔ اگر صرف ایک شخص میرے ساتھ ہوتا تو میں شاید اس سے کافی لطف اندوز ہوتی۔ ایک جرمن شہزادہ بھی وہیں تھا اور اس نے مجھ سے متعارف ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس سے سر ہمایوں فر پھولے نہ سماتے۔ جب ہم نائس واپس آئے تو انکے مزاج کا پھر وہی رنگ ہوگیا تھا جس میں انکی خوشنودی میرے لئے ناممکن ہو جاتی ہے یعنی کبھی تو اس قدر اظہار محبت کریں کہ بیحیائی تک نوبت پہونچ جائے اور کبھی میری سر دمہری پر سخت سے سخت طعنے دینے لگیں اور پھر یہ بھی کہیں کہ دوپہر کو وہ میری ہر دلعزیزی دیکھکر فخر و ناز کر رہے تھے۔

جب ہم واپس آگئے تو پھر مجھے جلدی جلدی لباس تبدیل کرنا پڑا کیونکہ رات کا کھانا ہمیں کچھ اور لوگوں کے ساتھ مانٹی کارلو میں کھانا تھا۔

سر ہمایوں فر نے مجھ سے پوچھا "کونسا جوڑا پہنوگی؟" اور پھر اصرار کیا کہ سب کپڑے انکے سامنے لائے جائیں تاکہ وہ خود پسند کریں۔

نرگس ایک ایک کرکے جوڑے لاتی رہی اور میں اُن کے پاس مجبوراً کھڑی رہی۔ وہ بڑی محبت سے پیش آتے رہے۔ اور ہر جوڑے پر مجھ سے اظہار خیال کی درخواست کرتے رہے مجھے اس کی ذرہ بھی پرواہ نہیں تھی کہ میں کیا پہنوں اور وہ ذوق و شوق ظاہر کرنا جس کے وہ مجھ سے متوقع تھے میرے بس کی بات نہیں تھی۔ بالآخر انہوں نے ایک سیاہ جوڑا چھانٹا جس پر کام بھی سیاہ بنا ہوا تھا یہ میرے لئے پسند کرکے انہوں نے کہا کہ موتی کے ہار گلے میں پہنو اور زمرد ٹوپی میں لگاؤ۔ مجھے زمرد کی

نفرت ہے کیونکہ اُسکا رنگ بہت شوخ ہوتا ہے۔ اور بالعموم پسند کیا جاتا ہے مگر میں نے کچھ نہ کہا اور انکے حکم کے بموجب کپڑے اور جواہرات پہن لیے۔

جب میں نے کپڑے پہن لیے تو میں کمرۂ ملاقات میں گئی جہاں سر ہمایوں فر میرے منتظر تھے۔ وہ مجھے دیکھکر بہت خوش ہوئے اور طرح طرح سے میرے زیورات کو ٹھیک کرنے لگے اور اس قدر اظہار الفت کیا کہ گویا بہت ہی محبت کرنے والے شوہر ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ کہکر انہوں نے سب پر پانی پھیر دیا کہ "آج رات کو جوئے خانہ میں کوئی عورت تم سے بازی نہ لیجا سکے گی۔ یہاں تک کہ حسینان پیرس کو بھی نیچا دکھاؤ گی"

میں کسی کو نیچا دکھانا نہیں چاہتی تھی اور اُن کا یہ کہنا مجھے ناگوار گذرا۔ اس لیے انہوں نے حسبِ دستور پھر مجھے اعلیٰ خاندان کے طعنے دینے شروع کیے اور کشیدگی پھر بڑھ گئی جس ہوٹل میں کھانا کھانا تھا وہاں جرمن شہزادہ بھی تھا۔ جو اُس دن وہاں ملا تھا۔ اُس نے مجھ سے واقفیت بڑھانے کی اتنی بے چینی ظاہر کی کہ سر ہمایوں فر پھولے نہ سمائے اور جب ہم جوئے خانہ میں گئے تو وہ ہمہ تن توجہ بنے ہوئے تھے۔

جوئے خانہ میں جس پر سب سے پہلے ہماری نظر پڑی وہ مسز نعیم تھی۔ لباس نہایت شاندار تھا اور گلے میں ہیرے کا ایک ہار پڑا تھا۔ اس نے سر ہمایوں فر کو دیکھکر سر ہلایا اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ گویا دیکھا ہی نہیں۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ مجھ سے باتیں کر رہے تھے تو اس کا چہرہ بگڑ تا جاتا تھا اور یہ دیکھکر اُسکے تیور بگڑتے جاتے تھے کہ وہ مجھ سے التفات شوہرانہ کر رہے ہیں۔

میں جانتی تھی کہ یہ مہربانی مجھ پر صرف اس لئے ہو رہی تھی کہ لوگوں نے میری تعریف کی تھی، خصوصاً جرمن شہزادہ نے، اس سے وہ بہت خوش تھے۔ مگر میں یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ مسز نعیم جلے مر رہی تھی۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد جب سر ہمایوں فریجہ اپنے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پھر رہے تھے یا بالفاظ دیگر میرے لباس اور میرے جواہرات کی نمایش کر رہے تھے تو وہ ایک دم سے انکے سامنے آگئی، جان بوجھ کر آگے آکھڑی ہوئی اور اس طرح کہ ہمیں خواہ مخواہ رُکنا پڑا۔ پھر نہایت بے تکلفی سے بولی "میں تم سے بات کرنی چاہتی ہوں ہمایوں"۔

وہ چیں بجبیں سے ہوئے اور بولے "اسوقت نہیں پھر کبھی پھر کبھی"۔

لیکن میں نے ان کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور انہیں چھوڑ کر ان لوگوں میں جا ملی جن کے ساتھ ہم آئے تھے۔ اس طرح وہ اسکے ساتھ تنہا رہ گئے۔

چاروں طرف اس بدسلوکی پر جو مجھ سے کیجا رہی تھی مُنہ جوڑے جانے لگے، کیونکہ ہر شخص مسز نعیم سے واقف تھا۔ اور اس رات کو تو وہ سب کی نگاہوں میں تھی۔ سنہرے بال، سرخ چہرہ عمدہ لباس اور قیمتی جواہرات، یہ ایسی چیزیں نہیں تھیں کہ کسی کی نظر سے بچ جائیں۔ اسی کا ذکر ہر زبان پر تھا۔

اس وقت اتنے بڑے مجمع میں ہر شخص کے سامنے میری یہ تذلیل و رسوائی! اس عورت کا مجھ سے جلانا محض اس لئے کہ میرا شوہر مجھ سے شوہروں کی طرح پیش آرہا تھا، ان باتوں سے مجھے کچھ ایسی غیرت آئی کہ جی چاہا خوب رو دوں۔ مگر روئی نہیں۔ بعد میں مجھ سے افضل نے کہا جو وہاں پہلے سے موجود تھے کہ میرا رنگ ہلدی کی گرہ

کی طرح زرد پڑ گیا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس قسم کی اہانت میں آیندہ کبھی گوارا نہ کروں گی۔ چنانچہ میں نے آپا حسنیٰ کو بلا بھیجا۔

وہ اور افضل ساتھ ساتھ آئے اور میں نے کہا کہ "دن بھر کی تھکن سے میری بوٹی بوٹی دکھ رہی ہے اور فوراً واپس جانا چاہتی ہوں۔ میں سرہمایوں فر کی لطف اندوزی میں خلل ڈالنا نہیں چاہتی اس لئے اُن سے اس کا ذکر مت کرو۔ افضل تم اُن سے بعد میں کہدینا کہ آپا حسنیٰ کے ساتھ گھر واپس چلی گئی ہوں"

افضل ہمارے ساتھ جانا چاہتے تھے مگر میں نے مخالفت کی۔ آپا حسنیٰ نے خود تو مسز نعیم کو باتیں کرتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر اڑتی اڑتی خبر سُن لی تھی اس لئے تفصیلی حالات معلوم کرنا چاہتی تھیں۔ میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں بیوقوفوں کی طرح رونہ پڑوں۔ پھر فائدہ کیا تھا؟ یہ طرز عمل کوئی نیا نہیں تھا صرف اتنا تھا کہ سرہمایوں فر کے دوستوں کا تہتک آمیز برتاؤ مجھ سے بڑہتا جاتا تھا۔ آپا حسنیٰ کو بہت غصہ آرہا تھا اور وہ کہنے لگیں "کل صبح میں اور نواب حشمت جاہ آکر سرہمایوں کو ایسی کھری کھری سنائیں گے کہ وہ بھی یاد رکھیں گے" مجھے اس سے بھی اچھا نتیجہ برآمد ہونے کی امید نہ تھی مگر میں نے اُن کے پُرخلوص ارادہ کا شکریہ ادا کیا اور اُن سے استدعا کی کہ اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔

جب ہم ہوٹل میں پہونچ گئے تو وہ میرے پاس ٹھہرنے کا ارادہ ظاہر کر رہی تھیں مگر میں نے اُن سے کہا کہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور ان کے ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، جب ہم ریل میں آرہے تھے تو میں کچھ سوچ رہی تھی اور جب میں نے انہیں

رخصت کر دیا تو سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور مسٹر سلیم کو خط لکھنے بیٹھ گئی۔ میں نے کوئی کچھ سطریں لکھی ہونگی اور انہیں یہ لکھا ہی تھا کہ کیا معاملہ پیش آیا ہے کہ کسی نے میرے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر قلم چھین لیا۔ پلٹ کر جو دیکھا تو افضل کھڑے تھے۔

"تم کسے خط لکھ رہی ہو میری جان؟" انہوں نے کہا۔

میں نے اٹک اٹک کر کہا "افضل، تم! تمہیں نہیں آنا چاہئے تھا!"

مگر انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں میں گھیر لیا تھا اور محبت سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہنے لگے۔

"تم مجھے خط لکھ رہی تھیں، ہے نا؟"

یہ کہکر انہوں نے میرا دایاں ہاتھ اٹھا کر چوم لیا۔ میں نے سر ہلا کر کہا "نہیں، میں تمہیں نہیں لکھ رہی تھی۔ تم کیوں آئے ہو؟"

"یہ پوچھنے کی تمہیں ضرورت نہیں ہے۔ جب اُس بدمعاش نے اس طرح تمہاری تذلیل کی تو میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا جب تک کہ تم سے اپنے تاثرات بیان کرکے دل کی بھڑاس نہ نکال لوں۔ مگر تم بغیر میرے کہے ہی سمجھ گئی ہو گی، کیوں چھمّو؟"

"ہاں میں نے جان لیا تھا کہ تم بھی وہی محسوس کر رہے ہو گے جو اور لوگ محسوس کر رہے تھے" میں نے کہا۔

"تم اس قسم کی باتیں آیندہ برداشت نہیں کر سکتیں چھمّو تم اُس سے کوئی سمجھوتا کر لو۔"

"سمجھوتے بالکل بے کار ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

یہن سکونِ قلب سے گفتگو کر رہی تھی اور میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ افضل میرے قدموں کے قریب زمین ہی پر بیٹھ گئے۔

"واللہ! تم کسقدر ٹھنڈے دل سے اس بات کو دیکھ رہی ہو۔ میں تمہاری تعریف کرتا ہوں۔"

"اچھا تو میں کرتی بھی کیا؟ لڑتی جھگڑتی تو اور تماشہ بنتی۔"

"اس واقعہ کے بعد کوئی ذی عزت شخص اس سے بات کرنی بھی گوارا نہ کریگا۔ تمہیں اُس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی۔"

"ہاں میرا ارادہ ہے۔"

میں نے پھر اپنے خط کی طرف توجہ کی اور قلم اٹھا کر جو افضل نے چھین کر پھینک دیا تھا میں نے لکھنے کی کوشش کی۔ پھر میں نے انکے بازوؤں کو حلقہ کرتے دیکھا۔

"چھمو! اس قدر بے حس نہ بنو۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے۔ تم بُت معلوم ہوتی ہو۔ عورت نہیں۔ تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں،" میں نے کہا "کہ میں اِس قسم کی زندگی نہیں گذار سکتی اور مجھے اپنی ہی طرف سے جدائی کے لئے پیش قدمی کرنی پڑے گی۔"

"شاباش!" افضل نے کہا۔

"میں گھر سے بھاگ جاؤنگی۔"

اس پر وہ بھونچکے سے نظر آئے۔

"میں تمہیں ہرگز اس کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ چھوٹی ایسی حرکت ہے جس کا پھر کوئی علاج نہو سکے گا۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

میں نے پلٹ کر انہیں غور سے دیکھکر کہا۔ "اس واقعہ کے بعد بھی کیا تم سچ مچ سوچتے ہو کہ میں پہلے کی طرح زندگی بسر کرتی رہونگی، اس قسم کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور میری توہین ہوتی رہے۔؟"

"نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ مگر میں پُر زور طریقہ پر کہتا ہوں کہ تم پہلے اپنے اعزا کو اطلاع دو اور اس سے پیشتر کہ وہ لوگ کوئی فیصلہ کریں تم کوئی ایسی ناگوار حرکت مت کرو۔ پہلے انہیں ہمایوں فر سے بات کر لینے دو کہ اسکے طرز عمل نے کسقدر نفرت اور ــــــــ"

"کیا فضول باتیں لگائی ہیں۔" میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "اب معاملہ صلاح و مشوروں کی حد سے گذر چکا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ میں زیادہ ذلیل ہوئی ہوں اور یہ بھی میں جانتی ہوں کہ ان کا قصور نہیں تھا بلکہ اس عورت کا تھا، لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ اس طرح زندگی گذارنی بیکار ہے۔ تذلیل سے بھی زیادہ کی نوبت آگئی ہے، میرے ساتھ یہ سلوک جائز رکھنا میرے خاندان کی ذلت کا باعث ہے۔"

"واللہ تم سچ کہتی ہو۔"

"اس لئے اب میں اس کا قصہ ہی پاک کرنیوالی ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

میں نے پلٹ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور پھر غور سے دیکھکر کہا۔ "فضل کیا تم حقیقتاً مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"چھمو، کیا اس کے پوچھنے کی ضرورت ہے؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم میرے لئے کچھ ایثار سے کام لے سکتے ہو؟"

"یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں کچھ کیا ہر ممکن ایثار کر سکتا ہوں۔ بدقسمتی سے میرے پاس ہے کچھ بھی نہیں۔

"خیر ہے تو میرے پاس بھی کچھ نہیں۔ کم از کم دست بردار ہونے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ اس طرح ہم دونوں برابر ہو نگے۔"

افضل کچھ پریشان نظر آئے۔

"تمہارا مطلب کیا ہے؟ تم میں اور مجھ میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"خیر ہم اس پر بحث مُباحثہ نہیں کرینگے۔ دست بردار ہونے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ اور تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔"

"چھمو، تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"اچھا تو کیا تم میرے ساتھ فرار ہو سکتے ہو؟"

وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ وہ اپنے گھٹنوں پر کھڑے ہو کر مجھے اپنی آغوش میں بھر لے چکے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں تشنج سا ہوا اور ایک لمحہ تک پھر خاموش رہے۔

پھر انہوں نرمی سے کہا "تم یہ ارادہ نہیں کر سکتیں، تم بہت نیک لڑکی ہو۔"

ان کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے انہیں جھٹکے سے پیچھے ہٹا کر اور کھڑے ہو کر بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔

"میں بہت نیک لڑکی ہوں، بہت نیک، یا اللہ! پرسوں رات کے اس مطالبہ کے بعد بھی جو تم مجھ سے کر رہے تھے تم مجھے اس قدر نیک لڑکی سمجھتے ہو کہ میری امداد بھی نہ کی جائے، مجھے اس موجودہ زندگی سے نہ بچایا جائے"!

میں سمجھتی ہوں کہ مجھ پر ہذیانی کیفیت طاری تھی کیونکہ میں ایک ہی وقت میں ہنس اور رو رہی تھی یہاں تک کہ وہی چیخیں جو میرے لبوں تک آ رہی تھیں میرا دم گھونٹنے لگیں اور میری باتیں اس قدر بے ربط ہو گئیں کہ میرا خون جمتا معلوم ہونے لگا۔

"میں بہت نیک ہوں! آہ افضل! میں سمجھتی ہوں تم اس کے لئے میری مدد کرنے کو بالکل تیار تھے کہ میں اپنے شوہر کی امانت میں خیانت کروں۔ یہ کہنے کیلئے خوب آمادہ تھے کہ مجھ سے تمہیں بیحد محبت ہے۔ مگر جب میں تم سے کہتی ہوں کہ اسے ثابت کرو، مجھے اس مصیبت سے بچاؤ، اس تحقیر و تذلیل سے مجھے نکالو، تو تم بہانے ڈھونڈتے ہو۔ تمہیں مشکلات نظر آتی ہیں۔ تم ——— تم بزدل ہو افضل"۔

میں نے آخری الفاظ جھک کر نفرت سے اُن سے کہے۔ میں اس قدر مشتعل ہو گئی تھی کہ ساکن و خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ اور جب میں کہہ چکی تو پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ہنگم اور دیوانوں کے سے قہقہے لگانے لگی۔

افضل اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اور عجب گومگو میں پڑ گئے تھے مگر حواس قایم تھے۔

"چھتو میں یہ نہیں کر سکتا،" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہو گا۔ تم میرے ساتھ کیسے چلی چلو گی، جبکہ تم مجھے پیار کرنا بھی گوارا نہیں کرتیں؟"

میں نے حقارت سے ایک بیچین جنبش کی گویا انکے عذر بالکل بیکار تھے۔

"تو یہ کہو کہ تم مجھے میرے شوہر کو دغا دلانے کے لئے تو تیار تھے مگر مجھے خوش کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو؟"

"چھمو، بغیر دولت کے تو کوئی بھی خوش نہیں رہ سکتا!"

"دولت، دولت، دولت!" میں نے چیخ کر کہا "ہمیشہ اسی کا رونا رویا جاتا ہے۔ مجھے دولت کی پروا نہیں ہے۔ مجھے دولت نہیں چاہئے۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھ سے محبت کرے۔ میں چاہتی ہوں کہ کوئی میرا خیال رکھے اور میں اس کا خیال رکھوں اس پر اعتماد کروں، کوئی ایسا ہو جو بات بات پر مجھے مجروح نہ کرے، میں سمجھتی تھی کہ تم ایسے ہو گے، مجھ سے ایسی ہی محبت کروگے، منتظر ہوگے کہ میں اس سے نجات پالوں۔ چھٹکارا حاصل کرلوں، تو مجھ سے شادی رچاؤ اور مجھے خوش رکھو۔ میں ان تمام چیزوں کو جنکے لئے مجھے بیچا گیا ہے چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے خیال تھا کہ شاید تم بھی یہی کروگے، مگر آہ ظاہر یہ ہوا کہ تمہارا عشق یہ تھا کہ مجھے بے عزت کرنا چاہتے تھے۔ میری عصمت تباہ و برباد کرنے کا نام تم نے محبت رکھ چھوڑا تھا! آہ فریب۔ مکاری دھوکہ!" غم سے میرا دل پھٹا جاتا تھا۔

میری طبیعت اس قدر بے قابو ہوگئی تھی کہ وہ ڈر گئے اور مجھے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ مجھے یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے کہ انکا کہنا اس وجہ سے تھا کہ ان کی محبت اس قدر "صادق اور حقیقی" تھی کہ وہ رسوائی اور افلاس کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مگر میں انکی باتوں پر ہنس رہی تھی کیونکہ خوب سمجھ رہی تھی۔ میں انکے

دل کا حال پڑھ رہی تھی جن پر مجھے اعتماد تھا اور جن کا میں یقین اس وقت بھی کر لیتی تھی جبکہ وہ مجھے غلط راستہ پر چلنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ میں نے دیکھ لیا کہ وہ کسقدر خود غرض تھے اور یہ کہ وہ شرافت یا محبت نہیں تھی جو اُنہیں مجھے اپنے ساتھ لیجانے سے باز رکھ رہی تھی، وہ افلاس کا خوف تھا، خوف اس کا کہ ہماری زندگی بے دولت کے عیش و آرام میں نہیں گذرے گی اور اسی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ رہے تھے اور انکاری تھا۔

انہوں نے طرح طرح سے مجھے جتانا چاہا کہ اُن کی محبت خود غرضانہ نہیں تھی مگر دو رات پہلے کے واقعات یاد کر کے مجھے ان کی کسی بات کا یقین نہ آیا۔ میں سنتی رہی، چپکی بیٹھی روتی رہی اور وہ اس پر زور دیتے رہے کہ میں ہاں کر لوں اس معاملہ میں کہ وہ اور نواب حشمت جاہ اور آپا حسنیٰ سر ہمایوں فر سے ملکر زور دیں کہ میرے علیحدہ رہنے سہنے کا انتظام کر دیں اور ایک معقول رقم مقرر کر دیں اور مجھے پوری پوری آزادی دیدیں کہ جس طرح چاہوں اپنی زندگی گذاروں۔

مگر مجھے ان باتوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ ان سب باتوں میں مجھے وہی طوطے کی سی رٹ سنائی دے رہی تھی۔ "روپیہ، روپیہ، روپیہ"! میرے لئے ایک معقول مشاہرہ مقرر کیا جائے یہ تھا اصلی مطالبہ، مجھے روپیہ دیا جائے تاکہ میں آزادی کے ساتھ خرچ کروں۔ اپنے اوپر اور اپنے دوستوں پر۔

شاید میں ناانصافی سے کام لے رہی تھی مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ افضل مجھے وہ تدبیریں بتا رہے ہیں جو خود ان کیلئے مفید ثابت ہو سکتی تھیں۔ میں محسوس کر رہی تھی

کہ وہ میرے آرام کے لئے نہیں بلکہ اپنی آسائش کے لئے یہ علیحدگی اور مشاہرہ تجویز کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے یہ خیالات تو ظاہر نہیں کئے مگر میں اتنی خاموش اور رنجیدہ سی بن رہی تھی کہ وہ سمجھاتے سمجھاتے تنگ آ گئے۔ اور کہنے لگے "تم بے وقوف ہو اور اپنی بھلائی بھی تمہیں نہیں سوجھتی۔ اور جب تم ہی کسی کی صلاح مشورہ پر کان نہیں دھروگی تو پھر کوئی تمہارے لئے کیا کوشش کر سکتا ہے؟"

وہ یہ کہکر اور رنجیدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

میں نے کہا "ہاں شاید میں ہی کج فہم ہوں۔ مگر میں جانتی ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔ میرے حالات ہی ایسے ہیں کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ کیا تم از راہ مہربانی میرا ایک خط ڈاک میں ڈال دو گے؟"

انہوں نے آہستہ آہستہ پلٹ کر دیکھا اور کچھ حاسدانہ لہجے میں کہا "خط! کسکو؟"

"ابا کے وکیل کے نام" میں نے کہا۔

انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا "تو کیا تم مقدمہ دائر کرنا چاہتی ہو؟ پہلے ویسے ہی طے کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہتیں؟ اس میں تمہیں زیادہ منافع رہیگا۔"

میں نے پھر بیچینی سے حرکت کی "میں زیادہ منافع حاصل کرنا نہیں چاہتی۔ کیا تم اسے ڈالدو گے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں" انہوں نے کہا۔

میں نے جلدی جلدی اپنا خط پورا کیا جس میں ان کو لکھا تھا کہ کل صبح سویرے وہ مجھ سے آ کر مل لیں۔ میرا ہاتھ اسقدر کانپ رہا تھا کہ بڑی مشکل سے لکھا گیا کیسی یہ کو

طرح خط پورا کیا اور بند کر کے فضل کو دیدیا۔

"شب بخیر افضل، اور تمہارا بہت بہت شکریہ" میں نے کہا۔

اُنہوں نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جس میں التجا آرزو اور پریشانی سب ہی کچھ ملا ہوا تھا۔ مگر میں اس قدر پریشان ہو چکی تھی کہ مجھ میں آب تاب نہیں رہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ مجھ میں احساسات فنا ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر دبا یا اور اس سے زیادہ کی جرأت نہیں کی۔

"شب بخیر، میری پیاری، اللہ تم پر رحم کرے" کہکر وہ چلے گئے۔

وہ شاید سیڑھیوں ہی پر ہونگے جو مجھے موٹر کے ٹھہرنے کی آواز سنائی دی مگر مجھے اس وقت سر ہمایوں فر کا خیال بھی نہیں آیا۔ میں کرسی پر بے دم ہو کر پڑ گئی اور اپنے چہرے پہ ہاتھ جو رکھے تو وہ سرد اور گیلا ہو رہا تھا۔ مجھے آج ایک اور بھی مایوسی ہوئی اور صدمہ پہونچا۔ افضل بست ہمت نکلے اور میں نے اس خط کی اہمیت کو محسوس کیا جس میں دو شب پہلے میں گھر گئی تھی۔ مگر خیر۔ ابھی مسٹر سلیم باقی تھے اور میں جانتی تھی کہ میں اُن پر اسی قدر اعتماد کر سکتی ہوں جس قدر کہ خود اپنے آپ پر۔

افضل کے ساتھ جو کچھ گذری تھی اس سے میں اس قدر بیزار اور دلبرداشتہ ہو گئی تھی کہ جب کمرہ کا دروازہ کھلا اور سر ہمایوں فر داخل ہوئے تو مجھ سے سہارا نہ ہو سکی اور چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگی۔ اس طرح کہ گویا وہ کوئی بھوت پریت ہیں۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو انکے طرز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نادم ہیں اور مجھ سے معافی مانگیں گے مگر انہوں نے جو مجھے چیخ مار کر بھاگتے دیکھا تو غصہ سے لال بھبھوکا ہو گئے اور وحشیانہ طور پر مجھ پر جھپٹ کر میرا دامن پکڑ لیا۔ میں نے بہتیرا زور لگایا مگر وہ

پھٹ کر بھی انکے ہاتھ سے نہ چھوٹا انہوں نے اول فول بکنا شروع کیا، مجھے گھسیٹ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر بولے "بھاگ کس بات پر رہی ہو؟ تمہیں یہاں ٹھہر کر میری بات سننی پڑے گی"

"نہیں" میں نے کہا "آج نہیں۔ میں صبح کو سن لونگی مگر اب نہیں"

"تم اب سنوگی" انہوں نے کہا اور مجھے دھکا دیکر کرسی میں پھینک دیا۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ تم جانتی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔ آج شام کو جو واقعہ ہوا۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ مجبوری تھی۔ تمہیں اس پر غور کرنا پڑے گا میرا کیا قصور ہے؟"

میں نے کچھ نہ کہا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ان سے بحث نہیں کرونگی۔ میں خواہ کچھ ہی کہوں وہ سوائے بگڑنے کے اور کچھ کرنے ہی کے نہیں اور میں لڑنا جھگڑنا چاہتی نہیں تھی۔ جب تک مسٹر سیکم سے مشورہ نہ لے لوں میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ نہ تو کچھ کہونگی اور نہ کرونگی۔ رہا اس معاملہ کو نظر انداز کرنا تو یہ بالکل بے سود تھا کیونکہ بات پھیل چکی تھی اور ہر جگہ اسی کا چرچہ ہو رہا تھا، اب کوئی صورت باقی نہ تھی سوائے اسکے کہ علیحدگی عمل میں آئے۔ اسمیں مجھے کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ میرے اعزا اور احباب اس کام کو مجھ سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتے تھے۔ میں اس قدر مضطرب و مضمحل ہو رہی تھی کہ خود نہ تو کچھ سوچ سکتی تھی اور نہ فیصلہ کر سکتی تھی، وہ میرے قریب آئے اور اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

"سنو۔ یہ آخری دفعہ ہے کہ تمکو اس قسم کی شکایت پیدا ہوئی۔ اسکے بعد تمہیں شکایت

کا موقع نہیں ملیگا۔"

ایک لمحہ کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ کسی عجیب و غریب خوف نے میرا گلا گھونٹ دیا۔ اب وہ وقت گذر چکا تھا جب کہ ہم میں مصالحت ہو سکتی تھی، مجھے ڈر تھا کہ مصالحت ہی کا تذکرہ کرینگے، شاید وہ یہ کہنے والے تھے کہ انہوں نے اس عورت سے تعلقات منقطع کر لئے ہیں کیونکہ اُس نے میری توہین کی تھی۔ پھر وہ مجھ سے مطالبہ کرینگے کہ میں ان سب باتوں کو بھول کر اُن سے صلح کر لوں اور مجھے یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ میں اُن سے محبت نہیں کر سکتی تھی، ان پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی اور نہ انکی کسی بات کا یقین کر سکتی تھی۔

"میں کسی بات کی شکایت نہیں کر رہی۔" میں نے کہا۔ "برائے مہربانی آج رات کو مجھ سے اور کچھ نہ پوچھئے۔"

میں کرسی پر سے اُٹھی اور جلدی جلدی دروازے کی طرف چلی مگر وہ مجھ سے پہلے وہاں پہونچ گئے اور دروازے سے کمر لگا کر کھڑے ہو گئے اور جب میں اُن کے قریب پہنچی تو انہوں نے زور سے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی۔ میں بھونچکی کھڑی تھی اور وہ زور زور سے ہنس رہے تھے۔ پھر ایک دم سے چُپکے ہو کر بولے۔

"مہربانی کر کے اسکو چھوڑ یئے اس تمکنت آمیز و پُر وقار طرز گفتگو سے کام نہیں چلیگا۔ تم جانتی ہو کہ اسے زیادہ نبھا نہیں سکتیں۔ تمہیں اسکا حق بھی نہیں ہے، باوجود اس تمام ظاہری عصمت مآبی کے تم مجھ سے کچھ بہتر نہیں ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے عاشق کو رخصت کیا ہے۔"

میں یہ سُنکر چونکی تک نہیں۔ اب مجھ پر ان کے کہنے اور سمجھنے کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔

"نہیں میرا کوئی عاشق نہیں ہے" میں نے کہا۔

"یہ بالکل جھوٹ ہے"۔ انہوں نے گالی دیکر اور زمین پر پاؤں مار کر کہا "کیا تم سمجھتی ہو کہ میری آنکھیں نہیں ہیں؟ ذرا اپنے بکھرے ہوئے بالوں کو تو دیکھو اور ان کچلے ہوئے پھولوں کو بھی اور سب سے زیادہ یہ کہ میں نے اس ـــــ کو خود سیڑھیوں پر سے اترتے دیکھا ہے۔ اور اسکی وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمہارے پاس سے آ رہا ہے اور یہ تم نے اُسے خوب ـــــ"

میں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا "ٹھہریئے چونکہ آپ کو اس کا علم ہو گیا ہے۔ اسلئے آپ کو پوری بات کا علم ہونا چاہیئے۔ یہ سچ ہے کہ افضل میرے پاس آئے تھے اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ میرے عاشق بننے کیلئے تیار تھے"

"اچھا تو آپ اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں اور آپ ـــــــــ"

میں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "ہاں اس بات کے اقرار کرنے میں کیا قباحت ہے کہ سب مرد آپ ہی جیسے ہوتے ہیں اور ہر عورت سے محبت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ سوائے ایک کے، جس سے کہ محبت کرنا اُن کا فرض ہے"

ان الفاظ کو سُنکر وہ بہت سٹ پٹائے، گویا وہ سوچ رہے تھے کہ دیکھئے ابھی اور کیا کیا کہا جاتا ہے۔

"اچھا" انہوں نے کہا "میں آپ کا وعظ سننے نہیں آیا"

"میں وعظ نہیں کہہ رہی" میں نے کہا۔

"ہاں مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے"! انہوں نے کہا۔ "تمہارے ان کئے کو تک کے بعد

"آپ کو ابھی میرے کئے کو تک کا علم نہیں ہے"، میں نے کہا۔ "اب میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ افضل میرے عاشق نہیں ہیں، نہ تھے اور نہ ہونگے۔ مگر میں نے چاہا تھا کہ وہ میرے عاشق بن جائیں۔ میں اس سے بھی زیادہ کی خواہش مند تھی"۔

سرہمایوں فرتعجب سے دیکھ رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ انہوں نے جو کچھ اتہام مجھ پر لگائے تھے سب جھوٹے تھے۔ انہیں خیال بھی نہیں تھا کہ میں ایسا کر سکتی ہوں۔ شاید وہ مجھے یہ سمجھتے تھے کہ کبھی بہک ہی نہیں سکتی۔ بہر حال وہ مجھے درصل ایک نہایت باعصمت بیوی سمجھتے تھے۔

"کیا کہا؟"، انہوں نے اٹک اٹک کر کہا۔

میرا سانس زور زور سے چل رہا تھا اور میں نے انہیں گھورتے ہوئے اور مٹھیاں بھینچکر کہا: "میں چاہتی تھی کہ وہ میرے ساتھ فرار ہو جائیں"۔

انکی پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا۔

"تم ——— تم نے خواہش کی تھی!"

"ہاں اگر وہ راضی ہو جاتے تو اب تک ہم اس ہوٹل میں سے کبھی کے جا چکے ہوتے!"

"مجھے اس کا یقین نہیں آتا کیونکہ تم اس قدر سادہ لوح ہو!"

"جی ہاں۔ میں سادہ لوح تھی مگر وہ بیوقوف نہیں تھے۔ آپ کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے، میرا نہیں، کیونکہ مزید رسوائی اور بدنامی نہیں ہوئی!"

"خیر یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ بات نہیں بڑھی کیونکہ میں تمہیں طلاق تو کبھی نہ دیتا بس تمہیں اپنی حماقتوں کی سزا بھگتنے کیلئے یونہی آزاد چھوڑ دیتا"۔

اب میرے ہنسنے کی باری تھی۔

"سزا" میں نے حقارت سے کہا۔ "آپ مجھے سزا کیسے دیتے؟ جب میں آپکے چنگل سے نکل جاتی تو پھر سزا کیسی؟ آپکے ساتھ رہنے میں جو جو تکلیفیں مجھے پہنچی ہیں انکے مقابلہ میں سخت سے سخت سزا بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔"

مارے غصے کے ان کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور پیشانی پر موٹی سی نیلی رگ اُبھرآئی۔ میں اس قدر برہم تھی کہ مجھے معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ میں نے کیا کہا اور میرا یوں ایک دم سے سرتابی کرنا انہیں ایسا معلوم ہوا جیسے ایک پالتو کتا یکایک اُنہیں کو کاٹنے کھڑا ہوگیا۔ انکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی ناراضگی کا اظہار کس طرح کریں۔ میں نے دیکھا کہ انکے ہونٹ دانتوں پر سے سُکڑ گئے۔ اور انکی مٹھیاں بھچ گئیں۔ جب وہ بولے تو انکی آواز بھٹی بھٹی تھی۔

"ت ..... ت ...... تم کو تکلیف پہنچی ہے م ..... م ..... میرے ساتھ رہنے میں؟ اچھا تو غارت ہو یہاں سے، مُنہ کالا کرو اپنا۔ نکلو باہر گھر میں سے، دفع ہو اپنے عاشق کیساتھ جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ تمہیں اپنے ساتھ لیجائے اور تمہیں خوش رکھے نکلو یہاں سے۔"

میرا خیال تھا کہ غصہ سے اُن کا سانس گُھٹ جائیگا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر انھوں نے گھسیٹا اور دروازہ کھولا۔ پھر مجھے گھسیٹتے ہوئے برآمدہ میں سے سیڑھیوں پر لائے اور پھر سیڑھیوں پر سے گھسیٹتے ہوئے ہال میں سے ہوتے ہوئے سڑک پر لاکر مجھے دھکا دیکر باہر پھینک دیا اور خود ہوٹل میں واپس چلے گئے۔

میں دیکھ رہی تھی کہ ہال میں مرد اور عورتیں حیرت سے ہمیں دیکھ رہی ہیں۔ کچھ استناعی آوازیں بھی سنائی دیں اور پھر کچھ شور وشغب۔ لوگ شاید انہیں قائل معقول

کر رہے تھے۔ مگر میں اب واپس جانا نہیں چاہتی تھی بلکہ اسے بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اگر مجھے منا کر لیجائیں۔ شرم و غم سے سرتاپا قدم ایک دُکھتا ہوا زخم بنی ہوئی تھی۔

رات کی سرد ہوا چل رہی تھی اور میں کانپ رہی تھی۔ سر پہ ٹوپی بھی نہیں تھی۔ جو لباس میں پہنے ہوئے تھی اس میں گردن اور نصف سینہ کھلا ہوا تھا۔ پاؤں میں ہلکی سی سلیپر تھی۔ مگر میں اتنی بیغیرت نہیں تھی کہ پھر واپس جاؤں اب صرف ایک جگہ تھی جہاں میں جا سکتی تھی۔ صرف ایک دوست تھا جو اس مصیبت میں میری امداد کر سکتا تھا۔

میں مسٹر سلیم کا پتہ جانتی ہی تھی اسلئے تیزی سے انکے ہوٹل کی طرف چل پڑی لوگ میری ہیئت کذائی پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے مگر میں ان سب سے بیخبر ہوا کی طرح اُڑی چلی جا رہی تھی یہانتک کہ مسٹر سلیم کے ہوٹل پہنچ گئی چاروں طرف خاموشی تھی اور ابھی روشنیاں جل رہی تھیں۔ مجھے یہ دیکھکر طمانیت ہوئی کہ وہاں تماشائی نہ تھے۔ صرف ایک ملازم ملا جو مجھے دیکھ کر متعجب ہوا میں نے اُس سے کہا کہ مسٹر سلیم کو اطلاع کر دے کہ ایک خاتون ان سے ابھی وقت ملنا چاہتی ہے۔ اُس نے میری طرف غور سے دیکھا مگر میرے ذہن میں فوراً ہی خیال آگیا اور میں نے کہا "وہ میرے والد کے قانونی مُشیر ہیں"

اُس نے مجھے ایک طویل کمرۂ طعام میں بٹھا دیا۔ سب روشنیاں گُل ہو چکی تھیں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا۔

اتنے میں مسٹر سلیم آتے دکھائی دیئے اور میرے دل کی دھڑکن میں انھیں دیکھ کر ذرا کمی ہوئی۔ وہ بہت سنجیدہ اور حیران نظر آتے تھے۔

"بیگم ہمایوں فرا میرا قیاس ٹھیک نکلا۔ یہ کیا حالت ہے؟"

میرے سر پہ ٹوپی بھی نہیں تھی اور میرے پھٹے ہوئے لباس اور بکھرے ہوئے بالوں نے مجھے بہت ہی جنبق سا بنا دیا تھا۔

میں نے اُن سے کہا۔" ایسی جگہ چلئے جہاں ہم باتیں کر سکیں"۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ اس کمرے کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

"ہاں میری ایک نشستگاہ بھی ہے۔ چلو اوپر چلو مگر ہاں پہلے تھوڑے سے الفاظ میں مجھے یہ بتاؤ کہ یہ حالت کیا ہے۔ ؟"

"مسز ہمایوں فر نے مجھے ہوٹل سے باہر نکال دیا، جیسی میں بیٹھی تھی ویسی کی ویسی ہی۔ کیونکہ میں نے اُن سے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ میں نے افضل سے اپنے ساتھ فرار ہونے کی درخواست کی تھی"۔

مسٹر سلیم کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"اچھا اوپر چلو"، انہوں نے کہا۔

میں انکے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکلی اور جب برآمدے سے گذری تو میں نے دیکھا کہ کچھ متعجب نظریں مجھ پر پڑ رہی تھیں، دوسری منزل پر مسٹر سلیم کی نشست گاہ تھی۔ ہم اسمیں داخل ہوئے۔ میز پر بجلی کی روشنی میں کاغذات پھیلے ہوئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک کرسی پیش کی اور میں نے بیٹھ کر میز پر کہنیاں ٹکا دیں۔

"تمہیں سردی لگ رہی ہے"، انہوں نے کہا۔

میں نے اب دیکھا کہ میں کانپ رہی ہوں۔ ابتک مجھے اس کا بھی احساس نہ ہوا تھا،

انہوں نے الماری کھولکر ایک بوتل اور گلاس نکالا، اور میز پر رکھ کر گلاس میں تھوڑی سی وائن الٹی۔

"پی لو اسے" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

میں نے انکار میں اپنا سر ہلایا "میں نہیں پیا کرتی۔ رہنے دیجیے شکریہ"

"پی لو" انہوں نے پھر کہا اور میں نے تعمیل کی۔ انکار اُن کے آگے بیکار تھا۔

پھر وہ میز کی دوسری طرف بیٹھ گئے اور ہمنے لیمپ کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہاں اب مجھے بتاؤ کہ تم نے سرہمایوں فر سے اسقدر غیر مآل اندیشانہ اقرار کیسے کرلیا؟"

میں نے اُن سے حرف بحرف کُل واقعہ بیان کردیا۔ نہ تو کوئی بات چھپائی اور نہ اپنی کسی کمزوری کو نظرانداز کیا۔

جب میں اُن سے بیان کرچکی تو پھر میں نے کہا "آپ یقیناً مجھے بہت بُری عورت سمجھ رہے ہوں گے۔ کیونکہ میں نے ایک شخص کو اپنے ساتھ خود ہی فرار ہوجانے کی دعوت دی تھی"۔

اُن کی آنکھوں میں کچھ اس قدر نرمی کی جھلک نظر آئی کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا سا آیا۔ مگر انہوں نے اُسی سابقہ خشکی سے کہا "بحیثیت وکیل کے میں نے اس سے بھی بدتر واقعات دیکھے ہیں"

"مسٹر سلیم، اگر میرے ساتھ معقولیت برتی جاتی تو میں کبھی بدی کی طرف راغب نہ ہوتی۔ شاید یہی مجرم بھی کہتے ہونگے مگر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں صدق دل سے کہہ رہی ہوں"۔

"ہاں خیر، اس میں شبہ نہیں کہ تمہارے ساتھ کسی نے بھی معقولیت کا برتاؤ نہیں کیا"

"کیا آپ کا بھی یہ خیال ہے ؟" میں نے کہا۔

"بیشک صرف ایک بات کا تمہیں شکرگذار ہونا چاہیے۔ وہ یہ کہ افضل کی بڑی ہوئی خودغرضی ہی کی وجہ تھی کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے گئے"

"بڑی ہوئی خودغرضی! آپ کو بھی اسکا یقین ہے ؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ خودغرض نہیں ہیں اس لئے وہ میرے ساتھ فرار نہیں ہو سکتے"

"محض لغویت۔ اُنہوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ تمہارے شوہر کی عدم موجودگی میں تم سے ملنا تمہارے لئے کسقدر خطرناک ثابت ہوگا۔ اُنہیں کبھی یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ انکی محبت یہ رنگ بھی لے آئے گی کہ تم ان کے ساتھ فرار ہونے پر آمادہ ہو جاؤ گی۔ وہ بڑا خودغرض بھیڑیا ہے، اور کل میں اُنسے کہوں گا کہ یہاں سے جلد ہیں"

"کل! اب اس سے کیا فائدہ ؟ ہم اس واقعہ کو فراموش کر دیں گے اور پھر دیسے ہی ہو جائیں گے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں"

"اُن سے ابھی کچھ عرصہ تک نہیں ملنا چاہیے۔ ہمیں تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان صلح وصفائی کرانی ہے"

"نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں"

"ہاں ہمیں یہ کرنا پڑیگا۔ تمہاری جیسی شادیوں کی یہی تو مصیبت ہوتی ہے کہ علیحدگی سے معاملات اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ مجھے اسمیں مطلق شبہ نہیں ہے۔ کہ جب سر ہمایوں نے یہ کہا تھا کہ میں تمہیں طلاق نہیں دونگا تو وہ بالکل سچ کہہ رہے تھے۔ اب ذرا اس زندگی پر تو غور کرو۔ تم اسکی اہمیت کو اس قدر محسوس نہیں کر سکتیں جس قدر کہ میں کیونکہ تمہیں دُنیا کا

علم ہی کتنا ہے؟ میں تم سے کہہ سکتا ہوں کہ اُس عورت کی زندگی جو ایسے شوہر سے جُدائی چاہے ایسی ہوتی ہے کہ تم جیسی عورت اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کسی نہ کسی طرح اسکے شوہر کی بدنامیاں اور رُسوائیاں اُسے بھی بدنام و رُسوا کرتی رہتی ہیں خواہ وہ اپنی زندگی کو کتنا ہی بنائے سنوارے۔ اور جہاں تم جیسی حسین عورت کا معاملہ ہو تو دُنیا ہرگز یہ تسلیم نہ کرے گی کہ تم نیک، باعصمت و بے گناہ ہو، اسلئے تم مجھے صفائی اور ملاپ کرانے کی کوشش کرنے دو۔"

"نہیں، نہیں، نہیں۔ میں یہ ہرگز نہیں کروں گی خواہ کچھ ہی ہو جائے۔ آپ کو سنکر تعجب ہو تو ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ مجھے ان سے نفرت ہے، مجھ سے اگر وہ نفرت کریں تو وہ اس سے ہزار گنا بہتر ہے کہ۔ کہ۔ آہ میرا دل لرز رہا ہے۔"

میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھک لیا۔ وہ بہت دیر تک خاموش رہے۔ کبھی کبھی بچینی سے کچھ بڑبڑاتے تھے۔

"دیکھو!" انہوں نے کہا اور میں نے دیکھا کہ وہ انتہائی مہربانی سے مجھے دیکھ رہے ہیں۔

"ہمیں کم از کم ایک مرتبہ اور مصالحت کرنے کی کوشش کرنی چاہئے یہ تمہیں ناگوار ضرور گذر رہا ہوگا مگر مجھ پر یقین کرو کہ یہی صورت بہتر ہوگی۔"

میں نے ایک آہ کھینچی۔ وہ اپنی کہے گئے گویا کسی بچے کو سمجھا رہے تھے۔

"تم نے یہ کہہ کر میری عزت افزائی کی ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرتی ہو ہے نا"؟

"جی ہاں۔ بیشک۔"

"اچھا تو تم میری مدد اس طرح کر سکتی ہو کہ اس بدترین معاملہ کو سنوارنے میں میری اعانت کرو اور وہ ایسے کہ میں جو کچھ کہوں ویسا ہی کرو۔ تم نے اُن سے بے تکلفی بہت

بے تکلفی برتی۔ اب اسی کو نباہنا چاہیے۔ انہیں یقیناً خیال ہو گا کہ تم میرے ہی پاس آئی ہو اور اسے ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ پھر وہ یہ سمجھ لیں گے کہ معاملہ میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"اچھا اچھا" میں نے بےچینی سے کہا۔

"شاید وہ اسوقت بھی اپنی غضبناکی پر نادم ہو رہے ہونگے کیونکہ رسوائی اور بدنامی کیا کم ہو گی۔ انکی عادت یہی ہے کہ ہر معاملہ میں خود غرضی سے کام لیتے ہیں مگر وہ بیوقوف نہیں ہیں اور وہ محسوس کر رہے ہونگے کہ ان سے بڑی نادانگی حرکت سرزد ہو گئی ہے، اس سے تمہاری بدنامی اتنی نہیں ہو گی جتنی کہ انکی ساری دنیا انہیں پر تھوکے گی۔

"جی ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں"

"اس وجہ سے اب وہ نادم و مجوب ہونگے اور ایسے میں ان سے مصالحت کی شرائط آسانی سے طے ہو جائینگی"

"مصالحت؟ نہیں ہرگز نہیں میں واپس کبھی نہیں جاؤنگی"

"دیکھو تم نے کل معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ میں اس کا لحاظ رکھونگا کہ شرائط تمہارے لئے مفید ہوں"

"بہر حال میں تو سمجھتی ہوں کہ وہ صلح وصفائی کیلئے ہرگز آمادہ نہ ہونگے" میں نے کہا۔

"اس صورت میں" انہوں نے کہا "میں مصر ہونگا کہ تمہاری چیزیں، تمہاری وہ اشیاء جو تم سے متعلق ہیں میرے حوالے کی جائیں"

"وہ مجھے پھر لالچی کہیں گے"

"خیر وہ مجھے جو ان کا جی چاہے کہیں۔ میں تو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تمہاری سب چیزیں

ان لوگوں کو دیجاریں جو انکے مستحق نہیں ہیں۔ مسز نعیم کے ساتھ انکی بدنامی بہت ہو چکی ہے اور وہ عورت بڑی جلتی ہوئی ہے، ہر ممکن کوشش کریگی کہ یہ کشیدگی کی خلیج بڑھتی ہی جائے اور جتنے بھی تمہارے زیورات اور قیمتی متعلقات ہیں سب حاصل کرلے۔"

میں لرزنے لگی "اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا سوائے اسکے کہ میری ہی چیزوں پر اور جھگڑا ہو۔ رہا زیورات کا قضیہ۔ تو مجھے اُن سے نفرت ہے۔"

"خیر خیر۔ اگر تم میری آنکھوں سے اس معاملہ کو دیکھو تو شاید تمہیں بھی افسوس ہو" مسٹر سلیم نے ہنس کر کہا "اچھا اب میں تمہارا کیا انتظام کروں؟ یہاں دو معمر عورتیں ٹھری ہوئی ہیں۔ ان کے پاس تمہیں لے چلتا ہوں۔ وہاں شب گذاری کر لینا۔"

"اجنبی ہونگی وہ تو بالکل!"

"اچھا تو تمہیں تمہارے عزیزوں کے پاس کینیڈا لیچلوں؟"

"ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

مگر انہوں نے تیوری چڑھائی اور اپنا سر ہلایا "نہیں میں یہ نہیں کر سکتا۔" انہوں نے کہا۔ میں سمجھ گئی کہ انہوں نے افضل کی وجہ سے انکار کیا اُس خیال کے آتے ہی میرا چہرہ شرم سے تمتمانے لگا۔

اُنہوں نے رحم آمیز لہجے میں کہا "ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ سر ہمایوں فرم کو اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

یہ حقیقت تھی اور میں نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مسٹر سلیم اس فکر میں تھے کہ مجھے کیا اُٹھا کر لیجائیں کہ اتنے میں ہوٹل کے ملازم نے آکر اطلاع دی کہ سر ہمایوں فرمان سے

ملنا چاہتے ہیں۔"

"اُن سے کہو کہ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں"، مسٹر سلیم نے کہا۔

جب ملازم چلا گیا تو انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا "خوش ہو"، انہوں نے کہا۔ "میں جا کر انہیں قائل معقول کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاید فیصلہ ابھی ہو جائے اور بہتری کی صورت نکل آئے۔"

وہ نیچے چلے گئے، میں انتظار کرتی رہی۔ دل بُری طرح دھڑک رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے پھر سر ہمایوں فر کے ساتھ ہوٹل واپس جانا پڑے، گو مسٹر سلیم کی رائے میں اس سے بہتر صورت ناممکن تھی۔

اُن کے واپس آنے تک معلوم ہوا کہ صدیاں گذر گئیں۔ جب وہ واپس آئے تو تنہا تھے اور بہت سنجیدہ۔

"میری توقعات کے خلاف معاملہ تو بہت بگڑ گیا۔ مجھے اسکا افسوس ہے"، انہوں نے دروازہ بند کر کے کہا۔ "اس عورت کا اثر سر ہمایوں فر پر بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے قیاس کر لیا کہ تم میرے پاس آئی ہو گی اور وہ مجھ سے یہ کہنے آئے تھے کہ آیندہ ہمیشہ کے لئے تم سے جدائی ہی رہیگی، تمہارے لئے کوئی رقم بطور کفالت مُتعین نہیں کرینگے۔ جب تک کہ قانونی چارہ جوئی نہ کیجائیگی تا کہ اس طرح عدالت میں تمہیں ان باتوں کا اقرار بھی کرنا پڑے جن سے تمہاری رسوائی ہو۔"

مگر میں اُن سے یہ سنکر بہت خوش ہوئی۔ خواہ کچھ ہو، اُن کے پاس واپس جانا مجھے گوارا نہیں۔"

"خیر تو اس میں میرے لئے کیا بُرائی ہے؟" میں نے خوش ہو کے کہا۔

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے" مسٹر سلیم نے کہا۔ "انہوں نے فی الحقیقت اپنے وصیت نامہ میں کُل دولت، تقریباً کُل دولت اسی مسز نعیم کے نام لکھدی ہے۔ انہوں نے مجھے وہ وصیت نامہ خود دکھایا۔ جبپر اُن کے اور گواہوں کے دستخط ثبت تھے میں نے صرف اُن سے اتنا کہا اب ذرا ہوشیار رہنا۔ وصیت نامہ تو لکھدیا ہے۔"

میں یہ سنکر بھی ہراساں نہیں ہوئی۔ یہ خبر تو مجھے وہ خود پہلے سنا چکے تھے۔

"مجھے اسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے" میں نے کہا۔ مگر اسکے بعد ہی میرے دل میں ایک خیال آیا جسکی وجہ سے میری ایک آہ نکل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"کیا بات ہے؟" مسٹر سلیم نے چونک کر پوچھا۔

"میرا روزنامچہ ——— اور میرا صندوقچہ جسمیں میرے کُل تحفے تحائف ہیں جو ابا اور اماں، دادا وغیرہ نے دیئے تھے۔ آپ اُن سے مجھے یہ دو چیزیں تو دلوا سکتے ہیں اس طرح کہ وہ انہیں کھولیں نہیں!"

"ہاں" انہوں نے کہا "یہ چیزیں تو ہم بہر صورت حاصل کر لیں گے"

اُن کے اندازِ گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انکے علاوہ بھی اور کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے پُوچھ کچھ نہیں کی تو خود ہی بولے "سر ہمایوں فر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آج ہی رات کو مسز نعیم سے ملنے مانٹی کارلو جائیں گے۔ ہمیں اس کا موقعہ مل جائیگا کہ ہم ہوٹل پہنچکر وہ چیزیں لے لیں جو تمہاری ہیں"

"آہ! اس واقعہ کے بعد مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں وہاں جاؤں" میں نے کہا۔

"دیکھو تم مجھ پر اعتماد کرو۔ میں نے یہاں کی ملازمہ سے کہدیا ہے کہ وہ تمہارے لئے ایک لبادہ نقاب اور ٹوپی لا دے اور ہم بغیر کسی مشکل کے وہاں جاکر واپس آسکیں گے۔"

دروازے پر گاڑی کھڑی تھی اور چند ہی منٹ میں میں پرائے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور راستے میں کوئی بات تک نہ کی۔ ذرا سی دیر میں ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ مسٹر سیلم کی توقعات کے مطابق ساری باتیں تھیں۔ پھرنے والے بھی نہیں تھے اسلئے مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ ہمیں معلوم ہوگیا کہ سر ہمایوں فر کہیں باہر گئے ہوئے ہیں اسلئے ہم اپنے کمروں کی طرف اوپر چلے۔ سیڑھیاں طے کرنیکے بعد پہلے میرا کمرہ آتا تھا اور پھر سر ہمایوں فر کا۔ پہلے ہم اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں نرگس بیٹھی رو رہی تھی۔ مسٹر سیلم نے اُس سے بات کی تو معلوم ہوا کہ سر ہمایوں فر نے اُس سے میرا ذکر بُرے الفاظ میں کیا تھا اور کہا تھا کہ اب میں کبھی واپس نہ آؤں گی۔ پھر مسٹر سیلم نے اس سے کہا کہ میری سب چیزیں لے آئے۔ مال اسباب اور زیورات وغیرہ تاکہ ہم وہاں سے لیجائیں۔ وہ یہ سنکر خوش ہوگئی اور لگی جلدی جلدی صندوق کھولنے اور بند کرنے۔ مسٹر سیلم نے مجھ سے پوچھا "تمہاری موتیوں کی کنٹھی کہاں گئی؟" میں نے انہیں بتایا کہ جب سر ہمایوں فر نے مجھے جانے سے روکا تھا وہ ٹوٹ گئی تھی۔

"جاؤ اسے تلاش کرو۔" انہوں نے کہا۔

میں نے انکار کیا تو انہوں نے اصرار کیا کہ وہ میرے ہیں اور مجھے نہیں چھوڑنے چاہئیں۔ میں سر ہمایوں فر کے دیوان خانے میں بددلی سے داخل ہوئی تاکہ اسے ڈھونڈوں مگر جب میں کمرے میں داخل ہوئی جہاں سارا سامان اسی طرح اُلٹ پلٹ پڑا تھا تو میں نے

خوابگاہ کا پردہ ہلتا دیکھا اور معاً میرے دل میں خیال گذرا کہ کوئی وہاں چُھپا ہوا میری نقل و حرکت دیکھ رہا ہے، مجھ پر خوف سا طاری ہو گیا۔ دل میں خیال آیا کہ کہیں سر ہمایوں فر ہی نہ ہوں۔ ڈر کے مارے بجائے کنجی تلاش کرنے کے میں جلدی سے کمرے کے باہر نکل آئی اور جب برآمدہ میں پہونچی تو مجھے سر ہمایوں فر کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ وہ زینہ طے کر کے اوپر آ رہے تھے۔

میں اپنے کمرے کی طرف بھاگی، میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے کہ مجھ کو اور مسٹر سیلم اور نرگس کو دیکھ کر سر ہمایوں فر کیا کہیں گے؟ اور پھر ایسی حالت میں کہ انکی عدم موجودگی میں سارا سامان باندھا جا رہا تھا! جب میں سر ہمایوں فر کی خوابگاہ کے پاس سے گذری تو مجھے اس کا دروازہ کُھلا ہوا نظر آیا اور میں نے دیکھا کہ دروازے کے پیچھے ایک عورت چھپی ہوئی ہے مگر میں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ مسز کیلم تھی، اس کا ایک ہاتھ سینہ پر تھا اور اِس میں کوئی چمکدار چیز تھی۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہ دیکھ سکی کیونکہ میں اور بھی تیز اُڑی جا رہی تھی۔ ایک لمحہ بعد میں اپنے کمرے میں پہونچ گئی تھی، سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔ اور مُنہ سے بات تک نہ نکلتی تھی مسٹر سیلم اور نرگس ایک صندوق بند کرنے میں مصروف تھے اور انہوں نے فوراً ہی پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا میں نے بھی کچھ توقّف کیا تاکہ طبیعت قابو میں آ جائے اور پھر ارادہ ہی کر رہی تھی کہ ان دونوں کو بتاؤں کہ میں نے خوابگاہ میں کیا دیکھا کہ ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ میں فوراً سمجھ گئی کہ یہ کس کی آواز تھی اور میری چیخ نکل گئی۔

"کیا ہے، کیا معاملہ ہے؟" مسٹر سیلم نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ نرگس

اور میں بھی اُن کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔

برآمدہ میں اپنی خوابگاہ کے سامنے سرہمایوں فر پڑے تھے اور اُن کے پاس ہی ایک طمنچہ پڑا تھا۔

"کچھ نہیں ہے،" انہوں نے مشکل سے سانس لیکر کہا۔ "یہ۔ اتفاقیہ سانحہ ہو گیا ہے۔"

مگر مجھے پوری حقیقت معلوم تھی۔ میں نے مسٹر سلیم کے کان میں کہا، "وہی عورت تھی ابھی جو میں یہاں سے گذری تھی تو میں نے اُسے خوابگاہ میں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چمکدار چیز بھی تھی۔"

مسٹر سلیم جلدی سے خوابگاہ میں گھس گئے مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ شمشاد بھی بھاگ کر آگیا تھا اور اپنے آقا پر جھکا ہوا تھا۔ نرگس امداد کے لیے چیخ رہی تھی۔ میں ساکت کھڑی تھی۔ ذہن بیکار ہو گیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ واقعہ کیا ہوا ہے۔ نرگس مجھے میرے کمرے میں واپس لے آئی۔ غالباً سرہمایوں فر نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے "میں اچھا ہوں، کوئی بات نہیں ہے۔ صرف ڈاکٹر کو بلوا دو۔" جب میں واپس لوٹ رہی تھی تو اُن کی آواز مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ صدیاں گذر گئیں۔ نرگس میرے پاس کھڑی تھی اور بہت کم بولتی تھی۔ میں اُس صندوق کو دیکھ رہی تھی جس میں اُس نے اور مسٹر سلیم نے میری چیزیں رکھیں تھیں۔ سوچ رہی تھی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد مسٹر سلیم آگئے۔ اور میں نے اُچھل کر اُن سے پوچھا "اب کیا ہو رہا ہے؟"

"بہت ہی بُرا ہوا" انہوں نے کہا۔ اور میں سمجھ گئی کہ واقعات کی دُنیا ہی بدل گئی کیونکہ مسٹر سلیم کی آواز اور طرزِ گفتگو بدلی ہوئی تھی۔ گو وہ اب بھی اسی قدر سنجیدہ اور متین نظر آ رہے تھے

لیکن اُن کی پریشانی چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی: "جوئے خانہ میں سر ہمایوں فر نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا سارا روپیہ ہار دینے کے بعد خودکشی کرنا چاہتا ہے، وہ اس سے طمنچہ چھین کر لے آئے اور جب یہاں پہونچکر اُسے جیب میں سے نکالنے لگے تو وہ چل گیا اور یہہ سانحہ پیش آیا"

میں نے سر کی جنبش سے انکار کیا اور پھر اُن سے اُس عورت کی موجودگی کا تذکرہ کیا مگر انہوں نے کچھ ایسی نظروں سے مجھے دیکھا کہ گویا مجھے خاموش رہنے کی تاکید کر رہی تھی۔

"سر ہمایوں فر تم سے ملنا چاہتے ہیں" انہوں نے کہا۔

"مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟" میں نے کچھ تعجب سے کہا۔

"ہاں" یہ کہہ کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔ میں نے نرگس کے رونے کی آواز سُنی۔ برآمدہ میں پہونچکر وہ ٹھٹکے اور بولے۔ "تم درگذر سے کام لوگی نا؟"

مجھے بے اختیار رونا آگیا کیونکہ سمجھ گئی تھی کہ انجام آپہونچا۔

"اپنی آنکھیں خُشک کرو" انہوں نے کہا۔

میں نے ایک بچے کی طرح ان کا حکم مانا اور وہ مجھے اُن کے کمرے میں لیکر داخل ہوئے۔

سر ہمایوں فر اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ وہ اس قدر بدلے ہوئے نظر آئے کہ میں کچھ دیر تک انہیں گھورتی رہی کہ یہ وہ ہیں بھی یا نہیں؟ انہوں نے میرا نام لینا چاہا اور مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے مجھے بُلایا۔ میں اُن کے پلنگ کے قریب گئی مسٹر سلیم اور ڈاکٹر نے جو وہاں موجود تھا مجھے بٹھایا۔ سر ہمایوں فر نے میری طرف آنکھیں پھیریں۔ میں نے جان لیا کہ مجھ پر مہربان ہیں۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا مگر ان کا ہاتھ

کمزور اور سرد تھا ہیں اُن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ اُن میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ میرا ہاتھ گرفت میں لیتے۔ باوجود اپنی پوری پوری کوشش کے میں نے محسوس کیا کہ میرے آنسو بہ رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ وقت قریب آ پہونچا ہے۔ اور میں خود ہی قاتلہ ہوں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ میں نے کبھی ان کا بُرا نہیں چاہا تھا۔ صرف اتنی بات ضرور تھی کہ ہم جدا ہو جائیں، وہ بھی اس لئے کہ یکجا نہیں رہ سکتے تھے۔ مگر اس وقت سب کچھ میرا ہی قصور نظر آ رہا تھا اور اب اُن کا یوں پڑا رہنا میری ہی وجہ سے تھا۔ میں جانتی تھی کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے مگر پھر بھی مجھے یہ احساس ستا رہا تھا۔

"مت روچھمو"، انہوں نے سرگوشی کی سی آواز میں کہا: "میں چاہتا تھا کہ تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں تمہیں یہاں ٹھہرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ صرف چاہتا ہوں کہ تم کہدو کہ تم نے ہر بات کو بھلا دیا اور مجھے معاف کر دیا ہے"

"میں نے معاف کیا میرے خدا نے معاف کیا" سسکیاں لیتے ہوئے میں نے کہا۔

"اچھا مجھے اپنا ہاتھ چومنے دو، کم از کم"

وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ میرا ہاتھ بھی اُٹھا نہ سکتے تھے مگر میں نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں گرمجوشی سے لیا اور جُھک کر انکی پیشانی کو چوما۔ پیشانی سفید اور سرد تھی، اور یہ سونچکر کہ انجام کتنے قریب آ پہونچا میرا لہو جمنے لگا۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے" انہوں نے کہا اور پھر اپنی آنکھیں ان دونوں کی طرف کر کے کہنا چاہا "اب انہیں یہاں سے لیجاؤ"

مسٹر سیکم مجھے لے چلے اور پھر میرے ہی کمرے میں مجھے پہونچا دیا۔ یہاں پہونچکر میری

آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا اور مجھے اسی قدر غم تھا جس قدر کہ ان سے محبت ہونے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔

اب پھر یہ معلوم ہونے لگا کہ وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ مگر مسٹر سلیم تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر آگئے اور میں فوراً کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے چلنے کی ضرورت نہیں ہے" انہوں نے کہا اور نرگس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ضرورت ہے، کیوں بیگم ہمایوں فر اگر میں چند منٹ کے لئے لیجاؤں تو تم کو تکلیف تو نہ ہوگی؟"

"جی نہیں" میں نے کہا۔ "لیکن اگر میں بھی کوئی خدمت انجام دے سکتی تو بہتر ہوتا"

"نہیں ابھی تمہاری ضرورت نہیں ہے"

نرگس اور وہ چلے گئے۔ گھڑیاں گھنٹوں کی طرح گذرنے لگیں، نرگس واپس آئی وہ رو رہی تھی اور یہ بھی نہ بتاتی تھی کہ اسے کیوں بلایا گیا تھا۔ میں بھی بیٹھی روتی رہی۔

مسٹر سلیم کے آنے کی آواز آئی میں دوڑ کر برآمدہ میں نکل آئی۔

"کیا اب میں چلوں" میں نے ان سے پوچھا۔ "کیا وہ مجھے بلا رہے ہیں؟"

انہوں نے آہستہ آہستہ سر ہلایا۔ "اب وہ بلانے کی حد سے گذر چکے تھے"

بس مجھے صرف اسی قدر یاد ہے۔ اس کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں بچھونے پر پڑی تھی ایک طرف نرگس کھڑی تھی اور دوسری طرف ڈاکٹر۔

میں بہت دنوں بیمار رہی۔ دراصل مجھے سردی اس رات کو لگ گئی تھی۔ بخار ہو گیا تھا اور ڈاکٹر کو نمونیہ کا خطرہ تھا۔ نرگس نے بڑی خدمت کی اور آپا محسنی جو پرسا دینے آئی تھیں بہت محبت سے پیش آئی رہیں۔ انکی زبانی معلوم ہوا کہ افضل

میری بیاری سی بہت پریشان ہیں۔ ابھی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ مسٹر سلیم نے انہیں شہر چھوڑ دینے کی ہدایت کی تھی۔ ڈاکٹر نے ملنے جلنے کو منع کر دیا تھا اور زیادہ بات چیت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ میں خود بھی کسی سے بات کرنی نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم اس وقت تک کہ جب تک کہ میں مسٹر سلیم سے دل کھول کر باتیں نہ کر لوں۔ میں نے اُن کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نائٹس ہی میں ہیں اور یہ بھی سنا کہ ابا اور اماں کو بھی بلایا گیا ہے۔ میں اتنی خوش نہیں تھی جتنا کہ مجھے ہونا چاہیے تھا۔ یہ سب باتیں ہوتی ہی کیوں اگر وہ پہلے ہی سے یہ طے نہ کر لیتے کہ ایک امیر آدمی کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتا۔ اور ایک ایسا شخص جو سوسائٹی کے لائق ہو ایک حساس لڑکی کا اچھا شوہر بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

میں مسٹر سلیم سے ملنے کے لئے بیچین تھی۔ اُن سے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس حادثہ کو کس طرح دبایا گیا کہ اخباروں میں طمنچے کے اتفاقیہ چل جانے سے موت واقع ہونے کی کہانی درج ہوئی تھی۔ اس عورت کا کیا حشر ہوا؟ اگر یہ بات پھیل گئی کہ اس نے جیسا کہ میرا شبہ تھا طمنچہ چلایا ہے اور اگر مجھے گواہی دینی پڑے گی تو کیا ہوگا؟ میں نے اُسے خوابگاہ میں دیکھا ضرور تھا اور اب مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ وہ چمکدار چیز جو اس کے ہاتھ میں تھی طمنچہ ہی تہا۔

مگر اُس نے ایسا کیا کیوں؟ اُن سے اس قدر محبت کے ثبوت مل جانے کے بعد بھی کیا وہ مجھ سے رشک و حسد کرتی تھی؟ یہ بات کچھ دل کو نہیں لگی اور میں اسی کشمکش میں مبتلا رہی یہاں تک کہ جب ملاقاتی کمرے میں مجھے جانے کی اجازت مل گئی تو میں نے پہلا کام یہ کیا کہ مسٹر سلیم کو بلا بھیجا۔ وہ حسب معمول سنجیدہ و متین تھے مگر اب میں اپنے

خائف نہیں تھی۔ کیونکہ ان کی ہمدردی اور بھلمنسائی سے میں خوب واقف ہو چکی تھی۔ میں نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔

"مسٹر سلیم مجھے بتائیے کہ کیا کیا گذری۔ میں اسی الجھن سے دیوانی سی ہوگئی خاموش پڑے پڑے دم بولا گیا" یہ کہکر میں نے انہیں اپنے قریب بٹھالیا۔ پھر چپکے سے اُن سے پوچھا "آپنے اس رات عورت کو بھی دیکھا تھا؟ وہ کس طرح نکل گئی؟"

"وہ ملاقاتی کمرے میں چھپی رہی اور جب سب چلے گئے اور سر ہمایوں فر کو اُن کے کمرے میں لٹا دیا گیا تو وہ نکل کر چلی گئی"

"کیا کسی نے بھی اُسے نہیں دیکھا؟"

"شاید دیکھا ہو مگر کوئی ذکر سننے میں نہیں آیا"

"مسٹر سلیم مجھے یقین ہے کہ یہ حادثہ اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ اُس عورت نے گولی چلائی ہے"۔

"ہاں اس میں تو شک نہیں ہے" انہوں نے سادگی سے کہا۔

"جب ہر طرح وہ اس کی امداد کرتے رہتے تھے تو پھر اُس نے یہ حرکت کی کیسے؟"

"یہی تو اُس کی شرارت ہے۔ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں کُل دولت اس کے نام لکھدی تھی۔ وہی وصیت نامہ انکا پروانۂ موت بن گیا"

میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی "آپ کا مقصد یہ ہے کہ اس نے انہیں ہلاک کیا؟ ——— قتل کیا اس لئے کہ دولت اُسے مل جائے۔"

"ہاں بالکل یہی"

میں برق زدہ سی ہوگئی۔ پھر کچھ دیر سوچکر بولی "یہ دولت اس کے لئے غضب بن جائیگی۔

وہ اس سے مستفید نہ ہو سکے گی۔"

مسٹر سلیم مُسکرائے اور بولے۔ "اس کے بارے میں تو مجھے کچھ علم نہیں۔"

"مجھے اس کا یقین ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی بدی پر کیوں نہ اُتر آئے اُس کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔"

"اس معاملہ میں کیا تم وصیت نامہ پر اعتراض نہیں کرو گی؟"

"کبھی نہیں۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے وہ سب کچھ کہنا پڑے گا جو میں نے دیکھا بدنامی ہوگی اور پھر مجھے اس ناہنجار عورت کے مقابلہ میں آنا پڑے گا۔"

"لیکن کیا تم جلد بازی سے کام نہیں لے رہی ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں ایسا نہیں کرونگی۔"

"خیر یہ ضروری بھی نہیں ہے۔"

"اچھا مجھے ایک بات اور بتایئے۔ میری ان چیزوں کے لے جانے میں تو وہ مُزاحم نہ ہوگی جو ہم نے اس دن اکٹھی کی تھیں؟"

"نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔"

میں اپنے تکیہ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی کیونکہ بہت تھکان محسوس کر رہی تھی۔

"مسٹر فضل پوچھنے آئے تھے کہ وہ تم سے کب ملنے آئیں بیگم ہمایوں فر۔" انہوں نے قدرے توقّف کے بعد کہا۔

"میں اُن سے ابھی ملنا نہیں چاہتی۔" میں نے کہا۔ "مسٹر سلیم آپ نہیں جانتے

کہ میں دل میں اُن کے بارے میں کیسے خیالات رکھتی ہوں، میں آپ سے سب باتیں کہدوں گی کیونکہ مجھے آپ پر اعتماد ہے اور آپ میرے ہمدرد ہیں۔ ہے نا۔؟"

"یقیناً ہر اچھے وکیل کو اپنے موکل کے ساتھ اسی طرح پیش آنا چاہیے۔"

میں نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو آپ کو محض ایک وکیل اور خود کو موکل نہیں سمجھتی، میں آپ کو اچھا، عزیز، اور لایقِ اعتماد دوست سمجھتی ہوں جیساکہ خود میں نے آپ کو پایا ہے۔"

"شکریہ۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ ہمیشہ اس قدر خُشک مزاج نظر نہ آئیں۔"

وہ ہنسے مگر اب بھی اسی متانت سے۔

"کیا آپ کی شادی ہوچکی ہے مسٹر سلیم"؟

وہ میرا سوال سُنکر چونک پڑے۔ "نہیں بیگم ہمایوں فر، مجھے اب تک یہ خوش بختی میسر نہیں ہوئی۔"

"میں سوچا کرتی ہوں کہ آپ اگر کسی سے محبت کریں گے تو کس طرح کرینگے؟" میں نے کہا

اُن کا چہرہ سُرخی سے تمتمانے لگا اور میرا بھی اور شاید ہم دونوں نے محسوس کیا۔ یا کم ازکم میں نے تو محسوس کیا ــــ کہ ابھی سے جبکہ داغِ بیوگی اس قدر تازہ تھا مجھے اس قدر کھل کر بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ مگر انہوں نے میرے سوال کا جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ جب اس کا وقت آئے گا تو میں یہ بھی کروں گا ــــ جس طرح کہ اور لوگ کرتے ہیں، انہی سے کچھ ملتی جُلتی۔" انہوں نے سکونِ خاطر سے کہا۔

"کاش میں بھی اس وقت تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں ہوں،" میں نے کہا اور اُن کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر اب وہ کرختگی اور سنجیدگی اسی قدر شدید نہیں تھی میں نے جلدی سے گفتگو کا رخ بدلنا چاہا۔

"میں آپ سے کہنے والی تھی کہ افضل کے بارے میں میرا خیال کیا ہے۔"

میں نے دیکھا کہ مسٹر سیلم کے چہرے پر سختی کے اور بھی زیادہ آثار نمایاں ہوئے مگر وہ کچھ نہ بولے تو میں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"ان تمام مشکلات کیوجہ سے جن میں کہ مبتلا رہی میں اکثر گذشتہ واقعات کو فراموش کر چکی ہوں اور انہی بھولی بسری باتوں میں سے ایک وہ جذبہ بھی ہے جو افضل کیطرف سے میرے دل میں جاگزیں تھا۔"

"میں یہ سنکر خوش ہوا،" مسٹر سیلم نے جلدی سے کہا "کیونکہ ان سب میں —"

وہ یکایک رُک گئے اور میں نے اُن سے جملہ پورا کرنیکی درخواست بھی نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں افضل کی طرف سے رنجیدہ تھی۔ وہ خواہ کتنی ہی شدت سے محبت کرتے ہوں لیکن انکے خیالات وہ نہیں تھے جن کی کہ مجھے توقع تھی۔ ان کی محبت خالص نہیں تھی۔ وہ میری خاطر تکلیفیں جھیلنے اور مجھے بچانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ہم تھوڑی دیر تک خاموش رہے اور پھر میں بولی۔

"ابا اور اماں یہاں کیوں آرہے ہیں؟ میں اگر اُن کے پاس چلی جاتی تو خرچ اور بھی کم ہوتا۔ آپ مجھے وہاں آرام سے پہونچا دیتے۔ ہے نا؟"

"تمہیں عزت کے لئے تو طوفان پھٹ پڑے گا۔ میں اسکا آپکو یقین دلاتا ہوں۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں ابھی اپنی وقعت و قدر کا صحیح احساس نہیں ہے۔"

"مجھے ابھی اور کیا معلوم کرنا ہے؟" میں نے اُن کی سنجیدگی سے کچھ خائف ہوکر کہا۔

"نواب ہمایوں فر نے اپنی زندگی خواہ کیسی طرح گذاری ہو مگر ایک شریف النفس کی طرح اُن کی موت واقع ہوئی اور مرتے وقت اُنھوں نے جو کچھ کیا وہ بالکل صحیح کیا۔ اُنہوں نے اُس ناشکر گذار ہستی سے انتقام لینے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا جس کے ساتھ اُنہوں نے بے شمار احسانات کئے تھے اور اُنھوں نے صابر و شاکر ہستی کو صلہ سے محروم نہیں کیا۔"

میرے جسم میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ "اور کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"اُنہوں نے بیان کیا کہ زخم اُن کی اپنی ہی بے احتیاطی کا نتیجہ تھا۔ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے۔"

"جی ہاں" میں نے کہا۔

"اس سے کوئی بری ہوگیا۔"

"جی ہاں۔"

"اور اُنہوں نے اپنا وصیت نامہ ضائع کر دیا جس کی رُو سے اُس ہستی کو فائدہ پہونچنا تھا اور دوسرا وصیت نامہ تجویز کیا جس کی رُو سے تلافیِ مافات ممکن تھی۔"

میں خاموش تھی۔ بہت دیر بعد میں نے کہا۔ "تو میں اب بچارے ابا اور اماں

کی امداد کر سکونگی ۔"

"ہاں ۔ مگر میں تمہیں یہ بھی جتانا چاہتا ہوں کہ جس کسی کی بھی امداد کرو سوچ بُوجھ کر کرو ۔ کاش تمہیں کوئی اچھا مشیر مِل جائے ۔"

"مشیر تو مجھے اچھا مِل گیا ہے ۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں رکھدیا ۔

"بغیر آپ کے مشورے کے میں ایک پیسہ بھی کسی کو نہیں دوں گی ۔ مسٹر ... میں جانتی ہوں کہ میں آپ پر اعتماد کر سکتی ہوں ۔"

"ہاں تم مجھ پر اعتماد کر سکتی ہو ۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری خاطر مجھے ... کڑی جھیلنی پڑیگی ۔"

میں ہنس پڑی ۔

"مجھے اُمید ہے کہ آپ اس سے مُنہ نہ پھیریں گے ۔ صرف یہ احساس کہ آپ ایک بیکس عورت کی امداد کی ہے اُن مُشکلات کا کافی صلہ ہو گا ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا ۔

"کیا میں بہت مالدار ہو جاؤں گی ؟" میں نے کچھ توقف کے بعد پوچھا ۔

"میرا خیال ہے کہ سولہ یا سترہ ہزار سالانہ تمہارے حصّہ میں آئیں گے ۔"

"یہ تو بہت بڑی رقم ہے ۔ مجھے اتنی زیادہ کی ضرورت نہیں ہے ۔" میں نے کہا ۔

"یہ ایسی دُشواری ہے کہ لوگ بہت جلد اس کے خوگر ہو جایا کرتے ہیں ۔" اُنہوں نے اپنی قدیمی خُشک مزاجی سے کہا ۔

"بہرحال میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ مجھے ایک ایسا دوست مل گیا ہے
...ں کی امداد سے میں اس رقم کا بہترین مصرف تلاش کر سکونگی"۔ میں نے کہا۔
یہ کل کا واقعہ ہے اور میں اُمید کرتی ہوں کہ ابا اور اماں کل یہاں آجائیں گے۔
...نے افضل کو صاف جواب دیدیا ہے۔ یہ بات کچھ ناگوار معلوم ہوتی ہے مگر میں
...سختی سے اُنہیں جواب نہیں دیا۔ میں نے اُن سے باتوں باتوں میں انکار
...دیا اور وہ بچارے سمجھ کر خاموش ہو رہے۔ مجھے ایک دولتمند بیوہ دیکھ کر
...مہ تن اخلاق بن گئے تھے مگر میرا دل اب نہیں پسیج سکتا۔
اس عجیب و غریب سال کی ابتدا سے اب تک میں نے کیسی کیسی باتیں سیکھیں
...کیسے کیسے مجھے تجربے ہوئے ہیں! اور یہ آخری اندراج ہے جو میں اپنے
...ر نامچہ میں کرونگی۔ اس سے تکلیف دہ یادداشتیں وابستہ ہیں اور اب
...ں کہ وہ صعوبتیں ختم ہو چکی ہیں۔ میں تذکرہ کر کے اُن کا اعادہ نہیں کرنا چاہتی۔

جس سال کا یہ روزنامچہ ہے اِس سے اگلے سال اپریل کے مہینہ میں مقامی
...بارات میں یہ خبر شائع ہوئی۔ "۲۰ تاریخ کو مسٹر سکیم اور نواب بلند اختر کی صاحبزادی
...ر نواب ہمایوں فر کی بیوہ) کی شادی رچائی گئی"۔

ختم شد

ساقی بک ڈپو کی کتابیں

کولتار:- اس کے بعض حصے ہنسانے والے، بعض رُلانے والے اور بعض نہایت پُر اسرار ہیں۔ قیمت عا؎

ڈیمپائر۔ ایک دوشیزہ کی عصمت ریزی کا عجیب و غریب دردانگیز و مضحکہ خیز قصہ۔ قیمت دو روپے (عا؎)

شریر بیوی۔ ایک شوخ و شنگ لڑکی کی داستان جس کو پڑھکر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنے۔ (عہ؎)

فُل بُوٹ۔ حسن و عشق کا بے حد دلچسپ مختصر ناول۔ جذبات و تاثرات کا دلاویز مُرقع۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنہ (عہ؎)

روحِ ظرافت۔ صحیح معنوں میں ظرافت کی روح ہے۔ آٹھ نہایت دلکش افسانوں کا مجموعہ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے۔ (عہ۱۲؎)

روحِ لطافت۔ جذباتِ لطیف کی روح ہی آٹھ بیحد دلچسپ و عبرت انگیز افسانے قیمت عہ؎

کمزوری۔ ایک عورت کی کمزوری کی عبرتناک داستان۔ قیمت دو روپیہ (عا؎)

مرزا جنگی۔ لکھنؤ کی پُرانی تہذیب اس دلاویز ڈرامے میں دیکھکر ہنستے ہنستے لوٹ جائیے۔ قیمت بارہ آنے مجلد (۱۲؎)

دیکھا جائیگا۔ شائقین کے بیحد اصرار پر کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ خوبصورت جلد۔ قیمت عہ؎

ملنے کا پتہ:- ساقی بکڈپو۔ دہلی؎